عیسائی راہبہ مستشرقہ کیرن آرمسٹرانگ کا قرآن، اسلام
اور پیغمبر اسلام پر الزامات، اعتراضات کا علمی محاسبہ

استشراقی فریب

کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب

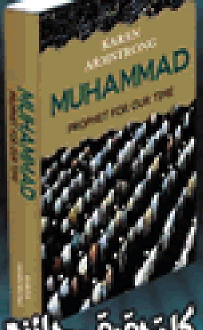

کا تحقیقی جائزہ

- قرآن کریم، استشراق اور مستشرقین
- مستشرقین کی اسلام دشمنی
- مستشرقین کے اہداف اور عیسائی نظام تعلیم
- قرآن، قصص الانبیاء اور بائبل
- پیغمبر اسلام پر بے رحمی کا الزام
- پیغمبر اسلام پر عدم برداشت کا الزام
- مسلمانوں کے زوال میں رہنمائی کرتا ہے
- جہاد اور تشدد
- پیغمبر اسلام کی ازدواجی زندگی پر اعتراضات

محمد اسمٰعیل بدایونی

اسلامک ریسرچ سوسائٹی کراچی

شرف انتساب

بنام

ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مفسر قرآن، شیخ الحدیث، محسن ملت حضرت علامہ جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کے نام جن کے سینے میں ہمیشہ ملت کا درد تڑپتا رہا جن کی آنکھوں سے ہمیشہ اپنے نبی کی اُمت کیلئے آنکھوں کا گریہ جاری رہا۔

اس عظیم شخصیت نے اگر تحریک استشراق اور ان کی فتنہ انگیزیوں سے ضیاء النبی کی آخری دو جلدوں میں آگاہ نہ کیا ہوتا تو میرے لئے یہ کتاب لکھنا نہ صرف مشکل بلکہ شاید ناممکن ہوتا۔ اپنی اس کاوش میں، میں نے بڑی حد تک پیر صاحب علیہ الرحمۃ کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت ورضوان کے پھولوں سے بھر دے اور ان کے فیوض وبرکات کو جاری وساری رکھے۔ آمین

اعتراف

تمام خوبیاں پروردگارِ عالم کیلئے جس نے لفظ کُن سے کونین کی تخلیق فرمائی۔ درود و سلام کے مہکتے گلدستے پیش ہیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس بارگاہ میں جہاں سے آج بھی کائنات کی بقا کیلئے رحمت و انوار کی بارشیں ہو رہی ہیں۔

یہ کرم ہے اُن کا کہ انہوں نے مجھ عاصی کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ میں دفاعِ سیرتِ رسول پر ناقدین کے قلم کی عیاری و مکاری کا نقاب نوچ پھینکوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت و عفت اور عظمت کی جاوداں اور تابندہ سیرت کے سنہری نقوش کی کرنوں کو عام کرسکوں۔

میرا علم ناقص اور میری عقل محدود ہے۔ میرا بھروسہ صرف خالقِ کائنات پر ہے جس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عفت و عصمت کی حفاظت کا اعزاز مجھے عطا فرمایا۔

یکے از خدام ناموس رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد اسمٰعیل بدایونی عفی عنہ

عرضِ ناشر

خیر و شر کا معرکہ روزِ ازل سے ہی جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ آفتابِ اسلام کے طلوع ہوتے ہی کفر و شرک کی تاریکیاں سمٹنے لگی تھیں، اسلام کی نورانی کرنوں سے قبل ہر طرف اندھیروں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علم، مذہب، سیاست، معیشت و معاشرت کی بساط پر یہود و نصاریٰ چھائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مذاہب کے آپس کے جھگڑوں، فساد و قتل و غارت گری سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہ دونوں آسمانی مذاہب ہیں یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کتاب تورات کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل انجیل کو اپنے اپنے مذاہب کی بنیادی کتب سمجھتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ہی نسلِ ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے اس لئے یہ دونوں اسرائیلی مذاہب ایک دوسرے پر اپنی دینی، علمی سیادت کو جتانے، منوانے کیلئے آپس میں برسرِ پیکار رہے۔ دونوں ہی اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہوئے اس بات کے دعویدار تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی اس بات کا علم بلند کرتے کہ نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اس جنگ نے اس قدر شدت اختیار کی کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہ السلام کی شان میں انتہائی رکیک جملے کہے اور آپ پر شرمناک الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ عیسائیوں نے بھی جواب میں اُن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا الزام لگایا۔ ان دونوں مذاہب کی باہمی جنگ اپنے مذہبی مقام و مرکز یروشلم میں جاری تھی۔ یہ دونوں چونکہ الہامی مذاہب تھے اور ان کی کتب مقدسہ میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ عنقریب نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نزول عرب کی سرزمین پر ہوگا اور آج بھی ہزار تحریفات کے باوجود یہ پیشن گوئیاں ان کتب میں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشن گوئیوں کے عین مطابق یہود و نصاریٰ نبی آخر الزماں کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشن گوئیوں کے عین مطابق جب سرزمینِ عرب سے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو ان کے اندر جوشِ حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ نبوت بنی اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل میں منتقل ہوگئی۔ اس آتشِ حسد نے ان کی عقلوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ جیسے جیسے اسلام کی تعلیمات وحشیوں کو نرم خو، جنگجوں کو رحم دل، ظلم و ستم کے رسیا لوگوں کو عدل و انصاف کا علمبردار بنانے لگیں، خزاؤں کے متوالوں کو بہاروں کا نگہبان بنانے لگیں، چمن اجاڑنے والوں کو گلستان کا محافظ بنانے لگیں، جوق در جوق اور فوج در فوج لوگ اسلام کی جانب دوڑنے لگے۔ اسلام کو اپنا نجات دہندہ قرار دینے لگے

نہ صرف مشرکین بلکہ یہود ونصاریٰ کی اکثریت بھی اسلام قبول کر کے اسلام کے پرچم تلے جمع ہونے لگی تو انہیں اپنی چودھراہٹ کے بت مسمار ہوتے نظر آنے لگے۔ ان تاریکیوں کے شیدائیوں کو اپنی نفسانی خانقاہیں ویران ہوتی نظر آنے لگیں۔ انہیں یہ یقین ہوگیا کہ عنقریب اسلام کی کرنیں تمام عالم کو منور کرنے لگیں گی۔

اندھیروں کے سوداگروں کو یہ گوارا نہیں تھا اس لیے انہوں نے اپنی آپس کی چپقلش کو بھلا کر عہدِ رسالت سے ہی اسلام کے خلاف اپنی مہم کو جاری رکھا۔ کل تک یہ مخالفت عسکری میدانوں میں تھی جنہیں صلیبی جنگوں کے نام سے جانا جاتا تھا۔ صلیبی میدانوں میں شکست فاش کے بعد ان جفاکشوں نے اپنا رخ علمی میدان کی جانب موڑ لیا اور اُمتِ مسلمہ کے نوجوانوں میں یہ علمی زہر اس طرح سے پھیلانے لگے جو دیکھنے میں نہایت شیریں معلوم ہوتا لیکن آہستہ آہستہ اسلامی عقائد و نظریات کی فصیلوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔

فاضل مصنف محمد اسمٰعیل بدایونی ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جرائد ورسائل میں ان کے مضامین اکثر وبیشتر چھپتے رہتے ہیں، اسمٰعیل بدایونی GEO سمیت مختلف ٹی وی چینل کیلئے بھی لکھتے رہے ہیں ریڈیو پاکستان پر بھی مختلف پروگرام کرتے رہے ہیں ان کی زیر نظر کتاب استشراقی فریب کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب Muhammad Prophet For Our Time کا تحقیقی جواب ہے جس میں انہوں نے مستشرقین کے الزامات کا نہ صرف علمی محاسبہ کیا ہے بلکہ ان کے مکر وفریب کے کھوکھلے پن کو بھی عیاں کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

فرحان احمد

آرگنائزر اسلامک ریسرچ سوسائٹی

عرضِ قادری

محمد زبیر قادری

(مدیر سہ ماہی افکار رضا ممبئی، انڈیا)

برادرم محمد اسمٰعیل صاحب بدایونی ماشاء اللہ ہماری نئی نسل کے ایسے لکھنے والوں میں سے ہیں جن کا طرزِ تحریر جماعتِ اہلسنت کے روایتی قلم کاروں سے بالکل ہی جداگانہ ہے۔ اب تک اُن کی مختلف تحریروں کا مَیں نے مطالعہ کیا بلکہ اُن کے کئی مضامین اپنے سہ ماہی 'افکارِ رضا' ممبئ میں شائع بھی کیے، جسے عوام الناس نے بے حد سراہا۔ بلکہ حال ہی میں اُن کی تحریروں کی مقبولیت کا یہ عالم دیکھنے میں آیا کہ پاک و ہند کے ہر بڑے جریدے میں اُن کی تحریریں نظر آتی ہیں۔ پاکستان کے بے شمار اخبار و جرائد کے علاوہ ہندستان میں افکارِ رضا، جامِ نور، اشرفیہ، مسلم خاتون، ضیائے صابر وغیرہ کئی جرائد میں آپ کی تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔

آپ کے مضامین علمی و فکری گہرائی و گیرائی لئے ہوتے ہیں جو قارئین کے دل پر فوری اثر انداز ہوتے ہیں۔ آپ نے اب تک مذہبی، تاریخی، سیاسی، سماجی، ثقافتی موضوعات پر علمی، تحقیقی، افسانوی، ڈرامائی انداز میں بے شمار مضامین لکھے ہیں۔ جو ہر حلقے میں پسند کئے گئے۔

میری اسمٰعیل صاحب سے گزشتہ چند سالوں سے رفاقت ہے۔ ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۹ء کو سفر کراچی کے دوران اُن سے کئی بار ملاقات کا شرف بھی حاصل رہا۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے میرا اُن سے مسلسل فون یا ای میل سے رابطہ رہتا ہے۔

موجودہ کتاب 'استشراقی فریب' اسمٰعیل بدایونی صاحب کی تازہ تصنیف ہے جو برطانوی مستشرقہ کیرن آرم اسٹرانگ کی کتاب 'Muhammad Prophet For Our Time' کے اُردو ترجمہ 'پیغمبر امن' کا علمی و تحقیقی جواب ہے۔ مستشرقین کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے بلکہ استشراقیت کا مقصد ہی تحقیق کے نام پر اسلام و مسلمانوں پر منفی تنقید کرنا، کیڑے نکالنا اور کیچڑ اُچھالنا رہا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی اسلام کے خلاف قلمی دہشت گردی ہے۔ پتا نہیں ہمارے یہاں ایک طبقہ مستشرقین کی تحقیقات سے کیوں بہت متاثر نظر آتا ہے جبکہ ہمارا مطمح نظر یہی ہونا چاہئے کہ مستشرقین کا اصل مقصد اسلام و مسلمانوں کے خلاف منفی تحقیق ہے، جو کہ اسلام دشمنی ہے۔ اس ضمن میں کسی سے کوئی اچھا کام ہو بھی گیا ہو تو ہمیں اُس کی تعریف و توصیف کے پہاڑ نہیں کھڑے کرنا چاہئے کہ اسلام کا درس ہی یہ ہے کہ

جس نے جس نیت سے کام کیا اُس کی جزا بھی ویسے ہی ملے گی۔ مسجد بنانا بہت اچھا کام ہے لیکن دیکھئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود مسجدِ ضرار کو شہید کروایا۔۔۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس مسجد بنانے والوں کا مقصد اسلام کی ترویج واشاعت نہیں بلکہ مسجد کی آڑ میں اسلام کی بیخ کنی تھا۔ اسی طرح مستشرقین کا کام اسلام کی جڑوں کو کمزور کرنا ہے، لہٰذا اُن کا کام اسلام و مسلمانوں کیلئے کتنا بھی سود مند اور فائدہ بخش کیوں نہ ہو، ہمیں اُن سے ہوشیار رہنا چاہیۓ۔ آنکھ بند کر کے ان کی تحریر و تحقیق کو سندِ اعتبار نہیں دینا چاہیۓ ورنہ یہ روش مستقبل میں خود ہمارے لئے تکلیف دہ اور نقصان دہ ثابت ہوگی۔

برادرم اسمٰعیل بدایونی صاحب کی یہ بہت اچھی کاوش ہے۔ سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے کی آڑ میں مستشرقہ نے اس کتاب میں سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بخیے اُدھیڑنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اپنی اس کوشش میں منہ کی کھائی ہے۔ میں مشکور ہوں اسمٰعیل صاحب کا کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور یہ کتاب پروف ریڈنگ کیلئے ای میل سے بھیجی، احقر نے پوری کتاب پڑھ کر اپنے ناقص علم کے مطابق پروف ریڈنگ کی کوشش کی ہے، البتہ احقر کے پاس اصل کتاب 'پیغمبر امن' موجود نہ تھی جس کے حوالے اس کتاب میں درج ہیں۔ لہٰذا اسمٰعیل بدایونی صاحب کو تاکید کردی ہے کہ وہ حوالوں کو اشاعت سے پہلے اصل کتاب سے ایک بار پھر مقابلہ کروالیں پھر شائع کریں۔ اللہ کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل برادرم اسمٰعیل بدایونی صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور آپ کے علم، عمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور آپ سے اسی طرح دین اسلام کا کام لیتا رہے۔

خادمِ ملت اسلامیہ

محمد زبیر قادری

ایڈیٹر افکارِ رضا، ممبئی

تقدیم

حضرت علامہ حافظ قاری پروفیسر ریاض احمد بدایونی (گولڈ میڈلسٹ)

(پرنسپل گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج شاہ فیصل کالونی کراچی)

ایم اسلامیات، ایم تقابل ادیان، ایم اے اردو، ایم اے عربی، فاضل درس نظامی ایل ایل بی، ایم ایڈ، ایم فل

اسلام دشمن قوتیں ابتدائے اسلام ہی سے مذہب اسلام سے بغض وحسد کے سبب آتشِ انتقام میں جل رہی ہیں۔ ماضی بعید میں دشمنانِ اسلام اپنی قلبی عداوتوں کے سبب ہتھیاروں کو اٹھائے عسکری میدانوں میں نکل آتے اور مسلمان مجاہدین سے پنجہ آزما ہوتے لیکن اہل ایمان ہر بار باطل کی شکست اس کے ماتھے پر لکھ دیتے تھے۔ شکست درشکست نے ان کے حوصلوں کو پست نہیں کیا بلکہ استشراق (Orientalism)اور تبشیر (Missionaries) کے نام سے ایک نئی حکمت عملی کو ترتیب دیا، ان دونوں تحریکوں نے اسلام کو اپنا ہدف تصور کرتے ہوئے انتہائی تیزی سے کام کیا۔ ان دونوں تحریکوں کے معاملات ابتدا میں کلیسا سے مربوط رہے اور اسکے بعد وزارتِ استعمار سے منسلک ہوئے۔

ان کا طریقہ واردات نہایت شاطرانہ وعیارانہ رہا انہوں نے عقل کی زمین پر زہریلی فکر کے بیجوں کو بویا اور تحقیق وتعلیم کے پردہ میں فکری بیماری کے جراثیم عام کرے۔

مستشرقین ایسی ایسی تمہیدوں اور اسلوب تحریر کے ساتھ آگے بڑھے جن میں اسلام کی خوبیاں بیان کیں، اسلام اور پیغمبر اسلام کے اوصاف بیان کئے مگر اس کے ساتھ ہی ہلکے ہلکے انداز سے زہر آمیزی بھی جاری رکھی تاکہ ان کی کتابوں کو مطالعہ کرنے والے زہریلے پن کو محسوس نہ کرسکیں۔ یہ عالم اسلام کی طرف بڑی محبت وپیار سے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ یہ ہاتھ جتنے نرم ونازک وملائم ہوتے ہیں اتنے ہی زہر آلود اور مہلک ہوتے ہیں۔ ایسے ہاتھ جو عالم اسلام کیلئے، اسلامی ممالک کیلئے، اسلامی عقائد ونظریے کیلئے، فنا، موت اور تباہی وبربادی اپنی آستینوں میں چھپائے ہوتے ہیں بلکہ ہر اس چیز کیلئے جس سے اُمت مسلمہ کی بقا ممکن ہو۔

عہدِ حاضر میں مستشرقین کی روح رواں کیرن آرمسٹرانگ نے ایک کتاب Muhammad Prophet For Our Time لکھی اورانتہائی شیریں لب ولہجے کو اپناتے ہوئے اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف بغض وحسد کے زہر کو ملت اسلامیہ کی نئی نسل کے دل ودماغ میں اُتارنے کی مذموم کوشش کی۔

ملّتِ اسلامیہ کو ہر زمانے میں ہر میدان کی مناسبت سے ایسے مجاہدین میسر آتے رہے جنہوں نے دلوں کی زمین پر اسلام کی حقانیت کے نقش ثبت کیے۔۔۔۔ نفرتوں کے جواب میں محبتوں کے گلاب کھلائے۔۔۔۔ اندھیروں کے مقابلے میں روشنیوں کو عام کیا۔۔۔۔ ستم کا جواب کرم سے اور ظلم کا جواب عدل سے دیا۔

محمد اسمٰعیل بدایونی (گولڈ میڈلسٹ) بھی انہی نوجوانوں میں سے ایک ہیں انہوں نے اپنی اس کتاب میں نہ صرف کیرن صاحبہ کے تخیل کی کاریگری کو بے نقاب کیا بلکہ انتہائی مہذبانہ انداز میں استشراقی جال کے تارو پود کو بکھیر کر رکھ دیا۔

محمد اسمٰعیل بدایونی اُمتِ مسلمہ کے ان نوجوانوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے علم کے میدان اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے اللہ تعالیٰ ان کے علم، عمل میں اضافہ فرمائے ان کو علم نافع عطا فرمائے اور ان کو درازی عمر عطا فرمائے۔ آمین

ریاض بدایونی

پرنسپل گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج

شاہ فیصل کالونی کراچی

۱۴ جون ۲۰۰۹ء

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر شہناز غازی

ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، پی ایچ ڈی .Ph.D

استاذ شعبہ قرآن وسنۃ جامعہ کراچی

فاضل مصنف محمد اسمٰعیل بدایونی نے زیر نظر کتاب میں مستشرقہ کیرن آرمسٹرانگ کے جھوٹے پروپیگنڈوں اور تخیل کی کاریگری کا نہایت مدلل جواب دیا ہے اور انہوں نے صرف اسلامی کتب ہی سے استفادہ نہیں کیا بلکہ کیرن صاحبہ کی دیگر کتب سے بھی ان کے الزامات کی حقیقت کو ثابت کیا ہے اور ان کے الزامات کے بخیے اُدھیڑ دیئے ہیں۔ محمد اسمٰعیل بدایونی شعبہ قرآن وسُنۃ جامعہ کراچی میں .M.S/Ph.D کے طالب علم ہیں انہوں نے M.A قرآن وسنۃ 2007ء میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آج میرے یہ شاگرد عالم اسلام کی نظریاتی فصیلوں پر ہونے والے حملوں کا دفاع کر رہے ہیں۔۔۔ اسلام کے مخالفین کی جانب سے نظریاتی سرحدوں پر ہونے والی علمی یلغار کے سامنے سینہ سپر ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ان تمام جھوٹے اور تخیل آمیز پروپیگنڈوں کی حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے جو دنیائے استشراق نے نظریاتی ہتھیار کے طور پر استعمال کئے ہیں نیز اس کتاب کے مطالعہ سے پڑھنے والوں کے دلوں پر اسلام کی حقانیت کا نقشِ دوام بھی ثبت ہو جائے گا۔

اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ کتاب ایک رہنما اور حق کی معلم ثابت ہو گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور انہیں مذہب مہذب اسلام کی اور زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر شہناز غازی

استاذ شعبہ قرآن وسنۃ جامعہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

حق وباطل کی جنگ انسانیت کی ابتداء کیساتھ ہی چلی آرہی ہے اور تا قیامت یونہی چلتی رہے گی۔ شیطان ابنِ آدم کو راہِ حق سے ہٹانے کیلئے ہر وہ چال چلے گا جس سے انسانیت گمراہی کی وادیوں میں آوارہ بھٹکتی رہے۔

گذشتہ دنوں اردو بازار کی ایک دکان سے میں کتب خرید رہا تھا کہ میری نظر کیرن آرم اسٹرانگ کی کتاب **Muhammad Prophet For Our Time** کے اردو ترجمہ 'پیغمبر امن' پر پڑی۔ میں نے اس کتاب کے بارے میں سوچا کہ اگر کسی مستشرقہ نے سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی اچھی کتاب لکھی ہے تو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ لیکن جب اس کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ شراب کی بوتل پر گلاب کا لیبل لگا ہوا تھا۔ پوری کتاب منٹگمری واٹ، جارج سیل جیسے اسلام دشمن مستشرقین کے نظریات کا ہی چربہ تھی اور کیرن آرم اسٹرانگ نے بھی اس کتاب میں یہ ثابت کردیا کہ وہ منصف مزاج محقق نہیں بلکہ ایک متعصب مستشرقہ ہیں۔

اُردو زبان میں پہلی مرتبہ کسی مستشرقہ کی کتاب (بالخصوص 'سیرتِ رسول، وحی' جیسے موضوع پر) میری نظر سے گزری، ورنہ اس سے قبل پیغمبر اسلام کی ہرزہ سرائی پر کوئی کتاب اردو زبان میں میری نظر سے نہیں گزری تھی۔

کیرن آرم اسٹرانگ کی کتاب میں حقائق کو جس طرح منہ چڑایا گیا ہے اس سے کیرن آرم اسٹرانگ کی عصبیت آشکار ہوجاتی ہے۔ ایک طرف وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں 'پیغمبر امن' ہونے کا دعویٰ بھی کرتی ہیں اور دوسری جانب یہ بھی کہتی ہیں:

"Muhammad was not a pacifist." (Muhammad, Page No: 137)

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) امن کا پرچار نہیں کررہے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹۹)

دوسری جگہ یوں دشنام طرازی کرتی ہیں:

"But Muhammad had embarked upon a dangerous course."

(Muhammad, Page No: 129)

لیکن حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ایک خطرناک راہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ (ایضاً صفحہ ۹۳)

عزیزانِ گرامی! قریش مکہ کی اسلام دشمنی کا کون انکار کر سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام کے صبر اور حلم پر کون سا شخص داد و تحسین دیئے بغیر رہ سکتا ہے۔

لیکن کیرن آرمسٹرانگ کو اسلام اور پیغمبر اسلام میں وصف بھی عیب نظر آتا ہے اور کفارِ مکّہ و قریش کے عیبوں میں بھی وہ خوبیاں گھڑ لیتی ہیں۔

جیسا کہ لکھتی ہیں:

"Most of the qurraysh seemed to have forgotten all about the Muslim."
(Muhammad, Page No: 126)

زیادہ تر قریش مسلمانوں کو بھول گئے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹۱)

کیرن آرمسٹرانگ نے کتنے بھول پن سے سارے حقائق کو مٹی میں ملا دیا۔ کیرن نے کفارِ مکّہ کے مظالم جو ہجرت سے قبل انہوں نے مسلمانوں پر ڈھائے تھے کو نظر انداز کر دیا۔ ہجرت کے بعد کفارِ مکّہ کے خط جو انہوں نے مدینے کے یہودیوں اور منافقین کے نام لکھے اور مسلمانوں کو مدینے سے نکالنے کا کہا اور یہ بھی دھمکی دی کہ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اُن کی عورتوں اور پازیبوں کے درمیان زیادہ وقت نہیں رہے گا۔

وہ ابو جہل کے جنونِ جنگ کی صفائی یوں پیش کرتی ہیں:

"Abu Jahl did not expect a battle. He had little conception of the horror of war, which he seemed to envisage as a kind of party complete, with dancing girls." (Muhammad, Page No: 133)

ابو جہل کو بھی جنگ کی توقع نہیں تھی۔ وہ جنگ کی دہشت ناکی کا بہت کم ادراک رکھتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ ایک قسم کی دعوت یا ضیافت تھی جس میں رقاصائیں بھی موجود ہونی چاہیے تھیں۔ (پیغمبر امن صفحہ ۹۶)

ابو جہل کی اسلام دشمنی، مکاری، عیاری سے کون شخص واقف نہیں، لیکن کیرن آرم اسٹرانگ کا اصول یہی ہے کہ دشمن کا دشمن اپنا دوست۔ ابو جہل اسلام کا دشمن تھا اس لئے وہ مستشرقین کا دوست ہے۔

احبابِ من! حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی، نظمِ حکومت سے کون واقف نہیں۔ جنہوں نے شاندار طریقے سے حکمرانی کی، جن کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ کیرن اُس فکر و تدبر کے پیکر کی شان میں اس طرح ہرزہ سرائی کرتی ہیں۔

But he was not a man of hilm and was still fired by the fierce impetuosity of jahiliyah. He did not understand that the values of gentleness and nonviolence were also central to the Islamic ideal. He was a man of action prone to reach, jahili-like, for his sword without thinking matters through. Faced with Muhammad's apparent about-face at Hudaybiyah, he was bewildered and confused. (Muhammad, Page No: 185)

آپ کافی تیز مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس وقت تک آپ نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ حلم وعدم تشدد کی اقدار بھی اسلامی مثالی تصور کا محور تھیں۔ وہ عملی شخص تھے اور معاملات پر غور و فکر کیے بغیر تلوار نکال لیا کرتے تھے۔ حدیبیہ میں آنحضرت کی حکمت عملی دیکھ کر وہ حیرت اور گڑبڑاہٹ کا شکار ہوئے۔ (ایضاً، صفحہ ۱۳۶)

یہ من کے اندر چھپا ہوا وہ تعصب ہے جو نہ صرف زبانوں کو آلودہ کر رہا ہے بلکہ خبث باطن کو بھی ظاہر کر رہا ہے۔ کتاب کے آخر میں مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

'If they are to meet the challenge of the day ,Muslims must learn to understand our Western traditions and institutions ,because they are not going to disappear. If Islamic societies did not do this ,he maintained, they would fail the test of the twentieth century.' (Muhammad Page No: 213)

اگر مسلمانوں کو موجودہ دَور کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے تو انہیں ہماری مغربی روایات اور دساتیر کو سمجھنا ہوگا کیونکہ وہ صفحہ ہستی سے مٹنے نہیں جارہی ہیں اگر اسلامی معاشروں نے ایسا نہ کیا تو وہ بیسویں صدی کے امتحان میں پورا نہیں اتر سکیں گے۔ (پیغمبر امن صفحہ 157)

مس کیرن آرمسٹرانگ! ہم ہر دَور میں کامیاب رہے، جب تک ہم اللہ اور اُس کے رسول کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ہم اُس وقت بھی کامیاب تھے جب ہم انگلی کے پوروں پر گنے جاتے تھے۔ ہم اُس وقت بھی کامران تھے جب ہم تین سو تیرہ تھے اور ہم اُس وقت بھی فتح ونصرت کے جھنڈے لہرا رہے تھے جب قیصر کسریٰ جیسی عالمی سپر طاقتوں کا طوطی بول رہا تھا اور ہم اُس وقت بھی کامیاب تھے جب اسپین میں عیسائی گاتھ حکومت کیا کرتے تھے۔ ہماری کامیابیوں کا سہرا مغربی روایات و دساتیر میں نہیں ہماری کامیابیوں اور کامرانی کا راز غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے۔

بقول شخصے۔

قدموں پہ شاہِ دیں کے جب ہوگا سر ہمارا
تب اوج پر ہمارا جاہ و جلال ہوگا

احبابِ من! کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب کے چند حوالے آپ نے ملاحظہ کئے۔ عصبیت کے شعلوں کی تپش بھی محسوس کی کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب استشراقی وسوسوں کا مجموعہ ہے جس کے ذریعے وہ ملت کی نئی نسل کے ذہنوں میں تشکیک کے بیج بونا چاہتی ہیں اور اس کوشش میں مصروفِ عمل ہیں کہ نئی نسل کے سینوں سے حبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نکال دیں اُن کے دلوں میں جلنے والے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چراغوں کو بجھادیں۔

کیرن آرمسٹرانگ کی اس صلیبی کاوش کو بہت پہلے اقبالؔ نے یوں آشکارا کیا تھا۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بدن سے نکال دو

یہ معروضات صرف کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب کا جواب نہیں بلکہ نظریاتی سرحدوں پر ہونے والے استشراقی حملوں کا دِفاع ہے اور جواب بھی۔

احبابِ من! ہم نے اس کتاب میں یہ کوشش کی ہے کہ نہ صرف استشراقی وسوسوں کا جواب دیا جائے بلکہ دینِ مسیحیت کو بھی ساتھ ساتھ آشکارا کیا جاسکے۔

اور ایسا کرتے ہوئے ہم مستشرقین کے اس اسلوب سے گریز کریں گے کہ جیسے وہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر وہ باتیں بھی تھوپ دیتے ہیں جن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی شخصیت بری الذمہ ہے۔

اس کتاب کے اندر ہم کیرن آرم سٹرانگ کے دلائل بیان کریں گے پھر ان کا موقف اور اس کا جواب قرآن وحدیث، اسلامی تاریخ مستشرقین اور ان ہی کی مقدس کتابوں کی روشنی میں دیں گے۔

اس کتاب کا جواب لکھنے سے پہلے ہی عرض کرتے ہیں کہ ہم کیرن صاحبہ کی طرح تحقیق کا جعلی لبادہ اوڑھ کر خود جج بنیں گے نہ وکیل اور نہ خود اپنے حق میں یک طرفہ فیصلہ کریں گے، بلکہ حقائق کو تحقیق کی میز پر قارئین کے سامنے رکھیں گے۔

کیرن صاحبہ کی کتاب MUHAMMAD کا جائزہ لینے سے قبل اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ ہم کیرن صاحبہ کی طرح غیر جانبداری کا لبادہ نہیں اوڑھیں گے بلکہ اس بحث سے قبل ہی ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اسلام کے جانثار سپاہی اور پیغمبر اسلام کے سچے غلام ہیں اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کے خلاف اپنے دینِ متین اسلام کا دفاع کرنا ہر فرض سے بڑا فرض سمجھتے ہیں اور قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب جانتے ہیں اور اس کے ہر لفظ پر یقین رکھتے ہیں۔

کیرن صاحبہ کی اسلام دشمنی کے سبب پوری کوشش یہ رہی کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کر سکیں اوران کے پاس اندھی عصبیت کے سبب اس منفی راستے کے سوا کوئی راستہ بچتا بھی نہیں ہے لیکن ہمیں ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں ہے، کیونکہ اسلام حق ہے اور حق جھوٹ یا حیلوں سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ حق، حق ہوتا ہے جب سورج نصف النہار پر اپنی روشنی کو پھیلا رہا ہو تو اسے روشن ثابت کرنے کیلئے کسی حیلے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب میں کوئی خامی، غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اُسے معاف فرمائے اوراس کتاب کو اُمتِ مسلمہ کیلئے باعث برکت بنائے۔ آمین

آخر میں ان تمام احباب کا ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کیا بالخصوص اپنے والد گرامی پروفیسر ریاض احمد بدایونی اور اپنی محترم ٹیچر ڈاکٹر شہناز غازی کا جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور ان تمام دوستوں محترم زبیر قادری صاحب ممبئی انڈیا، عبید حسین، مولانا ناصر چشتی صاحب اور محمد احمد کا جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ سے لے کر اشاعت تک تعاون کیا۔

تحریک استشراق اور مستشرقین

آندھیوں کے بگولے ہر سمت اُٹھ رہے ہیں۔۔۔ طوفانوں میں ایک شدت برپا ہے۔۔۔ مشرق و مغرب پنجہ آزمائی کے دور سے گزر رہے ہیں۔۔۔ ایک جنون ہے جو مشرق کو مغرب اور شمال کو جنوب کرنے پر تلا ہوا ہے۔۔۔ طوفانوں کی ہولناکیاں نہ جانے کیا کچھ نیست و نابود کرنے کیلئے تڑپ رہی ہیں۔

ہر سمت ایک ہی آواز ہے کہ اسلام کا راستہ روک دو۔۔۔ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں حائل کر دو۔۔۔ کمیونزم کے بعد ہمارا سب سے بڑا دشمن اسلام اور اہلِ اسلام ہیں۔

یہ صدائے بازگشت نہ تو نئی ہے اور نہ ہی اجنبی۔۔۔ یہ صدائیں تو اس وقت بھی بلند کی گئی تھیں جب وادیِ مکہ میں چند سر فروشوں نے اسلام قبول کیا تھا۔۔۔ یہ آوازیں تو اس وقت بھی بلند کی گئی تھیں جب مدینہ میں 313 مجاہدینِ اسلام نے بدر کے میدان میں باطل کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔۔۔ یہ شور تو یہودیوں نے اس وقت بھی کیا تھا جب خیبر کے میدان میں نصرتِ حق نے اپنے پرچم لہرائے تھے۔۔۔ اور یہ غل غپاڑہ تو اس وقت بھی مچایا گیا تھا جب قیصر و کسریٰ کو پیغمبرِ اسلام کے غلاموں نے شکستِ فاش دی تھی۔

کئی قوموں نے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی، اُن میں سے اکثر نے اسلام کی حقانیت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے لیکن یہود و نصاریٰ نے اسلام دشمنی کا رویہ کبھی ترک نہیں کیا بلکہ ہر روز ان کی نفرت میں شدت اور آتشِ حسد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

قرآن نے تو اس حقیقت کا چودہ سو سال قبل ہی ببانگِ دہل اعلان کر دیا تھا:

ولن ترضی عنک الیهود ولا النصاری حتی تتبع ملتهم (پ ۱۔ سورۃ البقرہ: ۱۲۰)

اور ہر گز خوش نہیں ہوں گے آپ سے یہود اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی۔

کرنے لگیں ان کے دین کی۔

عزیزانِ گرامی! مسلمانوں نے نہ صرف انہیں امن دیا بلکہ جینے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ جاہل تھے علم و تمدن کی دولت عطا کی۔ جن کے پاس معاشرتی و قانونی قوانین نہیں تھے انہیں معاشرتی زندگی کے حسن آراستہ کیا۔ اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ نے انہیں جینے کے سلیقے اور زندگی گزارنے کے اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ خورسندہ سے آگاہ کیا۔

اور یہ سب کچھ مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کی سیرت سے حاصل کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قابلِ رشک سیرت کو اپنے لئے نمونہ بناتے چلے گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کی نورانی کرنوں سے دوسری اقوام وملل کو روشن کرتے چلے گئے۔

دوسری جانب یہود و نصاریٰ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے احسان مند اور مشکور ہوتے انہوں نے دشمنی کی تمام حدوں کو پھلانگ دیا۔ امن و سکون کے جواب میں ظلم و ستم کو رواج دیا۔ علم و فضل کے جواب میں جہالت و بہتان کی رسم کا اجرا کیا۔ ہر آنے والا دن ان کے انتقام کی آگ کو بڑھاتا چلا گیا۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی روشنی نے ان کے گھروں کی سیاہی تک کا خاتمہ کرڈالا مگر یہ تاریکیوں کے خوگر اس پر بڑے دل گرفتہ ہوئے۔ آتشِ انتقام کا لاوا ان کے سینوں سے پھٹ کر نکل پڑا۔

پھر جنگ وجدل کی وہ آگ روشن کی جس نے کبھی اسپین کے محلات و مساجد کو جلایا تو کبھی مصر وشام کی آبادیوں کو جلاکر خاکستر کرنے کی کوشش کی، اس صلیبی آگ کی شدت اصل میں بغض و حسد کی آگ کی صرف ایک چنگاری تھی جو یہود و نصاریٰ کے سینوں میں جل رہی تھی۔

ان کی اس آگ کو بجھانے کیلئے کبھی یوسف بن تاشفین اُٹھا اور کبھی سلطان صلاح الدین ایوبی۔ اس صلیبی آتش نے کیسے ظلم و ستم ڈھائے۔

کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں، 15 جولائی 1099ء کو صلیبی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ انہوں نے دو دِن تک یروشلم کے مسلم اور یہودی باشندوں کا قتل عام جاری رکھا۔ انہوں نے مرد وزن کی تمیز کئے بغیر ہر کسی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس قتلِ عام کے اگلے دن صلیبی، مسجد الاقصیٰ کی چھت پر چڑھ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ایک گروپ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا' حالانکہ ٹینکرڈ نے ضمانت دی تھی کہ انہیں مسجد میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ صلیبیوں کے نزدیک مسلمان معزز دشمن نہیں رہے تھے۔ بلکہ خداوند کے دشمن بن چکے تھے لہٰذا انہیں سفاکی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا جانا ان کا نصیب بن گیا تھا۔ وہ اس مقدس شہر کو ناپاک کررہے تھے اس لئے انہیں کیڑے مکوڑوں کی طرح فنا کردیا جاتا تھا۔ صلیبی، مسلمانوں کیلئے 'گند' کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔

اس قتلِ عام کے ایک عینی شاہد نے لکھا ہے، بڑے ہی زبردست مناظر دیکھنے کو ملے۔ ہمارے کچھ سپاہیوں نے (رحم دِلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے) اپنے دشمنوں کے سر کاٹ دیئے' دوسروں نے انہیں تیروں کا نشانہ بنایا' اور کچھ نے انہیں شعلوں کی نذر کر کے طویل اذیت دی۔ شہر کی گلیوں میں سروں' ہاتھوں اور پیروں کے ڈھیر دیکھے جا سکتے تھے۔ انسان، انسانوں اور گھوڑوں کی لاشوں پر پاؤں رکھے بغیر گزر نہیں سکتا تھا۔ تاہم ہیکلِ سلیمانی میں جو کچھ ہوا' اس کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہاں کیا ہوا؟ اگر میں سچ بیان کروں تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ لہٰذا تمہارے اطمینان کیلئے کم از کم اتنا کہنا کافی ہے کہ ہیکل سلیمانی کے اندر اور اس کے دالان میں اتنا خون تھا کہ گھڑسواروں کے گھٹنوں سے اوپر اور گھوڑوں کی لگاموں تک آ گیا تھا۔ بلاشبہ یہ خداوند کا ایک منصفانہ اور شاندار فیصلہ تھا کہ یہ مقام کافروں کے خون سے بھر جائے' کیونکہ وہ بہت طویل عرصے سے اس کی توہین کر رہے تھے۔

یہ قتل و غارت محض عام سی فاتحانہ جنگ نہیں تھی۔ صلیبی موت کے فرشتوں کی طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ (Holy War صفحہ 189,190 از کیرن آرمسٹرانگ مترجم یاسر جواد مطبوعہ نگارشات پبلیشرز)

ٹیری جونز صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے قتلِ عام کے حوالے سے لکھتا ہے، جب صلیبی شہر میں داخل ہوئے تو **Filcher of Charters** کے مطابق، ہمارے سپاہیوں نے لوگوں کو بے دریغ قتل کیا، ان کے پیٹ پھاڑ کر انتڑیاں بکھیر دیں۔ انہیں شک تھا کہ انہوں نے شاید قیمتی اشیاء نگل لی تھیں، ننگی تلواریں گھماتے ہمارے بہادر سپاہی دیوانہ وار اِدھر اُدھر کسی ذی روح کی تلاش میں سرگرداں تھے اور جو کوئی بھی نظر آیا، مارا گیا انہوں نے گھروں میں گھس کر وہ لوٹ مار مچائی کہ الامان۔ جس گھر میں جو پہلے داخل ہوتا وہ اسی کی ملکیت قرار پاتا اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے غریب دولت مند بن گئے۔ (صلیبی جنگیں، صفحہ 53 از ٹیری جونز، ایلین ایریا مترجم: ڈاکٹر امان اللہ قریشی مطبوعہ تخلیقات لاہور 2006)

مزید آگے لکھتا ہے، یہ کسی بھی فاتح فوج کا عمومی ردِ عمل نہ تھا یوں لگتا تھا کہ ان میں کوئی شیطانی روح سرائیت کر گئی تھی۔ (ایضاً صفحہ 54)

یہ قتلِ عام کیسا تھا اور اس قتلِ عام پر یورپ کے وحشی عیسائیوں کی خوشی کے بارے میں ٹیری جونز لکھتا ہے، بعد میں بڑا مسئلہ لاشوں کے وہ انبار تھے جن سے گلی کوچے پٹے پڑے تھے تعفن اور گندگی کے کارن سانس لینا دشوار تھا۔ ایک فرینک تاریخ دان کی بات میں ہٹلر کے نازی کیمپوں کی بازگشت تھے۔

حکم ہوا کہ مسلمانوں کی لاشوں کو شہر سے باہر پھینک دیا جائے بُو سے دماغ پھٹا جاتا تھا، بچے کچھے مسلمان ان لاشوں کو کھینچ کھینچ کر باہر لے جا رہے تھے اس طرح شہر کے باہر لاشوں کے ڈھیر جمع ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے لاشوں کے اہرام کھڑے ہوں، آج تک مسلمانوں کا ایسا قتلِ عام نہ دیکھا نہ سنا۔

یروشلم کا قتلِ عام تاریخ کے صفحات پر کالے حرفوں سے لکھا جائے گا۔ یورپ میں لوگوں نے خوشی منائی اور اسے ایک معجزاتی کامیابی قرار دیا۔ (ایضاً صفحہ 54,55)

احباب من! اس ظلم و تشدد اور سفاکی نے دشمنوں کی آنکھوں کو نم کر ڈالا، اس بھیانک قتل و غارت گری سے شقی القلب لوگ بھی تڑپ اُٹھے مگر مسلمانوں نے اس کا جواب کس طرح دیا، دشمنوں کے قلم بھی مسلمانوں کے کردار کو دادِ تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

کیرن آرم اسٹرانگ لکھتی ہیں، مسلمان گرجا گھروں اور سینا گوگوں کا اسی طرح احترام کیا کرتے تھے جس طرح مسجدوں کا، نورالدین زنگی کا جہاد اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف واپسی اور اپنے دفاع کیلئے تھا۔ قرآن مسلمانوں کو جنگ شروع کرنے سے منع کرتا ہے تاہم جبر و استبداد کو روکنے کا حکم دیتا ہے۔ فرینک پچاس برس سے مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہے تھے وہ انہیں ان کے گھروں سے نکال رہے تھے حالانکہ مسلمانوں نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا تھا جو اس مغربی جارحیت کا جواز بنتا ایک مسلم رہنما کا فرض تھا کہ وہ مسلمانوں کو ایسے دشمن سے محفوظ رکھے۔ (مقدس جنگ، صفحہ 194)

ٹیری جونز مسلمانوں کی رواداری کے بارے میں لکھتا ہے، آنے والے سالوں میں مؤرخ جب مسلمانوں کے یروشلم پر قبضہ اور بعد میں عیسائیوں کے یروشلم پر دوبارہ قبضہ کی داستان رقم کرے گا اور ان دونوں عسکری مہمات کا موازنہ کرے گا تو اسے ایک واضح فرق نظر آئے گا۔ ایک نے مذہب کے نام پر رواداری کی، ایک ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور دوسرے نے مذہب کے نام پر ظلم و ستم، درندگی اور بربریت کا وہ بدترین نمونہ پیش کیا جو اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب یروشلم فتح ہوا اور آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں کی عیسائی آبادی کو یقین دلایا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں، اُن کے مذہبی مقامات مکمل طور پر محفوظ ہیں اور انہیں کچھ بھی نہ کہا جائیگا اور ایسا ہی ہوا، ایک بھی عیسائی نہ مارا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مذہبی مقامات کا دورہ کیا اور جب انہیں کہا گیا کہ کلیسا میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کریں تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آج میں اگر گرجا میں دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں تو کل آنے والے پورے گرجا پر قبضہ کر لیں گے۔ (صلیبی جنگیں، صفحہ 52،53)

مستشرق Will Durant اپنی کتاب Age of Faith میں لکھتا ہے، لگتا ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے نسبت زیادہ بہتر جنٹلمین تھے وہ اکثر اپنے قول پر قائم رہتے، مفتوحین کے ساتھ رحم دلانہ سلوک کرتے اورانہوں نے شاذ ہی کبھی ایسی سنگ دلی دکھائی جس کا مظاہرہ عیسائیوں نے 1099ء میں یروشلم کا قبضہ کرنے پر کیا۔ عیسائی قانون سچائی جاننے کیلئے بدستور شمشیر بازی، آگ یا پانی کی آزمائش جیسے حربے استعمال کرتا رہا جبکہ مسلم قانون ایک ترقی یافتہ فقہ اور روشن خیال عدلیہ کو جنم دے رہا تھا۔ (Age of Faith از Will Durant صفحہ 7 مترجم یاسر جواد مطبوعہ نگارشات 2007)

خود کیرن آرم سٹرانگ مسلمانوں کی رواداری اور عیسائی عدم برداشت کو یوں بیان کرتی ہیں، اسلامی سلطنت کئی صدیوں تک عیسائیوں اور یہودیوں کی مہمان نوازی کرتی رہی لیکن مغربی یورپ اپنے عیسائی علاقے میں مسلمانوں اور یہودیوں کے وجود کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 121 مترجم ملک نعیم اللہ مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور 2009)

اہلِ صلیب نے صلیبی جنگوں میں کس قسم کے سفاک مظاہرے کئے فرانسیسی مورخ میشو لکھتا ہے، بیت المقدس کی فتح میں صلیبیوں نے ایسے اندھے تعصب کا ثبوت دیا ہے جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ عربوں کو زبردستی اونچے برجوں اور بلند مکانوں کی چھت سے گرادیتے تھے، آگ میں زندہ جلادیتے تھے، گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے تھے، مسلمانوں کی لاشوں پر لے جاکر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے۔ کئی ہفتوں تک قتل عام کرتے رہے۔ مشرق ومغرب کے بیان کے مطابق انہوں نے ستر ہزار سے زیادہ مسلمان تہ تیغ کئے (یہ تعداد صرف مسجد اقصیٰ کے مقتول مسلمانوں کی ہے) بہت سے یہودیوں نے مذبح میں پناہ لی۔ صلیبیوں نے آگ لگا کر مع مذبح کے ان کو جلادیا۔ لیبان نے صلیبی جنگیں کے مشہور مجاہد اور عینی شاہد رابرٹ کے حوالہ سے لکھا ہے: ہمارے لوگ (صلیبی) مکانوں کی چھت پر دوڑ رہے تھے اور مثل اس شیرنی کے جس کے بچے چھین لئے گئے ہوں قتل عام کے مزے لے رہے تھے یہ بچوں کے ٹکڑے کر رہے تھے اور جوان و پیر فرتوت دونوں کو برابر قتل کر رہے تھے، یہ کسی متنفس کو کبھی نہ چھوڑتے اور جلد فراغت حاصل کرنے کی غرض سے ایک ہی رسی میں کئی کئی آدمیوں کو لٹکا دیتے۔ بالآخر بوہمینڈ نے ان سب کو جنہیں اس نے قصر کے صحن میں جمع کیا تھا سامنے بلایا اور بلا امتیاز بڈھے، عورت اور مرد اور معذور وبیکار اشخاص سب کو قتل کیا اور جو جوان اور مضبوط تھے انہیں فروخت کرنے کیلئے انطاکیہ بھجوادیا۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ ۶۷، ۶۸۔ از پیر کرم شاہ الازہری مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ان جنگوں اور اس قتلِ عام کا مقصد یروشلم کی آزادی نہ تھی بلکہ اسلام دشمنی اور سینوں میں پلنے والا بغض وحسد کا انتقامی لاوا تھا جیسا کہ ٹیری جونز لکھتا ہے، آہستہ آہستہ یہ بات صاف ہوتی جا رہی تھی کہ مقدس لڑائی کا مقصد یروشلم کو آزاد کرانا نہ تھا کیونکہ وہاں کے عیسائی آزادی کے بالکل خواہاں نہ تھے، وہ خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے۔ رہی بات زائرین کی تو وہاں جانے پر کسی قسم کی کوئی بندش نہ تھی۔ مقصد صرف مسلمانوں کا قتل عام تھا۔ (صلیبی جنگیں، صفحہ ۴۷)

صلیبیوں کے اس ظلم وستم کے جواب اور اس آندھی کا راستہ روکنے کیلئے قدرت نے نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا انتخاب کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور عثمانی ترکوں نے صلیبی دہشت گردوں پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ آئندہ تقریباً دو صدیوں تک صلیبی دہشت گردوں کو ظلم وستم ڈھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

ہلال وصلیب کے معرکوں نے اہل صلیب کو یہ پیغام صاف صاف پہنچا دیا تھا کہ اسلام مٹنے کیلئے نہیں آیا، اس کو بارہا طاقت سے دبانے کی کوشش کی گئی مگر یہ اتنا ہی ابھرا۔

انہوں نے مسلمانوں میں افتراق وانتشار کے بیج بوئے، اپنے سرمائے کے بل بوتے پر ملت کے غداروں کو جمع کیا، مسلمانوں کے درمیان باہمی منافرت کو خوب ہوا دی، مسلم حکمرانوں کو اپنے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنائے رکھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ اُمتِ مسلمہ کے جسم سے روحِ اسلام اب نکلی ہی جاتی ہے لیکن ہر بار کے اس تجربے نے انہیں حیرت زدہ کر دیا کہ ہر دفعہ ان کی تمام کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ ابھی ملت اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے ہی رہی ہوتی تھی کہ کوئی نہ کوئی شخص اُٹھتا ہے اور ملتِ اسلامیہ کے بکھرے ہوئے شیرازے کو متحد کرتا اور پھر اس میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، انہوں نے بارہا اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ ایک حکمران خاندان، پرچم توحید کی حفاظت میں کوتاہی کرتا تو ایک دوسرا خاندان آگے بڑھ کر اس مقدس فریضہ کو اپنے ذمہ لے لیتا اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دیتا۔

مسلسل ناکامیوں نے عسکری میدان میں تو صلیبیوں کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا لیکن ان کی اسلام دشمنی میں ہزاروں گنا اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے مسلح تصادم کی بجائے مسلمانوں کو کمزور کرنے کیلئے دوسرے حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ ۸۱)

خود کیرن آرمسٹرانگ انگریز مستشرق Humphrey Pridaux کی اسلام دشمنی اور شدت پسندی کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ Humphrey Pridaux لکھتا ہے، اسلام نہ صرف عیسائیت کا چربہ ہے بلکہ دین ضعفِ عقل اور پاگل پن کی واضح مثال ہے اور اگر مذہب کے معاملے میں عقل و استدلال سے کام نہ لیا گیا تو عیسائیت سمیت تمام مذاہب غرق ہو جائیں گے۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 55 مترجم ملک نعیم اللہ مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور 2009)

عزیزانِ ملت! اس عقل و استدلال سے کیا مراد ہے؟

اس کیلئے انہوں نے نت نئے حربے اپنائے۔ مسلمانوں کا اپنے نبی سے گہرا تعلق ختم کرنے کیلئے ان کی نئی نسلوں میں تشکیک کے بیج بوئے اور اس کام کیلئے انہوں نے مسلمانوں کے نام نہاد ادیبوں کے قلم خریدے، اُن کے اذہان کو ڈالروں کی چکا چوند سے ہپناٹائز کر کے گروی رکھ لیا اور ان کی نئی نسل کے افکار و خیالات کو پراگندہ کرنے کیلئے اُن کے قلم استعمال کرنے لگے۔

انہوں نے اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کردی کہ کسی بھی طرح ملتِ اسلامیہ کی نوجوان نسل کا تعلق دین سے ختم ہو جائے اور اس کیلئے انہوں نے قلم کے ہتھیار سے حقائق کا قتلِ عام کیا اور اس طرح نئی نسل پر وار کئے کہ ملتِ اسلامیہ کی نئی نسل کا تعلق دینِ اسلام سے کٹتا چلا جائے اور اسے اسلام کی ویسی ہی شبیہ دکھائی دے جیسی وہ دِکھانا چاہتے ہیں اور معاملہ یہاں تک پہنچ جائے کہ مسلمان، مسلمان ہونے پر شرمندہ ہو، پیغمبر اسلام کی محبت اس کے سینے سے نکل جائے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے کیا کیا؟

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، صلیبیوں نے تیغ و سنان رکھ دیئے اور قلم و قرطاس کے ذریعے مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے۔ انہوں نے ڈراموں، فلموں میں، کارٹونوں میں اور کتابوں میں اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کردار کو مسخ کر کے پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے کئی روپ دھارے جن میں ایک روپ استشراق کا ہے۔ ایک مستشرق کے مقاصد اور عزائم بعینہ وہی ہیں جو صلیبیوں کے تھے۔ فرق صرف طریقۂ کار کا ہے۔ صلیبی دشمن کے روپ میں اسلامی مشرق میں وارد ہوتے تھے لیکن مستشرق، علم دوست بن کر اور مشرقی علم و ثقافت، تہذیب و تمدن، علم و ادب اور دین و مذہب کے حقائق کا جوئندہ بن کر مشرق میں آتا ہے اور پھر اپنے قلم کے زور اور تخیل کی پرواز سے اسلام اور مسلمانوں کو قتل کرتا ہے۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ ۸۱،۸۲)

تاتاری، اسلام اور عیسائیت

ساتویں صدی ہجری میں ایک آندھی چنگیز خان کی صورت میں ابھری اور وحشت و بربریت کی دہشت ناک تباہی مچاتے ہوئے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب معرکہ ہلال وصلیب اپنی شدت پر تھا۔ عیسائی مشنری، پادری اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح منگولوں کو عیسائی بنالیا جائے اور اسلام کی پھیلتی ہوئی صف کو لپیٹ دیا جائے۔

ارنسٹ بارکر لکھتا ہے، اب چرچا یہ ہوا کہ منگول روادار ہیں۔ ایشیا کے نسطوری مسیحی ان کے ماتحت مزے کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ آخر منگولوں کو عیسائی کیوں نہ بنالیا جائے اور حروبِ صلیبیہ کے بنیادی مقصد کو ایسے وسیع و عظیم پیمانے پر کیوں نہ حاصل کیا جائے جو اس سے پیشتر کسی کے خواب میں بھی نہ آیا ہو۔ اب سفیروں کی آمدورفت شروع ہوئی۔ (میراث اسلام، ازالفریڈگیام صفحہ 69 مطبوعہ نگارشات)

مزید آگے ارنسٹ بارکر لکھتا ہے، مسیحیوں نے بڑی بڑی امیدیں باندھ رکھی تھیں کہ منگول فوج در فوج مسیحی ہوجائیں گے، مسیحی ایشیا اور مسیحی یورپ کے درمیان بہترین رابطہ قائم ہوجائے گا اور اسلام محض ایک چھوٹے سے مذہب کی حیثیت سے ہسپانیہ کے ایک حصے اور مشرق قریب کے ایک گوشے میں محدود ہوکر رہ جائے گا لیکن یہ تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں اور ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا بلکہ ایران کی خانیتیں 1316ء میں مسلمان ہوگئیں اور چودھویں صدی کے وسط میں وسطی ایشیا نے بھی قبولِ اسلام کا اعلان کردیا۔ 1368- 70 میں چین کا منگول خاندان برسر اقتدار آگیا جس نے چین میں غیر ملکیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ آخری نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت پسپا ہوگئی اور اسلام پیش قدمی کرنے لگا۔ (میراث اسلام، صفحہ 95)

یہ اسلام کا حسن تھا کہ جنہوں نے اس چمن کو اجاڑنے کی کوشش کی۔ جنہوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ جنہوں نے ان کی مساجد کو جلایا۔ ان کے مدارس کے علمی چراغوں کو بجھایا اور بغداد کے دریائے دجلہ کو مسلمانوں کے خون سے سرخ کیا انہوں نے ہی دوبارہ از سر نو اسلام کی خدمت کی۔

عیسائی اس شکست پر تلملا اُٹھے کہ منگولوں نے اُن کی تمام تر کوششوں کے باوجود مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ ان کی آتشِ حسد اور بھڑک اُٹھی، اُن کا تعصب نئے فتنہ و فساد کی رسموں کو ایجاد کرنے لگا اور اُن کے قلبی بغض کو قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی بیان کر دیا تھا:۔

قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے ہم صاف بیان کر دیں تمہارے لئے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۱۸)

مستشرقین اور علومِ شرقیہ

آج یورپ اور امریکہ کی جامعات میں اسلامیات و عربی اور دیگر علومِ شرقیہ پڑھانے کے باقاعدہ شعبے قائم ہیں جن میں یہودی و عیسائی طلبہ ہی نہیں بلکہ عرب اور مسلمان طلبہ بھی شامل ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ آخر اہلِ مغرب اسلامی علوم میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ انتہائی متشدد اور اسلام مخالف ہونے کے باوجود اسلامی علوم کی ترویج واشاعت کیوں کررہے ہیں؟ ۔۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ۔۔ اس کا سبب کیا ہے کہ اہلِ مغرب اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوئے؟

پیر کرم شاہ الازہری اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں، جس دور میں بغداد، قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیاں علم و معرفت کے موتی لٹارہی تھیں اس وقت یورپ مدرسے کے تصور سے بھی ناآشنا تھا، جب مسلمان علماء کے قلم سے ہزاروں علمی شاہکار نکل رہے تھے اس وقت یورپ نے کاغذ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی، جب مسلمانوں کے شہر اپنی روشنی، صفائی، خوب صورتی اور حسنِ انتظام کی وجہ سے دورِ جدید کی متمدن دنیا کو بھی شرمارہے تھے اس وقت مغرب میں تاریکی، گندگی اور بدنظمی کے سوا کچھ نہ تھا۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسان کو جہاں روشنی نظر آتی ہے وہ بے اختیار اُس طرف لپکتا ہے یہی بات اہلِ مغرب کے علومِ شرقیہ کی طرف متوجہ ہونے کا بنیادی سبب تھی۔ اہلِ مغرب کے اسلامی علوم وفنون کی طرف متوجہ ہونے کا دوسرا سبب مسلمانوں کی فتوحات کا وہ سیلاب تھا جو ساری دنیا کو تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا تھا۔ اہلِ مغرب طاقت کے اس راز کا کھوج لگانا چاہتے تھے جو فتوحات کے اس لامتناہی سلسلے کے پیچھے کارفرما تھا۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ 88)

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی حالت

آج یورپ میں جو علوم وفنون کا سیلاب نظر آرہا ہے۔ مادیت کی چکا چوند سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔ یورپ ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا بلکہ جہل، بدانتظامی کا مرکب تھا۔

ڈاکٹر ڈیپر لکھتا ہے، قرون وسطیٰ میں یورپ کا بیشتر حصہ لق ودق، بیابان یا بے راہ جنگل تھا۔ کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں۔ جابجا دلدلیں اور غلیظ جوہڑ تھے۔ لندن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔ چمنیاں، روشندان اور کھڑکیاں مفقود، آسودہ حال اُمرا فرش پر گھاس بچھاتے اور بھینس کے سینگ میں شراب ڈال کر پیتے تھے۔ صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ گندے پانی کو نکالنے کیلئے نالیوں اور بدروں کا رواج تھا۔ گلیوں میں فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ چونکہ سڑکوں پہ بے اندازہ کیچڑ ہوتا تھا اور روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے رات کے وقت جو شخص گھر سے نکلتا وہ کیچڑ میں لت پت ہوجاتا۔ تنگی رہائش کا یہ عالم کہ گھر کے تمام آدمی اپنے مویشیوں سمیت ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔ عوام ایک ہی لباس سالہا سال تک پہنتے تھے جسے دھوتے نہیں تھے نتیجۃً وہ چرکین، میلا اور بدبودار ہوجاتا تھا۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی (۱۲۱۲۔ ۱۲۵۰) پہ کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔ (یورپ پر اسلام کا احسان، از ڈاکٹر غلام جیلانی برق صفحہ 76 مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

اہلِ یورپ اُس وقت نہ علم سے آشنا تھے اور نہ تہذیب سے، اُن کے یہاں نہ علم کی قدر تھی اور نہ اہلِ علم کی بلکہ اگر کوئی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا یا کوئی کتاب لکھتا تو اُس عالم کو جان سے مار دیا جاتا تھا، کتابوں کو آگ لگادی جاتی تھی۔ عیسائیت نے علم دشمنی میں کیا گل کھلائے ہیں، کتنے علما وفلاسفہ کو قتل اور کتنوں کو ذبح کیا تفصیل کیلئے دیکھئے ڈریپر کی کتاب 'معرکۂ مذہب وسائنس'۔

عزیزانِ گرامی! قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں کتابیں تھیں نہ درس گاہیں، یہ وہ زمانہ تھا جب اسپین میں علم وآگہی کے سویرے نے جہالت کی تاریکیوں کو مغلوب کر رکھا تھا۔

جے ایچ کریمرز لکھتا ہے، مسلمانوں کی خوش حالی کے زمانے میں اس نظام سلطنت نے ایسی صنعتی ہنرمندی اور کاریگری پیدا کی کہ مصنوعات کی نفاست وعمدگی انتہائی بلندیوں تک پہنچ گئی۔ (میراث اسلام، صفحہ 123)

مسلمانوں کے تیار کردہ ملبوسات اس قدر نفیس ہوا کرتے تھے کہ جرمن شہنشاہ اسے زیب تن کیا کرتے تھے۔ جے ایچ کریمر ز لکھتا ہے، اس زمانے کے جرمن شہنشاہوں کے شاہی ملبوسات عربی کی عبارتوں سے مزین ہوتے تھے۔ یہ غالباً سسلی سے سلوائے جاتے تھے جہاں مسلمانوں کے فنون وصنائع مسیحیوں کی فتح کے بعد بھی مدت تک رونق پر رہے۔ (ایضاً)

اور جب اقوامِ عالم ہڈیوں، کھالوں کی جھلیوں پر لکھا کرتے تھے تو مسلمان اس وقت کاغذ کا استعمال کیا کرتے تھے۔ یہی مصنف لکھتا ہے، یہی کیفیت کاغذ کی تھی جس کی ساخت کا طریقہ یورپ نے بارہویں صدی میں مسلمان قوموں سے سیکھا تھا۔ (ایضاً)

مسلمانوں کے علمِ جغرافیہ میں مسلمانوں کے علم و فضل کا لوہا مانتے ہوئے جے ایچ کریمرز لکھتا ہے، شاہ راجر نے دنیائے معلوم کا تفصیلی بیان ایک مسلم عالم کے سپرد کیا جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے علم وفضل کی برتری مسلّم سمجھی جاتی تھی۔ (ایضاً صفحہ 109)

مزید آگے لکھتا ہے، اسلام قدیم صناعی کی بہت سی روایت کا براہِ راست وارث تھا اور مغرب ان روایات سے بالکل ناآشنا تھا۔ (ایضاً صفحہ 129)

مسلمانوں کے علمی مراکز کی مدح سرائی کرتے ہوئے یہی مصنف لکھتا ہے، جو تشنگانِ علوم اپنے ملکوں میں علم و فن کا سامان نہ پاکر مسلمانوں کے علمی مرکزوں کو گئے وہ وہاں سے بہت سی چیزیں لائے جن میں غالباً سب سے زیادہ اہم شے اصطرلاب تھی۔ (میراث اسلام، صفحہ 131)

مسلمانوں کی میٹالرجی ٹیکنالوجی کے بارے میں لکھتا ہے، دھاتوں کی کوفت گری میں مسلمانوں کا فن بارہویں صدی وسط میں کمال کو پہنچ گیا اور دو سو سال تک بڑی رونق پر رہا۔ (ایضاً صفحہ 136)

مزید آگے لکھتا ہے، مغرب کے فن نے زیادہ تر ترکی اور شام کی وساطت سے بعض ایسے پھول ایران سے حاصل کئے جو آج کل ہمارے باغوں میں عام طور پر لگائے جاتے ہیں لیکن ایک زمانے میں انہیں یورپ میں کوئی نہ جانتا تھا۔ (ایضاً صفحہ 154)

قالین بُننے کا فن بھی اہلِ یورپ نے مسلمانوں سے لیا۔ جیسا کہ یہ مصنف لکھتا ہے، یورپ کے کاریگروں نے قالین بافی کا کام مسلمانوں سے سیکھا۔ (ایضاً صفحہ 170)

کتاب سازی و کتاب نویسی کے حوالے سے یہی مصنف رقم طراز ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کتاب نویسی اور کتاب سازی کے فنون میں ہم نے ازمنہ متوسطہ کے مسلمانوں کی ہنر مندی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ (ایضاً صفحہ 179)

مزید آگے لکھتا ہے، عربی مسودات و مخطوطات کی معتد بہ تعداد تو نویں صدی ہی سے کاغذ پر لکھی گئی تھی لیکن یورپ میں کاغذ کہیں بارہویں صدی میں پہنچا بلکہ تیرہویں صدی میں بھی اس کا استعمال کم تھا۔ یورپ میں کاغذ کے اوّلین کارخانے وہ تھے جو مسلمانوں نے ہسپانیہ اور سسلی میں قائم کیے تھے اور وہیں سے کاغذ سازی کا فن اٹلی میں رائج ہوا۔ (ایضاً صفحہ 179,180)

یورپ کی مرعوبیت کے بارے میں لکھتا ہے، کوئی ایک ہزار سال تک یورپ فنونِ اسلامی کی شوکت و عظمت سے مرعوب رہا۔ (ایضاً صفحہ 185)

مشرقی تجارت باقاعدہ طور پر منظم ہوگئی اور اسلامی کارخانوں سے ہر قسم کی نادر و نایاب اشیا یورپ کی منڈیوں میں پہنچنے لگیں۔ (ایضاً صفحہ 186)

مسلمانوں کے ایشیا سے بعض ایسی بے حقیقت سی اشیاء درآمد ہوئیں جو ضروریات میں شامل ہوگئیں اور صرف یورپ ہی میں مقبول نہ ہوئیں بلکہ ساری مہذب دنیا میں پھیل گئیں۔ (ایضاً صفحہ 187)

مارٹن این برگز لکھتا ہے، تزئین کیلئے ہندسی نقوش کو استعمال کرنا ہم نے یقیناً مسلم اقوام سے سیکھا ہے اور ہمارا علم ہندسہ بھی زیادہ تر انہی سے ماخوذ ہے۔ (ایضاً صفحہ 222)

یورپ قرونِ وسطیٰ میں جس تاریک دور سے گزر رہا تھا اس کی ایک مثال ہم گذشتہ صفحات پر بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یورپ نے اپنے یہاں جو تعلیمی نظام رائج کیا وہ نمونہ انہوں نے کہاں سے حاصل کیا۔

الفریڈ گیام لکھتا ہے، مسلمانوں کے مدرسوں نے علمی و تعلیمی نظام کا وہ نمونہ مہیا کیا جس پر بعد میں یورپ کی یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ (ایضاً صفحہ 183)

پیرن کارادا واؤ لکھتا ہے، علوم عربیہ کے ساتھ ہمارے شغف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مغرب پر گہرا اثر ڈالا۔ جس زمانے میں مسیحی مغرب بربیت کے خلاف جنگ و جدال میں مصروف تھا ان دنوں عربوں نے بلند تر علمی زندگی اور سائنسی مطالعہ کی شمع کو روشن رکھا بلاشبہ ان کی سرگرمیوں نے نویں اور دسویں صدی میں اوجِ کمال حاصل کیا لیکن ان کا سلسلہ پندرھویں صدی تک برابر جاری رہا۔ بارھویں صدی سے یہ کیفیت تھی کہ مغرب میں ہر وہ شخص جو سائنس کا ذوق اور نور علم کی خواہش رکھتا تھا مشرق کی طرف یا موروں کے مغرب ہی کی طرف رجوع کرتا تھا۔ (میراثِ اسلام، صفحہ 422)

کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں، بارھویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں عیسائی اسکالرز سپین اور سسلی میں جوق در جوق جانے لگے وہاں انہوں نے سابق مسلم علاقوں کے عربوں اور یہودیوں سے علم کی دولت حاصل کی انہوں نے عربی کتابوں کا ترجمہ شروع کیا۔ (Holy War صفحہ 201)

مزید آگے عیسائی عصبیت اور احسان فراموشی کا تذکرہ یوں کرتی ہیں، عرب تو بالخصوص عیسائی مغرب کیلئے منارۂ نور تھے تاہم اس احسان کو بہت کم تسلیم کیا گیا ہے۔ (ایضاً)

عربی تعلیم پر پادریوں کی تشویش

احبابِ من! یہود و نصاریٰ نے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ پر شدید تشویش کا اظہار کیا۔ ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اسلام جس تیزی سے مقبول ہو رہا ہے اگر اسلام کے بڑھنے کی یہی رفتار رہی تو عن قریب یہودیت و عیسائیت فنا ہو جائے گی۔ اور ان پادریوں کی شکم پروری کیلئے گناہوں کی معافی کی شکل میں جو معاوضہ ملتا ہے وہ بند ہو جائے گا۔ انکے گرجے ویران ہو جائیں گے۔ پادری اس ذہنی کشمکش کا شکار تھے۔ دوسری جانب عیسائی نوجوان عربی زبان پر فدا تھے، مسلمان فقہا کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر رہے تھے۔

اس صورتِ حال پر ایک پادری بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ لکھتا ہے، میرے ہم مذہب عیسائی عربوں کی شاعری اور رومانوی ادب پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ مسلمان فقہا اور فلاسفہ کا کلام پڑھتے ہیں اور وہ ان چیزوں کو ان کی تردید کی خاطر نہیں پڑھتے بلکہ اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ عربی ادب کی صحیح روح سے آشنا ہو سکیں۔ ہائے افسوس! وہ عیسائی نوجوان جو اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے نمایاں ہیں، عربی زبان و ادب کے سوا نہ کسی زبان سے واقف ہیں اور نہ ہی کسی ادب سے وہ عربی کتابوں کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ وہ کثیر رقوم خرچ کر کے عربی کتابوں کے انبار اِکٹھے کرتے ہیں اور ہر جگہ ان کی زبانوں سے عربی زبان و ادب کی تعریف سنائی دیتی ہے۔ (Will Durant از Age Of Faith

صفحہ 299,300 مطبوعہ نگارشات پبلشرز) (view of Islam in the middle ages London 1962 p#21)

عیسائی پادری چاہتے تھے کہ اگر عیسائی نوجوان عربی پڑھیں تو وہ اس لئے پڑھیں تاکہ مسلمانوں کی تردید کر سکیں، اسلام کی مخالفت کر سکیں، اہلِ اسلام سے مناظرہ کر سکیں اور انہوں نے اپنی اس خواہش کو جلد ہی اپنا مقصدِ زندگی بنا لیا اور اس کیلئے عملی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے قرآن کریم اور دیگر عربی کتابوں کو اپنی زبان میں ترجمہ کیا لیکن اس سے اُن کا مقصد اسلام کی ترویج و اشاعت نہیں بلکہ اسلام کی تکذیب و تردید تھا۔

تاریک راہوں کے راہی، عیسائی قوم کو مینارۂ نور سے دور رکھنے کیلئے ان کے سینوں کو اسلام کے خلاف بغض و حسد سے بھرنے کا سامان کر رہے تھے وہ اپنی قوم کے سامنے اسلام کی خوبیوں کو بھی خامی بنا کر پیش کرتے تاکہ ان کی نئی نسل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متنفر ہو جائے اور اپنے اس اسفل السافلین جذبے کی تکمیل کیلئے انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اتنا زہر اگلا کہ مَیں اُن کی اُن عبارتوں کو یہاں نقل بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام کے مخالف پادریوں کی اندھی عصبیت نے جس تعفّن کو جنم دیا تھا تحریکِ استشراق اسی تعفّن کا مظہر ہے۔

پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں، اسلام کے خلاف جو طوفان متعصب عیسائیوں نے اُٹھایا تھا اسی نے آگے چل کر تحریکِ استشراق کی شکل اختیار کرلی۔ یہ تحریک زمانے کے ساتھ ساتھ اپنے مقاصد میں بھی ردّ و بدل کرتی رہی، اس کے طریقہ ہائے واردات میں بھی تبدیلی آتی رہی، مستشرقین کے بھیس بھی بدلتے رہے لیکن ان کا بنیادی مقصد ہمیشہ ایک ہی تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ اسلام کی شمع بجھ جائے اور اگر بجھ نہ سکے تو اس کے شعلے کے اردگرد شکوک وشبہات کے دھوئیں کا وہ حصار بن جائے کہ اس شمع کی روشنی کو کفر کی تاریکیوں سے علیحدہ کرنا ممکن نہ رہے۔ لیکن آخر کار تابکے۔ اس شمع کی روشنی جیسے پہلے ہر دَور میں پھیلتی رہی ہے اب بھی پھیلتی رہے گی۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی اسلام نے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ ان لوگوں کو سونپا ہے جو برسوں اس کی شمع کو گل کرنے کے درپے رہے تھے۔

قرونِ وسطیٰ کے مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو بے بنیاد الزام تراشیاں کی تھیں انہیں بے بنیاد ثابت کرنے کا کام بھی قدرت نے بعد میں آنے والے ان مستشرقین سے لیا ہے جو خود بھی اسلام دشمنی میں کسی سے کم نہیں ہیں۔

(ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ 114)

جیسا کہ مستشرقہ کیرن آرم اپنے پیش روؤں کی گزشتہ تحریروں کی مذمت کرتے ہوئے لکھتی ہیں، حضور کے روحانی مشاہدات کی تشریح کرتے وقت یہ دعویٰ کیا گیا کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مرگی کے مرض میں بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے اور آسیب زدہ ہونے کے باعث جنوں بھوتوں کا آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر غلبہ ہو جاتا تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجی زندگی کے بارے میں بھی من گھڑت قصے بیان کئے گئے ہیں اور اس سلسلے میں گمراہ کن الزامات لگائے گئے۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 43 ۔ مترجم ملک نعیم اللہ مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور 2009)

مزید آگے لکھتی ہیں، جس دور میں کلیسا متذبذب عیسائیوں پر تجرد کی زندگی اور رہبانیت کو مسلط کر رہا تھا اس وقت پیغمبر اسلام کی حیات مقدسہ کے بارے میں حقائق معلوم کرنے اور عیسائیوں کے مظالم کی تفصیلات بیان کرنے کے بجائے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عائلی زندگی کے متعلق عجیب و غریب قصے گھڑے جا رہے تھے اور بدنیتی، رشک وحسد، تعصب اور تنگ نظری سے کام لیتے ہوئے اسلام کو ذاتی خواہشات کے حصول کا ذریعہ اور ایک ناقابل التفات دین سمجھا جا رہا تھا۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 43۔ مترجم ملک نعیم اللہ مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور 2009)

صلیبی دور کی جنگوں کے حوالے سے لکھتی ہیں، صلیبی جنگوں کا دور جب حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں فرضی داستانیں گھڑی گئیں، یورپ کیلئے سخت تناؤ اور منفی رد عمل کا زمانہ تھا۔ (ایضاً صفحہ 44)

مغربی عیسائیت کی دیانت وراست بازی سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتی ہیں، دانتے اب بھی حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ایک آزاد اور خود مختار دین کا بانی نہیں سمجھتا تھا اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو محض ایک تفرقہ باز اور اپنے آبائی مذہب سے منحرف ہونے والی شخصیت قرار دیتا ہے۔ یہ تصوراتی نقوش اسلام کے متعلق اس نفرت اور تعصب کے آئینہ دار ہیں جو عیسائیت کے سینے میں پرورش پا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مغربی نفسیات میں موجود ان اختلافات کی بھی عکاسی ہوتی ہے جس کی رو سے اسلام کو ہر اس چیز کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے جسے مغرب ہضم نہیں کر سکتا۔ اسلام کا خوف اور اس سے نفرت یسوع کے پیغام محبت سے مکمل انحراف کے مترادف ہے اس سے مغربی عیسائیت کی دیانت اور راست بازی میں موجود ایک گہرے ناسور کا پتہ چلتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 46)

اپنے پیش رو مستشرقین کی علمی خیانت کو یوں بے نقاب کرتی ہیں، لیکن یورپ میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں تعصب کی جڑیں اس قدر مضبوط ہو چکی تھیں کہ ان میں سے بیشتر مصنف اس کی مزاحمت نہ کر سکے اور وہ خود بھی اکثر و بیشتر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ذات پر بلا وجہ حملے کرتے رہتے جس سے اس بات کی غمازی ہوتی کہ پرانی روایات ابھی مردہ نہیں ہوئیں۔ چنانچہ سائمن اوکلے Simon Ockley نے پیغمبر اسلام کو چالاک اور عیار شخص قرار دیدیا (نعوذ باللہ۔ راقم) جنہوں نے اپنے اچھے اوصاف کو ظاہر کیا لیکن اصل میں وہ جاہ و حشمت کے جویا نفس پرست انسان تھے۔ (ایضاً 56)

جارج سیل کے حوالے سے لکھتی ہیں، جارج سیل George Sale نے قرآن کے ترجمے کے دیباچے میں لکھا یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ دین محض ایک انسانی اختراع ہے اور اس کی ترقی اور استحکام کا دارومدار صرف تلوار پر ہے۔ (ایضاً صفحہ 57)

عیسائی عصبیت کی داستانیں ایک ایسا سیاہ باب ہے جس کی کالک کو عیسائی دنیا اگر سات سمندروں سے بھی دھونا چاہے تو دھو نہ سکے گی۔

استشراق و مستشرقین

تحریکِ استشراق کیا ہے؟ اور مستشرقین کسے کہتے ہیں؟

پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں، اہلِ مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص، جو مشرق اقوام خصوصاً ملتِ اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملّی خصوصیات، وسائلِ حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر اُن پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائلِ حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہیں وہ تحریکِ استشراق کہلاتی ہے۔ (ضیاء النبی، ج 6، ص 123)

مستشرقین کے عزائم

مستشرقین کے عزائم یہ ہیں کہ علم و ثقافت اور تہذیب و تمدن ہر جگہ نسلی برتری کے نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے سینوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کیلئے تشکیک کے بیج بو دیں۔ اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کیلئے انہوں نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات، شریعت، تاریخ، معاشی و معاشرتی نظام، عائلی قوانین وغیرہ کا مطالعہ کیا اور پھر غیر جانب دار محقق کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی فکر پر شب خون مارنے کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دیا۔ اور اپنے ان عزائم کیلئے انہوں نے اپنے یہاں علومِ اسلامیہ کے ادارے قائم کیے تاکہ وہاں سے وہ ایسے لوگ پیدا کر سکیں جو اسلام پر تنقید کر سکیں۔

الفریڈ گیام لکھتا ہے، یورپ میں علومِ مشرقی کا پہلا مکتب (1250ء) طلیطلہ میں مسیحی مبلغین کی جماعت نے قائم کیا۔ اس مکتب میں عربی اور بائبل اور یہود کی عبرانی اس غرض سے سکھائی جاتی تھیں کہ طلبہ یہودیوں اور مسلمانوں میں تبلیغِ مسیحیت کا کام کرنے کے ماہر ہو جائیں۔ اس مکتب نے جو سب سے بڑا محقق پیدا کیا وہ ریمنڈ مارٹن تھا جو سینٹ ٹامس کا معاصر تھا اور عرب مصنفین کی کتابوں کا عالم ہونے کی حیثیت سے یورپ میں اس کا مثل و نظیر آج تک پیدا نہیں ہو سکا۔ وہ صرف قرآن و حدیث کا عالم ہی نہ تھا بلکہ اپنی کتابوں میں جابجا الفارابی سے لے کر ابنِ رشد تک اسلام کے جلیل القدر فلاسفہ و علمائے الٰہیات کے اقتباسات نقل کرتا ہے اور اختلاف کی صورت میں ان پر تنقید بھی کرتا ہے۔ (میراثِ اسلام، صفحہ 313,314)

یہی مصنف ایک اور جگہ لکھتا ہے، بولونا، پیرس، مونٹ پلییر اور آکسفورڈ کی قدیم ترین مسیحی یونیورسٹیاں بارھویں صدی میں قائم ہوئیں۔ یورپ کی پہلی عربی یونی ورسٹی مسلمانوں نے قائم نہیں کی بلکہ مسلمان علوم کی تدریس کیلئے قائم ہوئی اور یہ خاصی مدت کے بعد وجود میں آئی۔ (ایضاً صفحہ 286)

الفریڈ گیام کے یہ بیانات بتا رہے ہیں کہ اسلام کے خلاف ایک محاذ تیار کیا جا رہا تھا۔ مستقبل کیلئے قلم کے صلیبی مجاہدین کی فوج تیار ہو رہی تھی۔ دوسری جانب مسلمانوں کے علمی استیصال کے مشورے یورپ اور برطانیہ کے ایوانوں میں طے ہو رہے تھے۔ علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری اس حوالے سے لکھتے ہیں، متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت یعنی دہلی کا تخت و تاج آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے چھینا تھا اور مسلمان ہی فعال نظر آتے تھے، لہٰذا ملک کے فرمانروا بنتے ہی ملتِ اسلامیہ کو صلیب و تثلیث کا شیدائی بنانے کی سر توڑ کوشش کی اور انگلینڈ سے اس مقصد کی خاطر پادری صاحبان بلانے شروع کر دیئے جو آتے ہی اسلامی عقائد و نظریات اور بانیٔ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وبارک وسلم پر لغو اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے نیز علمائے اسلام کو جگہ جگہ دعوتِ مناظرہ دیتے پھرتے۔ برساتی حشرات الارض کی طرح پادریوں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔

۱۸۵۴ء میں لندن سے اپنے مایہ ناز پادری فنڈر کو بھیجا گیا جو عربی اور فارسی میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے آتے ہی مختلف شہروں میں تقریریں کرتے ہوئے بلند بانگ دعوے کیے اور اسلام کی حقّانیت کو چیلنج کرتے ہوئے مقابلے کیلئے علمائے اسلام کو للکارا چنانچہ مدرسہ صولتیہ واقع مکّہ مکرمہ کے بانی، فخر ہندوستان، پایۂ حرمین، مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۰ء) نے مرحوم ڈاکٹر وزیر خاں کی معیت میں پادری فنڈر سے مناظرہ کیا اور آگرہ کی سرزمین میں اُس کا سارا علمی غرور ایسا خاک میں ملایا کہ رُوسیاہی کو چھپانے کی خاطر پادری صاحب کو متحدہ ہندوستان سے بھاگتے ہی بنی اور اس درجہ بدحواس ہو کر بھاگا کہ لندن پہنچ کر ہی دم لیا۔ اسی طرح مختلف پادریوں نے جگہ جگہ منہ کی کھائی۔ علمائے اسلام اُن کا ہر علمی محاذ پر ناطقہ بند کرتے اور یہ اعلان سناتے رہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(کلمہ حق از علامہ عبدالحکیم اختر شہجہانپوری صفحہ 59،60 مطبوعہ بزم رضویہ)

قدرت اللہ شہاب ان مناظروں سے متعلق لکھتے ہیں، مسلمانوں کے سیاسی زوال سے شہ پاکر اس زمانے میں عیسائی مشنریوں نے بھی برصغیر پر یورش شروع کر دی اور وہ بڑی شدت سے مسیحیت کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ یہ پادری جگہ جگہ مسلمان علما کو مناظرے کا چیلنج دیتے تھے۔ مناظرے اکثر گورنمنٹ اسکولوں کے گراؤنڈ میں منعقد ہوتے تھے۔ مقامی انگریز افسر شامیانوں کا بندوبست بھی کرتے تھے اور ہر ممکن طریقے سے پادریوں کی پشت پناہی کا سامان بھی کرتے تھے۔ (شہاب نامہ، از قدرت اللہ شہاب صفحہ 104،105 مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

عیسائی مشنریوں کی مسیحی تبلیغ کے کیا نتائج برآمد ہو رہے تھے ساورا ایجنسی کے حوالے سے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں، ہسپانوی عیسائی مشنری تھا جو ساورا زبان اور تاریخ کا ماہر تھا اور عرصہ دس برس سے وہاں جم کر بیٹھا ہوا مسیحیت کی تبلیغ میں دل و جان سے مصروف تھا۔ تبلیغ کے ساتھ وہ کسی قدر علاج معالجہ بھی کرتا تھا لیکن دس سال کے طویل عرصے میں وہ صرف چار آدمیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اُن میں سے ایک تو ہسپانوی مشنری کا اسٹنٹ بن کر اس کے ساتھ ہی مقیم تھا باقی تین کلکتہ کے ایک مسیحی ادارے میں مشنری بننے کی ٹریننگ حاصل کر رہے تھے۔ وقتاً فوقتاً کچھ اسلامی انجمنیں اور آریہ سماجی سنگھٹن بھی اس علاقے میں تبلیغ کرنے کی اجازت مانگتے تھے لیکن انگریز گورنر ہمیشہ انکار کر دیتا۔ (شہاب نامہ، صفحہ 159)

عزیزانِ گرامی! یہ حال تھا ساورا قوم کا جو مظاہر پرست تھے۔ جب اُن کو مسیحی تبلیغ کر کے عیسائی نہ بنا سکے تو وہ مسلمان جن کی تاریخ سنہری کارناموں سے بھری پڑی تھی۔ جن کے علم و عرفان کی درس گاہیں دنیا کو ایک عرصے تک سیراب کرتی رہی تھیں۔ جن کے آباء کی کتابیں علم کے نور سے آج بھی بلا تفریق کائنات کے گوشوں کو روشن کر رہی ہیں، وہ ایک ایسی قوم کی تبلیغ کو کیسے قبول کر لیتی؟ جن کے اپنے عقیدے کی کوئی اہمیت نہیں، جن کے نزدیک خدا ایک نہیں تین ہیں، جن کے خدا کو بت پرست رومیوں نے حکمران یہودیوں کی خواہش سے سولی کے تختے پر لٹکا دیا تھا اور اس کی ہتھیلیوں اور ٹخنوں کو تختے سے لگا کر بڑی بڑی کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں پھر اس نے درد کی شدت سے چیختے ہوئے کہا تھا کہ خدایا موت کے پیالے کو میرے لبوں سے ہٹا لے مگر اُسے سولی پر چڑھنا تھا اور ان کا یہ خدا تین دن تک سولی پر لٹکا رہا۔ جہاں ایسے عقائد و نظریات ہوں کیا دنیا کی مہذب قومِ مسلم جنہوں نے اس دنیا کو علم کی روشنی سے اس وقت منور کیا جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا وہ اس قوم کی اس بے سروپا تبلیغ کو اور ان کے من گھڑت نظریات کو قبول کر سکتی تھی؟

نہیں ہرگز نہیں۔

عزیزانِ گرامی! جب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ان تھک کوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہو سکے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنا منصوبہ درگور ہوتا نظر آیا ان حالات میں پرانے شکاری نیا جال لے کر آئے اور انہوں نے اپنی پالیسی کو بڑی حد تک پر اسرار بنالیا۔ جو زہر پہلے وہ جبراً کھلاتے تھے اب ایسی لذیذ غذا کی صورت میں مسلمانوں کے حلق سے اُتارنے لگے جو دیکھنے میں انتہائی خوش نما اور شیریں معلوم ہوتا تھا۔ اپنے اس ظالمانہ منصوبے کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کیلئے انگریزوں نے تعلیم کا راستہ چنا۔

کس طرح انہوں نے یہ زہر مسلم قوم کے حلق سے نیچے اتارا؟

علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری لکھتے ہیں، مسلمانوں کے زیر تعلیم نونہالوں کو جو بڑے ہو کر قوم کا فعال عنصر اور حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں انہیں ایسے رنگ میں رنگ دیا جائے اگرچہ انہیں عیسائی تو نہ کہا جاسکے لیکن ان کی اکثریت ایسی تربیت پا کر نکلے کہ اس پر مسلمان کی تعریف بھی صادق نہ آئے۔ وہ مسلمان ہی کہلاتے رہیں لیکن اسلامی تہذیب سے ناآشنا ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی آنے والی نسلیں کسی اور ہی رنگ و روپ میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوں گی جس کے باعث ان کا زاویۂ نظر ہی بدل جائے گا۔ (کلمہ حق صفحہ 62)

یہود و نصاریٰ کی اس سازش کو پروفیسر محمد فاروق النہیان اپنے آرٹیکل 'عالمِ اسلام کا مستقبل، منصوبہ بندی اور اقدام' میں اس طرح طشت از بام کرتے ہیں:، علم کے نام سے اور ثقافت کے نام سے ہمارے ممالک کے اندر جو مشنری مراکز قائم کیے جاتے ہیں وہ اسلام کے دشمن، استعمار پرست ملکوں کے مفادات و مصالح کو آگے بڑھانے کی خدمات انجام دیتے ہیں، یہ انھیں مملکتوں کے خدمت گزار ہیں جنھوں نے صلیبی جنگوں کی قیادت و سیادت ایک زمانے میں کی تھی کہ اسلام کا خاتمہ اس کی سرزمین ہی پر کر دیا جائے۔ اور اب یہ وہی لشکر ہے جو میدانِ جنگ سے ہٹ کر ہماری تعلیمی درس گاہوں اور نظامِ علمی میں آگیا ہے اور ان پر مسلّط ہے۔ یہ وہی لشکر ہے جو اپنا زہر خود ہمارے بیٹوں کے دل و دماغ میں اپنے پسندیدہ و منتخب گروہ کے ذریعے سے انڈیلتا ہے جو وہاں تعلیم پاتے ہیں۔ وہ ایسی تعلیم ان کو دیتا ہے جو مضرت رساں زیادہ ہے اور نفع بخش کم۔ یہی تعلیم پا کر ہمارے بچے ان تعلیم گاہوں سے جب باہر نکلتے ہیں تو اپنے دین اور عقیدے کے بارے میں بدترین خیالات کے حامل ہو کر نکلتے ہیں۔ (جریدہ 34 جلد 6 صفحہ 199 مطبوعہ شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی)

عزیزانِ گرامی! صرف سیکولر نظامِ تعلیم ہی نہیں بلکہ مسیحی تعلیم کو بھی رائج کرنے کی زبردست کوشش کی گئی۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی اپنی کتاب 'ارشاد الحیاری' میں لکھتے ہیں، فرنگی جو اسکول اسلامی ممالک میں کھولتے ہیں ان میں طالب علم کے داخلے کی اہم ترین شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر دن عیسائی لڑکوں کے ساتھ عبادت کیلئے گرجا جائے گا اور ان جیسے دینی افعال انجام دے گا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اور جسے یہ شرط منظور نہ ہو اسے وہ داخلہ نہیں دیتے۔ بیروت میں بھی ایسے اسکول موجود ہیں اور ان میں مسلمانوں کے کچھ بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً مدرسہ یسوعیہ اور مدرسہ المطران المارونیہ۔ (تقدیم شواہد الحق، صفحہ ز، از علامہ عبدالحکیم شرف مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی 1988)

اسی صورتِ حال کو اور وضاحت کے ساتھ پروفیسر محمد فاروق النبہان اپنے آرٹیکل 'عالم اسلامی کا مستقبل' میں یوں بیان کرتے ہیں، بیروت کی امریکن یونی ورسٹی کے اس منشور کا مطالعہ کرلیں جو ۱۹۰۹ء میں اس نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس وقت شائع کیا تھا جب مسلمان طلبہ نے بطور احتجاج کلاسوں میں جانا اس لئے بند کر دیا تھا کہ روزانہ اُن کو جبری طور پر چرچ میں جانا پڑتا تھا۔ منشور میں یہ درج ہے کہ 'یہ مسیحی یونی ورسٹی ہے۔ مسیحیوں کی مالی امداد سے قائم کی گئی ہے، مسیحیوں نے زمین خریدی، مسیحیوں نے عمارتیں کھڑی کیں، مسیحیوں نے ہسپتال بنائے، اور ان کو ضروری ساز و سامان مہیا کیے اور نہ ہی یہ ادارہ ان کی امداد اور سہارے کے بغیر جاری رہ سکتا ہے۔ سب کچھ ان ہی مسیحیوں نے کیا ہے تاکہ وہ تعلیم یہاں رائج کریں جس کے مواد میں انجیل ہو، اور اس کی حقیقی منفعتیں ہر طالب علم تک پہنچائی جائیں۔ اسلئے جو طالب علم اس میں داخل ہوتا ہے اُس پر لازم ہے کہ پہلے سے آگاہ رہے کہ اس سے کن باتوں کا مطالبہ کیا جائیگا'۔

اور یونیورسٹی کی مجلس الامناء (Trustees) نے اس ضمن میں اعلان کیا وہ یہ ہے کہ یہ یونیورسٹی اس لئے قائم نہیں کی گئی کہ یہاں سیکولر (Secular) لادینی تعلیم دی جائے اور نہ یہ اس کے فرائض میں ہے کہ وہ اخلاقِ حمیدہ کو عام کرتی رہے۔ اوّلین غایت اس کی یہ ہے کہ وہ حقائقِ کبریٰ جو تورات میں ہیں وہ سکھائے جائیں اور یہ یونیورسٹی نورِ مسیحی اور تاثیر مسیحی کا مرکز ثابت ہو اور اسی کولے کر وہ لوگوں کے سامنے آئے۔ (جریدہ 34 صفحہ 200)

اسی صورتِ حال پر جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کا درج ذیل تبصرہ ملاحظہ کیجئے، انہوں نے اسکول کھولے تاکہ عیسائیت کا بیج ان نونہال بچوں کے دلوں میں بوسکیں جن کو آسانی سے اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ ان کی توجہ اعلیٰ تعلیم پر نہ تھی بلکہ ان کی توجہ کا مرکز پرائمری تعلیم تھی کیونکہ اسی سطح پر وہ بچے کی طرف سے کسی مزاحمت کے بغیر اس کے دل سے ایمان کی دولت نکال سکتے تھے۔

ان اسکولوں میں انہوں نے تربیت یافتہ عورتوں کو تدریس کے کام پر مقرر کیا جو بچوں کی نفسیات کی ماہر ہوتی تھیں اور بچوں کو آسانی سے اپنے شیشے میں اُتار سکتی تھیں۔

انہوں نے عیسائی تعلیمی ادارے قائم کیے جہاں یہ محسوس کیا کہ مسلمان اپنے بچوں کو عیسائی تعلیمی اداروں میں بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں وہاں سیکولر ادارے قائم کر کے اپنے مقاصد حاصل کئے۔ (ضیاء النبی، از جسٹس پیر کرم شاہ الازہری جلد ششم صفحہ 259)

مشہور مبشر سموئیل زویمر جو اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے مشہور ہے، وہ اپنے ہم مذہب لوگوں کو اسلام کے خلاف سازشوں کیلئے اس طرح نصیحت کرتا ہے، جب تک مسلمان عیسائی مدارس میں داخلہ لینے سے ہچکچاتے ہیں اُس وقت تک ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اُن کیلئے لادینی مدارس کھولیں اور ان مدارس میں ان کیلئے داخلہ آسان بنائیں۔ یہی مدارس طلبہ کے اندر اسلامی روح کو ختم کرنے میں ہمارے مدد و معاون ثابت ہوں گے۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ 254)

اسی متعصب مستشرق پادری ڈاکٹر سموئیل زویمر کے حوالے سے پروفیسر انور الجندی اپنے مضمون 'وحدتِ فکر، وحدتِ اسلامی کی تمہید ہے' میں لکھتے ہیں، بیسویں صدی کی ثلاثیات (Thirties) میں ممالک عربیہ کے اندر ڈاکٹر زویمر کو مشنریوں کی صف میں بڑا درجہ حاصل تھا۔ اُن سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو مسیحیت کے اندر سمیٹنے میں ناکامی کیوں ہوئی تو ڈاکٹر زویمر نے نہایت خطرناک جواب دیا۔ یہ جواب ایسا ہے کہ تخریبی اور تغریبی جنگ کے شعبوں میں تحقیق و تفتیش کرنے والے مسلم محققین کیلئے الزام ہے کہ اس جواب کی اہمیت کا اندازہ کریں اور اپنے سامنے رکھیں۔ زویمر نے کہا تھا کہ تبشیر کا ہدف یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو مسیحیت کے اندر سمیٹا جائے۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے، عیسائی مشنریز کا ہدف صرف یہ ہے کہ اُن کو اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ (جریدہ 34 صفحہ 329)

مستشرقین کی تحریک کا ہدف کیا ہے اور اس نظام تعلیم کو وہ کس طرح استعمار کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں پروفیسر انور الجندی لکھتے ہیں، مستشرقین کی تحریک کا ہدف بالکل واضح تھا اور جیسا کہ خود اربابِ استشراق نے بتایا ہے اور جس کا خلاصہ خود ان کے اس بیانِ قاطع میں موجود ہے کہ 'علم کو سیاست اور استعمار کی ضرورت گزاری پر رکھا گیا ہے' اور اس کے دور رس مقاصد میں اہم ترین یہ ہیں کہ

- اسلام کی شخصیت و انفرادیت کو تحلیل کیا جائے۔ اس کی خصوصیت ذاتی اور انفرادی مزاج کا خاتمہ کر کے اس پر غلبہ حاصل کیا جائے۔

❖ عصرِ حاضر کے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے کاٹا جائے اور ایسی تدبیریں کی جائیں کہ ان کا تعلق ماضیِ بعید کی بت پرستانہ تہذیب سے جوڑ دیا جائے۔

❖ تنقیص، تحقیر اور تلبیس کی فضا پیدا کرنے کی نیت سے شکوک و شبہات پھیلائے جائیں اور کم سے کم میراثِ اسلامی کی توہین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

❖ استشراق ہی وہ کارخانہ ہے جو عیسائی مشنریوں اور سیکولر مدارس کو طرح طرح کا زہر مہیا کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے ان منہاج و طرز و تعلیم اور نصاب تدریس میں ان کو داخل کریں جو مدارسِ وطنیہ میں منتقل کیے جائیں۔

❖ اس کاروائی کا مقصد یہ ہے کہ عالمِ اسلامی کی وحدتِ فکر کو پارہ پارہ کیا جائے۔ کبھی اس کو عربی اسلام، فارسی اسلام اور ترکی اسلام وغیرہ کے نام سے منقسم کیا جاتا ہے اور مختلف ٹکڑوں میں بانٹا جاتا ہے اور کبھی قومیت اور نسلیت کے تصورات پیش کیے جائیں اور ان کی آواز بلند کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ (جریدہ 34 صفحہ 331،330)

ڈاکٹر اقبال اسی پس منظر کو یوں بیان کرتے ہیں ۔

ایک لُردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر !
بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
برّے پر اگر فاش کریں قاعدۂ شیر
سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

(کلیاتِ اقبال صفحہ 134 ضربِ کلیم)

عزیزانِ گرامی! اُمتِ مسلمہ نو آبادیاتی نظام کے استعماری شکنجے سے ابھی نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ استعمار کے اس تعلیمی شکنجے میں پھنس گئی۔ ہم نے اسلامی دنیا کے مختلف اسکالرز کا نقطۂ نظر آپ کے سامنے رکھا۔ برصغیر میں انگریزوں کے مکمل کنٹرول کیلئے مسلمانوں کے تعلیمی نظام پر شب خون مارا گیا۔ برٹش راج کی مضبوطی کیلئے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کی بَلی دے دی گئی۔

مسلم لیگ (ن) کے رہنما جاوید ہاشمی اپنی کتاب 'تختۂ دار کے سائے تلے' میں لکھتے ہیں، لارڈ میکالے نے ہندوستان پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کیلئے تعلیمی نظام کا نصاب تیار کیا تھا جس کے مقاصد میں لارڈ میکالے نے کہا کہ برٹش راج کی مضبوطی کیلئے مقامی لوگوں کو ایک حد تک شامل کرنا ہماری مجبوری ہے اس لئے انہیں ایک محدود سوچ کی تعلیم دے کر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے۔

مزید آگے لکھتے ہیں، لارڈ میکالے نے 2، فروری 1835ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں جو تقریر کی، وہ مختصر مگر جامع تھی۔ انہوں نے کہا، معزز اراکین پارلیمان میں نے ہندوستان کے طول و عرض میں بار بار سفر کیا ہے۔ دنوں اور راتوں میں گھوما اور پھرا ہوں۔ میری آنکھیں آج تک ایسے شخص کو دیکھنے کیلئے ترستی ہیں جو یہاں بھکاری ہو، یا جو لٹیرا ہو۔ اس ملک میں ایسی دولت دیکھی ہے، ایسی بلند اخلاقی قدریں دیکھی ہیں اور اتنی بڑی ہستیوں سے ملا ہوں کہ مجھے پختہ یقین ہوگیا ہے کہ ہم کبھی اس ملک کو فتح نہیں کر سکیں گے، جب تک کہ ہم اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی نہ توڑ دیں، اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی کیا ہے؟ ان کا روحانی اور تہذیبی ورثہ! یہی وجہ ہے کہ میں با آواز بلند تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم ان کا نظامِ تعلیم اور ان کی ثقافت بدل کر رکھ دیں گے۔ دیکھنے میں خواہ یہ لوگ گندمی یا سانولی رنگت رکھتے ہوں لیکن ان کے سینوں میں سفید فام انگریز کا دل دھڑکتا ہو اگر ہم انہیں یہ یقین دلا سکیں کہ ہر وہ چیز جو غیر ملکی اور ہر وہ چیز جو انگریزی ہے وہ ان کی چیزوں سے بہتر ہے تو ہندوستانی بہت جلد اپنی نظروں میں گر جائیں گے اور اپنے قدیم کلچر کو چھوڑ دیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسطرح جلد ایسا وقت آجائیگا اور وہ ایسے بن جائیں گے جیسے ہم چاہتے ہیں وہ 'براؤن صاحب' کہلانے میں فخر محسوس کریں گے اور اس طرح وہ صحیح معنوں میں ہماری مفتوحہ اور باج گزار قوم بن کر زندگی کے دن پورے کرنے لگیں گے۔ (تختۂ دار سائے تلے، از جاوید ہاشمی رہنما مسلم لیگ (ن) صفحہ 261،262)

انگریزوں سے قبل کے اسلامی نظامِ تعلیم پر شب خون کیوں مارا گیا؟

قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں، یہ وہ زمانہ تھا جب اس برصغیر میں مسلمانوں پر تعلیم و ترقی کے سبھی دروازے بند کردیئے گئے تھے۔ لارڈ میکالے کا فتویٰ تھا کہ یہاں پر جو نظامِ تعلیم رائج کیا جائے وہ ایسے انسان پیدا کرے جو رنگت میں تو بیشک ہندوستانی ہوں، لیکن چال ڈھال، فہم و فراست، ذوق و مذاق، اخلاق و اطوار اور ذہنی اعتبار سے انگریز ہوں۔ اس پالیسی کے تحت جب فارسی کی جگہ انگریزی کو سرکاری زبان بنادیا گیا، تو برصغیر کے ہزاروں مسلمان علماء وفضلا بہ یک نوکِ قلم غیر تعلیم یافتہ قرار دے دیئے گئے۔ اس فیصلے کا ہندوؤں نے بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ اس لئے نہیں کہ انہیں انگریزی سے کوئی خاص محبت تھی بلکہ اسلئے کہ انہیں فارسی سے چڑ تھی کیونکہ اس زبان کا رابطہ مسلمانوں سے تھا۔

یوں بھی جب 1857ء میں سلطنتِ مغلیہ کا آخری چراغ گل ہوگیا تو انگریزوں اور ہندوؤں کی ایک مشترکہ کوشش یہ تھی کہ اس برصغیر میں ہر اُس امکان کو ختم کردیا جائے جس میں مسلمانوں کے دوبارہ سر اُٹھانے کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو۔ یہاں پر مسلمان ہی ایک ایسی قوم تھی جس میں حکومت کرنے کی صلاحیت بھی تھی، روایت بھی تھی اور ہزار سالہ تجربہ بھی حاصل تھا۔ چنانچہ اس قوم کا سر کچلنا دونوں کا فرضِ منصبی قرار پایا۔ (شہاب نامہ، صفحہ 104)

اس نظامِ تعلیم سے حاصل کیا ہوا ہندوستان کے سابق وزیر تعلیم ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں، کچھ اوپر سو برس ہوئے ہندوستان میں انگریزی حکومت آئی اور جدید علوم و فنون کو اپنے ساتھ لائی، اسکول بنائے، کالج قائم کئے، تربیت گاہ (ہوسٹل) واقامت گاہ (بورڈنگ ہاؤس) کی بنیاد ڈالی، وظیفے دیئے، ملازمتوں کا دروازہ کھولا، سررشتہ تعلیم کی رسی دراز کی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ تعلیم کا نظام اور اس کا طرز و طریق ہی ایسا ناقص تھا کہ تعلیم یافتہ گروہ نہ ذہنیات ہی میں ترقی کرسکا، نہ دماغ ہی آراستہ ہوئے، نہ عملی طریق پر ملک کی ثروت بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور نہ ایجاد و اختراع ہی کی جانب توجہ پیدا ہوئی۔ اس تمام تعلیمی تگ و دو اور غوغائے علم کا نتیجہ صرف اسی قدر نکلا کہ سرکاری دفتروں میں محرری و نظامت کیلئے کم معاوضہ پر فرنگی کارکن نہیں مل سکتے تھے، ہندوستانیوں کو انگریزی میں بہرہ نہ تھا، انگریزی افسر ہندوستانی محرروں کے حاجت مند بھی تھے اور ان کے ہاتھوں زحمت بھی اٹھاتے تھے۔ پس سرکاری یونیورسٹیوں نے یہ زحمت بھی رفع کردی۔ کلرکی کیلئے اس تعلیمی ترقی کے دور میں ہر قسم کے ہندوستانی گریجویٹ ملنے لگے، جن کی زندگی کا ماحصل یہی ہوتا ہے کہ کمائیں، کھائیں اور گورنمنٹ کی غلامی میں عمریں گزار دیں۔ (ابوالکلام آزاد کے علمی شہ پارے صفحہ 339 مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مولانا احمد رضا خاں ملتِ اسلامیہ کی اس حالت پر دردمندی اور فکر انگیزی کے ساتھ فرماتے ہیں، تہذیب و انسانیت سکھانے کیلیے دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا۔ عرب، مصر، روم، شام حتی کہ حرمین شریفین کے علماو مشائخ میں کوئی اس قابل نہیں، ہاں کمالِ مہذب و شیخ تربیت و پیر افادیت بننے کے لائق یورپ کے عیسائی ہیں اُن کو اس قدر دبیز تنخواہیں ان روپوں سے دی جائیں گی کہ وہ یہاں رہنے پر مجبور ہوں، اُن کی صحبت و تربیت میں مسلمانوں کے بچے رکھے جائیں گے، اُن کے اخلاق و عادات سکھائے جائیں گے، ایسی صورت میں حال ظاہر ہے ابتدا میں کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے کو بہت سنبھل سنبھل کر بنا بنا کر مقاصد دکھائے گئے ہیں۔ ان میں تو یہ حالت ہے آئندہ جو کارروائی ہوگی رُو یش ببیں حالش مپرس (اس کا چہرہ دیکھ لیکن اس کا حال نہ پوچھ۔ ت)

سالہا سال سے علی گڑھ کالج انھیں مقاصد کیلیے قائم ہے اس کے ثمرات ظاہر ہیں کہ مسلمانوں کو نیم عیسائی کر چھوڑا۔ اس کے اکثر تعلیم یافتہ اسلام اور عقائد اسلام پر ٹھٹھے اُڑاتے ہیں، ائمہ و علماء کو مسخرہ بتاتے ہیں، خود غرضی و خود پسندی، دنیا طلبی، دین فراموشی یہاں تک کہ ڈاڑھی وغیرہ اسلامی وضع سے تنفر ان کا شعار ہے۔ جب ادھورے کے یہ آثار ہیں تکمیل کے بعد جو ثمرات ہوں گے آشکار ہیں۔

قیاس کن زگلستان اوبہارش را

(اس کے باغ سے اس کی بہار کا اندازہ کریجئے۔ ت)

(فتاویٰ رضویہ از مولانا احمد رضا جلد 23 صفحہ 685 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

اس تعلیمی نظام کے کیا اثرات سامنے آئے جاوید ہاشمی لکھتے ہیں، تعلیمی اداروں کے بڑھ جانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا، نہ ہسپتالوں کا۔ صدیوں کی محنت مزدوری کو فیوڈل ڈھانچے نے صدیوں کی بھوک، بیماری اور جہالت دی ہے۔ (تختہ دار کے سائے تلے، صفحہ 207)

ایک اور جگہ یوں اظہارِ خیال ظاہر کرتے ہیں، غلاموں کی بہتر کارکردگی کیلئے انہوں نے جو نظام بنایا اور جو تعلیمی نظام دیا وہ بھی استحصالی تھا۔ (تختہ دار کے سائے تلے، صفحہ 145)

پروٹوکولز کا مصنف لکھتا ہے:۔

In applying our principles let attention be paid to the character of the people in whose country you live and act: a general, identical application of them, until such time as the people shall have been re-educated to our pattern, cannot succeed. But by approaching their application cautiously you will see that not a decade will pass before the most stubborn character will change and we shall add a new people to the ranks of those already subdued by us.

(Protocol -P-45 by Victor. Marsden مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور 2006)

ہمارے قواعد و ضوابط کو عملی جامہ پہنانے سے قبل آپ کو ان لوگوں کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہوگا جن میں رہ کر آپ کو کام کرنا ہوگا۔ عوام کو جب تک از سر نو ہمارے نصاب کے مطابق زیورِ تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائیگا ان قواعد و ضوابط کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہ ہوگا۔ تاہم اگر احتیاط اور صبر و تحمل سے کام لیا جائے تو دس سال کا عرصہ بھی نہیں گزرے گا ضدی وہٹ دھرم قلم کے افراد کے ذہنوں میں بھی تغیر محسوس ہونے لگے گا اور ہمارے مطیع افراد کی صف طویل تر ہوتی چلی جائے گی۔ (پروٹوکولز، صفحہ 158 مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور 2006)

مسلمانوں کا علمی استیصال اس لئے بھی ضروری تھا تاکہ مستشرقین کا علمی زہر نونہالانِ ملت کے ذہنوں میں سرائیت کر جائے اور پھر ہوا بھی ایسا ہی۔ استیصالی تعلیمی اداروں سے فارغ اسکالرز کو مستشرقین کے علمی رعب نے ذہنی اور فکری فالج میں مبتلا کر دیا۔

انصاف، فریب اور مستشرقین

اس میں کوئی شک نہیں کہ انصاف پسند مستشرقین بھی موجود ہیں لیکن آٹے میں نمک کے برابر یا پھر وہ جو حق کی روشنی کو دیکھ کر اسلام کے قریب آئے اور پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن مستشرقین کی ایک اکثریت اندھے تعصب میں گرفتار ہے۔ اُن کا مقصد صرف اسلام اور پیغمبر اسلام کی اہانت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ہر اس بات کو جو اسلام مخالف ہے اسلام پر تھوپنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کر کے اسلام کو نقصان پہنچا سکیں۔

احبابِ من!   حق، حق ہوتا ہے اور باطل، باطل۔ باطل کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو مٹنا اس کا مقدر ہوتا ہے اور ابتدا میں حق کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو فتح و کامرانی اس کا نصیب ہوتی ہے۔

اور ہمیں یقین ہے کہ جب حق آئے گا تو باطل مٹ جائے گا کیونکہ مٹنا باطل کا مقدر ہے۔

قرآن کریم اور مستشرقین

اسلام کی دعوتِ عام کے ساتھ ہی اس کی مخالفت کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔ ظلم و جبر کے شیدائیوں کیلئے اسلام کی دعوت میں اُن کیلئے پوشیدہ موت کا پیغام چھپا ہوا تھا۔ فتنوں کے سرغنوں کیلئے ابدی شکست کا پیغام پنہاں تھا۔ پیغمبر اسلام نے جب دعوتِ اسلام دی اُس وقت اہلِ عرب کو اپنی زبان دانی اور فصاحت پر بڑا ناز ہوا کرتا۔ اُس دور میں زبان دانی وجہ افتخار ہوا کرتی تھی۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دَور میں فنِ جادوگری کے چرچے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں فنِ طب کے چرچے تھے۔ اسی لئے ربّ العالمین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ معجزہ عطا فرمایا جس کے بعد جادوگر بھی آپ پر ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اپنے عروج پر تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے عہد کے مطابق ایسے معجزے عطا فرمائے جس سے فنِ طب کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نابیناؤں کو بینا، مُردوں کو زندہ کرتے ہیں، یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے ربّ العالمین نے اپنے محبوب کو قرآن عطا فرمایا کیونکہ اُس وقت اُس دور میں فصاحت و بلاغت کے چرچے تھے اور اسی طرح یہ معجزہ آج بھی ہے کہ جب سائنس ترقی پر ترقی کے زینے طے کر رہی ہے اور وہ حیرت زدہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل کس طرح قرآن نے سائنسی انکشافات کیے ہیں اور یہ قرآن کریم ہر زمانے کیلئے معجزہ ہے اور رہے گا لیکن مخالفین کا عجب عالم ہوتا ہے کہیں فرعون موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اُن کا انکار کرتا ہے، کہیں یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر اُن کا انکار کرتے ہیں اور کہیں کفارِ مکّہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کا انکار کرتے ہیں۔ اور کیونکہ یہ معجزہ قیامت تک کیلئے ہے اس لئے ہر دَور میں اس کے مخالفین پیدا ہوتے رہے ہیں۔

قرآن کریم وہ کتاب ہے، وہ معجزہ ہے جو اسلام کی اصل ہے۔ اگر اس بنیاد ہی کو ختم کر دیا جائے تو تمام چیزیں خود بخود کمزور ہوتی چلی جائیں گی کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وہ کتاب ہے جس میں دنیا و آخرت میں کامیابی کا سامان پنہاں ہے۔

جب تک مسلمان اس کتاب کی پیروی کرتے رہے کامیابی و کامرانی اُن کے قدم چومتی رہی اور جب تک کرتے رہیں گے کامیابی و کامرانی قدم چومتی رہے گی اور جب اس کتاب کے درس بھلا دیں گے تو زوال کی پستیاں اُن کا مقدر ہو جائیں گی، جیسے آج یہ زوال پذیر ہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں اور مستشرقین جو علمی لبادہ اوڑھ کر تحقیق کی قبا کو پہن کر علم کی دستار کو سر پر سجا کر اسلام پر حملے کرتے ہیں وہ بھی اس حقیقت سے آشنا ہیں۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، مستشرقین نے قرآن حکیم کو اپنے وجود اور مفادات کیلئے خطرہ سمجھتے ہوئے اس کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا۔ قرآن حکیم کی اہمیت کو کم کرنے کیلئے انہوں نے مختلف زاویوں سے اس کتابِ مبین پر وار کیے۔ انہوں نے بیک زبان ہو کر اعلان کیا کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ یہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی تدوین اور حفاظت پر اعتراض کر کے اس کے ایک مستند دستاویز ہونے کا بھی انکار کیا۔ انہوں نے قرآنِ حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اس کی شانِ اعجاز پر بھی طبع آزمائی کی۔ انہوں نے اس کے مضامین، اس کی ترتیب اور اس کے اسلوب کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ قرآنِ حکیم کی تعلیمات بھی مستشرقین کے طعن و تشنیع کے تیروں سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ 353)

نامور مستشرقہ کیرن آرمسٹرانگ نے بھی اپنی کتاب **Muhammad Prophet for our Time** (اس کا اُردو ترجمہ 'پیغمبر امن' کے نام سے پاکستان میں چھپا ہے) میں اسی اسلوب کو اپنایا ہے اور دل کھول کر اپنی عصبیت کو تحقیق کے ریپر میں لپیٹ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

کیرن آرم اسٹرانگ یا مستشرقین کا اسلام اور قرآن کی مخالفت کرنا کوئی نئی بات نہیں، اس قسم کے اعتراضات کفارِ مکہ ماضی میں کر چکے ہیں لیکن اپنی تمام تر مخالفت کے باوجود وہ قرآن کی دعوت کو روک نہیں سکے۔ اسی طرح مستشرقین نے بھی اس کی مخالفت کا علم 16ویں صدی میں بلند کیا مگر چار صدیاں گزر جانے کے باوجود نہ تو وہ قرآن کی دعوت روک سکے اور نہ ہی اسلام کو پھیلنے سے روک سکے۔

پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں، مستشرقین نے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کردار پر کذب کا داغ لگانے کیلئے قرآن حکیم کے کلامِ خداوندی ہونے کا انکار کیا لیکن دنیا دیکھ رہی تھی کہ کروڑوں انسان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں لٹکانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں علمی، مادی اور روحانی میدانوں میں اتنی ترقی کی ہے کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال معدوم ہے۔ وہ جس انسانِ کامل کے دامن کو کذب، افترا، فریب اور دغابازی کے دھبّوں سے آلودہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس کے بارے میں تاریخ یہ بتا رہی تھی کہ ان اخلاقی برائیوں کا الزام تو اس پر اُن دشمنوں نے بھی نہیں لگایا تھا جو اس کے خون کے پیاسے تھے اور اس کے دین کی شمع کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے چراغ کو بھی گُل کرنا چاہتے تھے۔

مستشرقین کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو الزامات لگائے گئے ان کے متعلق تاریخ کے ایک طالبِ علم کے ذہن میں یہ سوالات اُٹھ سکتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جھوٹا اور فریبی شخص اُٹھے اور چند سالوں میں پورے جزیرۂ عرب کی کایا پلٹ دے، دشمنوں کو دوست بنادے، خون کے پیاسوں کے درمیان اخوت کا مقدس رِشتہ پیدا کردے۔ بچیوں کو زندہ درگور کرنے والوں کو احترامِ نسوانیت کا چیمپئن بنادے۔ بت پرستوں کو بت شکن بنادے اور توہمات کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو علم کی وہ روشنی عطا کرے جس سے دلوں اور ذہنوں کی دنیا جگمگا اُٹھے۔ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو جھوٹا کہنے کی جرأت نہ نجاشی کے دربار میں قریش کے سفیروں نے کی تھی اور نہ یہ جسارت قیصر روم کے دربار میں سردارِ مکہ ابو سفیان انہیں جھوٹا کہہ سکے تھے۔ انہیں جھوٹا کہنا مستشرقین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا سکتا تھا اس لئے بعد کے مستشرقین نے قرآن حکیم کے پیغام میں بزعمِ خود ایسی چیزیں تلاش کرنا شروع کردیں جس کے بل بوتے پر اس کے کلامِ خداوندی ہونے کا انکار کرکے اسے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصنیف کہا جاسکے۔ مستشرقین کو عالم اور بے لاگ محقق ہونے کا دعویٰ تھا۔ انہیں چاہئے تھا کہ قرآنِ حکیم کو انسانی کلام ثابت کرنے کیلئے ایسے مضبوط دلائل وبراہین ثبوت میں پیش کرتے جو ناقابلِ تردید ہوتے لیکن قرآن کی اس حیثیت کا انکار کرتے وقت انہوں نے اپنے علمی مقام کو فراموش کردیا اور قرآن حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرنے کیلئے انہوں نے بھی وہی اسلوب اپنایا جو نزولِ قرآن کے وقت مکہ کے اُجڈ عربوں نے اپنایا تھا۔ کفارِ مکہ کا اسلوبِ انکار یہ تھا۔

وقال الذین کفروا ان ہذا الا افک افتراہ واعانہ علیہ قوم آخرون (سورۂ فرقان۔ آیت ۴)

اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے
اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے۔

کبھی انہوں نے یہ واویلا مچایا:

و قالوا اساطیر الاولین ا کتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا (سورۂ فرقان۔ آیت ۵)

اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے۔ اس شخص نے لکھوا لیا ہے
انہیں اور پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح وشام (تاکہ ازبر ہو جائیں)۔

کبھی وہ کہتے:

انما یعلمہ بشر (سورۂ النحل۔ آیت ۱۰۳)

کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ 357)

مس کیرن آرمسٹرانگ نے بھی اسی انداز کو اپنایا اور انتہائی عیارانہ اسلوب میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر قلمی حملے کئے۔

پیغمبرِ اسلام پر سِحر کا الزام

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن پر مشرکینِ مکّہ بھی سحر کا الزام نہ لگا سکے۔۔۔انہیں نہ شاعر کہہ سکے۔ نہ انہیں مجنون کہنے کی جرات ہو سکی۔ مستشرقین نے انہیں سحر زدہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اور انہوں نے یہ اس لئے کیا تاکہ وہ قرآن کو کلامِ الٰہی کے بجائے کلام البشر ثابت کر سکیں۔ کیرن آرم اسٹرانگ نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح تخیل کی بنیاد پر وہی پرانے الزامات دہرائے ہیں جو اس سے قبل منٹگمری واٹ، جارج سیل، گولڈ زیہر وغیرہ نے تحقیق کا جعلی لبادہ اوڑھ کر کیے تھے۔

کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں:

Afterwards he found it almost impossible to describe the experience that sent him running in anguish down the rocky hillside to his wife .It seemed to him that a devastating presence hade burst in to the cave where he was sleeping and gripped him in an overpowering embrace squeezing all the breath from his body. In his terror, Muhammad could only thing that he was being attacked by a jinni. (MUHAMMAD Prophet for our Time by Karen Armstrong P# 21 print by Harper Press London)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تجربے کو بیان کرنا تقریباً ناممکن پایا جب آپ لرزاں و خیزاں پہاڑی سے اتر کر اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تھے۔ آپ کو لگا تھا کہ ایک پُر جلال اور ہیبت ناک ہستی اس غار میں گھس آئی تھی جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ اُس ہستی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زور سے اپنے ساتھ بھینچا تھا۔ ہیبت زدگی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا کہ شاید کسی جن نے حملہ کیا تھا۔

(پیغمبر امن، صفحہ 11 از کیرن آرم سٹرانگ مترجم یاسر جواد نگارشات پبلیشرز مطبوعہ 2007)

یہ جن کون تھا؟ اس کے بارے میں بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

One of the fiery spirits who haunted the Arabian steppes and frequently one lured travelers from the right path. The jinn also inspired the bards and soothsayers of Arabia. One poet described his poetic vocation as a violent assault; his personal jinni had appeared to him without any warning ,thrown him to the ground and forced the verses from his mouth. (Muhammad P#21)

یہ جن ناری روحیں تھیں جو اکثر عریبیہ کی ستیپیوں پر منڈلاتے اور گاہے بگاہے مسافروں کو راہ سے بھٹکاتے رہتے تھے۔ جنات نے گوتیوں اور عریبیہ کے فال گیروں کو بھی فیض بخشا تھا۔ایک شاعر نے اپنی شاعرانہ کیفیت کو زبردست حملے کے طور پر بیان کیا۔اس کے ذاتی جن نے بلا انتباہ اسے زمین پر پھینک دیا اور اشعار زبردستی اس کے منہ سے نکلوائے۔

(پیغمبر امن، صفحہ 11)

کیرن آرم اسٹرانگ محض اپنے گمان اور ناقص تخمینے کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کررہی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ کسی جن کے سحر میں گرفتار تھے۔

مزید آگے لکھتی ہیں:

So, when Muhammad heard the curt command 'Recite!' he immediately assumed that he too had become possessed. 'I am no Poet' he pleaded but his assailant simply crushed him again, until- just when he thought he could bear it no more- he heard the first words of a new Arabic scripture pouring, as if unbidden from his lips. (Muhammad P# 21, 22)

چنانچہ جب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے 'پڑھو!' کا حکم سنا تو یہی سمجھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی جن وارد ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا 'میں شاعر نہیں ہوں' لیکن حملہ آور ہستی نے آپ کو دوبارہ بھینچا اور یہ عمل برداشت سے باہر ہو گیا تو نئے عربی صحیفے کی ابتدائی الفاظ خود بخود اپنے لبوں سے جاری ہو گئے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 11,12)

کیرن آرم اسٹرانگ صاحبہ نے یہ ساری روایات کن مصادر سے حاصل کیں اس کا کچھ نہیں پتہ۔ تحقیق کے بجائے تنقیص کا یہ جدید طریقہ جس کے موجد خود مستشرقین ہیں جب کسی اسلامی عقیدے یا نظریئے کو باطل ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو خاموش ہو کر نہیں بیٹھتے بلکہ وسوسوں کے بازار میں بیٹھ کر تخیل کی وہ سوداگری کرتے ہیں جس سے اس عقیدے پر مسلمانوں کا ایمان متزلزل ہو جائے۔

مس کیرن مزید آگے لکھتی ہیں:

He had this vision during the month of Ramadan, 6IO CE. Later Muhammad would call it layla al -qadar (the 'Night of Destiny') because it had made him the messenger of Allah, the high god of Arabia. (Muhammad P# 22)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ رویا 610ء میں ماہِ رمضان کے دوران دیکھی۔بعد ازاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے 'لیلۃ القدر' (قسمت کی رات) قرار دیا کیونکہ اس رات آپ عریبیہ کے اعلیٰ ترین معبود اللہ کے پیغمبر بن گئے تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ 12)

ان رویائے صادقہ کی کیفیت تو یہ تھی کہ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ ہو بہو پیش آجاتا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حالت کو حالتِ بیداری میں اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیتے۔

پیغمبر اسلام کو اپنی نبوت میں شک کا الزام

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے کیرن آرمسٹرانگ نے پوری کوشش کرڈالی کہ کسی طرح تخیل کے پروپیگنڈے کے سہارے یہ ثابت کرسکیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کا یقین نہیں تھا۔ لکھتی ہیں:

But at the time ,he did not understand what was happening. He was forty years old, a family man ,and a respected merchant in Mecca, a thriving commercial city in the Hijaz. Like most Arabs of the time, he was familiar with the stories of Noah, Lot, Abraham ,Moses, and Jesus and knew that some people expected the imminent arrival of an Arab Prophet, but it never occurred to him that he would be entrusted with this mission. Indeed, when he escaped from the cave and run headlong down the slopes of mount Hira', he was filled with despair. How could Allah have allowed him to become possessed? The Jinn where capricious, they were notoriously unreliable because they delighted in leading people astray. They situation in Mecca was serious. His tribe didn't need the dangerous guidance of a Jinni. They needed the direct intervention of Allah, who had always been a distant figure in the past, and who, many believed, was identical with the God worshiped by Jews and Christians. (MUHAMMAD P# 22)

لیکن اس وقت تک اصل بات نہیں جانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر چالیس برس تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاحبِ خانہ شخص، حجاز کے پھلتے پھولتے شہر مکّہ میں ایک محترم تاجر تھے۔ اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہانیوں سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کچھ لوگ ایک عرب پیغمبر کے منتظر تھے لیکن انہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ مشن خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی سونپا جائے گا در حقیقت غار سے باہر نکلنے اور کوہِ حرا کی ڈھلانوں سے نیچے اُترنے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک مایوسی نے گرفت میں لے لیا۔ اللہ انہیں کسی جن سے کیسے مغلوب کرسکتا تھا؟ جنات متلون مزاج تھے، وہ لوگوں کو بھٹکانے کی وجہ سے بدنام طور پر ناقابلِ اعتبار تھے۔ مکّہ میں حالات کشیدہ تھے۔ ان کے قبیلے کو ایک جن کی خطرناک راہنمائی کی ضرورت نہ تھی وہ اللہ کی براہ راست مداخلت کے خواہش مند تھے جو ماضی میں ہمیشہ ایک رسائی سے باہر ہستی رہا تھا اور بہت سوں کو یقین تھا کہ اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کا معبود خدا ہی تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

مس کیرن کے تخیل کا کیا کہنا۔ ایک ہی پیرائے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم، قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی اور تنقیصِ پیغمبر اسلام کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دے گئیں مگر کہیں بھی کوئی دلیل دینے میں مکمل طور پر ناکام رہیں۔

احبابِ من! اس طرزِ تحریر کو کون تحقیق کہے گا؟

کیا اہلِ علم اس طرزِ عمل کو اپناتے ہیں؟

لیکن کیا کیا جائے اس اسلام دشمنی کے وائرس کا جو ذہن کو اتنا مفلوج کر دیتا ہے کہ انصاف کا لبادہ اوڑھنے والے مستشرقین کے قلم صفحۂ قرطاس پر انصاف کا خون کرنے لگتے ہیں۔

کیرن آرم اسٹرانگ کی یہ عبارت 'حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ رویا 610ء میں ماہِ رمضان کے دوران دیکھی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے لَیلَۃِ القَدر (قسمت کی رات) قرار دیا کیونکہ اس رات آپ عریبیہ کے اعلیٰ ترین معبود اللہ کے پیغمبر بن گئے تھے۔' ایک بہتان کے سوا کچھ نہیں۔ اور نہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس رات کو لَیلَۃِ القَدر قرار دیا بلکہ اس کو لَیلَۃِ القَدر ربّ العالمین نے فرمایا:

انا انزلناه فی لیلة القدر (سورۂ قدر۔ آیت ۱)

بے شک ہم نے نازل کیا اس قرآن کو مبارک رات میں۔

کیرن آرم کی مکمل کوشش یہ ہے کہ وہ تخیل کی بنیاد پر یہ بتا سکیں کہ قرآن کلامِ خداوندی نہیں ہے اور لیلۃ القدر کا جو تذکرہ قرآن میں ہے اس کی اصل یہ ہے کہ اس رات آپ پیغمبر بن گئے تھے، اس لئے آپ نے اس کو لَیلَۃِ القَدر قرار دیا۔

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پر اپنے تخیل اور قلم کاری کی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے لکھتی ہیں: 'لیکن اس وقت تک اصل بات نہیں جانتے تھے'۔

یعنی آپ کو معلوم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی ہیں (جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے نبوت کسبی نہیں ہوتی) آگے لکھتی ہیں:

Some people expected the imminent arrival of an Arab Prophet ,but it never occurred to him that he would be trusted with this mission. (Muhammad P# 22)

کچھ لوگ ایک عرب پیغمبر کے منتظر تھے لیکن انہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ مشن خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی سونپا جائے گا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

واہ بھئی واہ کیا بات ہے اس تخیل کی پرواز کی۔۔۔

کچھ عرب تو جانتے تھے کہ کوئی پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے مگر پیغمبر خود نہیں جانتا کہ وہ پیغمبر ہے۔

اللہ کریم بھی بڑا کارسازِ حقیقی ہے جو قلم اس کے محبوب کی شان میں تنقیص کا ارادہ لے کر صفحۂ قرطاس کو آلودہ کرتا ہے اُسی صاحبِ قلم سے اپنے محبوب پر لگائے گئے الزام کا جواب بھی دلواتا ہے۔

خود کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں:

He had been certain that he had been send simply as a "Warner" to his own tribe and that `Islam was only for the people of mecca. (Muhammad P# 92, 93)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ محض اپنے قبیلے کیلئے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) صرف اہلِ مکّہ کیلئے پیغمبر ہیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 66)

اگر چہ یہاں کیرن آرمسٹرانگ نے اپنی صلیبی عصبیت کا کھلا اور جارحانہ استعمال کیا مگر ضرورت سے زیادہ ہوشیاری بھی لے ڈوبتی ہے۔ اس میں اتنا تو انہوں نے مان ہی لیا کہ پیغمبر اسلام کو اپنے نبی ہونے کا یقین تھا۔

مزید آگے لکھتی ہیں:

To reassure Muhammad, Khadija consulted her cousin waraqah, the hanif, who had studied the scriptures of the people of the book and could give them expert advice. Waraqah was jubilant: 'Holy! Holy!' He cried, when he heard what had happened. 'If you have spoken the truth to me, O Khadijah, there has come to him the great divinity. Who come to Moses aforetime, and lo, he is the prophet of his people. The next time Waraqah met Muhammad in the Haram; he kissed him on the forehead and warned him that his task would not be easy .Waraqah was an old man and likely to live much longer, he wished he could be alive to help Muhammad when the qurraysh expelled him from the city. Muhammad was dismayed. He could not conceive of a life outside Mecca. Would they really cast him out? He asked in dismay. Waraqah sadly told him that a prophet was without honor in his own country. (Muhammad P# 47, 48)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دینے کی خاطر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے حنیفی کزن ورقہ بن نوفل سے مشورہ کیا جو اہل الکتاب کے صحائف کا مطالعہ کر چکا تھا اور ماہرانہ رائے دے سکتا تھا۔ ورقہ بن نوفل بہت خوش ہوا اور کہنے لگا اے خدیجہ! اگر تم نے مجھے سچ بتایا ہے تو ان پر بھی وہی الوہیت وارد ہوئی ہے جو ماضی میں موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی تھی اور دیکھو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے لوگوں کے پیغمبر ہیں۔ اگلی مرتبہ جب ورقہ بن نوفل حرم میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملا تو آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور خبردار کیا کہ آپ کا کام آسان نہیں ہوگا۔ ورقہ ایک ضعیف آدمی تھا اور اس کی

زندگی زیادہ باقی نہیں تھی لیکن اس نے خواہش ظاہر کی کہ جب قریش آپ کو شہر سے نکال دیں گے تو وہ آپ کی مدد کر سکے۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشویش ہوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے باہر زندگی کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ ورقہ نے بڑی آزردگی کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا کہ پیغمبروں کو ہمیشہ اُن کے وطن میں بے آبرو ہونا پڑا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 31)

ورقہ بن نوفل بھی جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیغمبر ہیں مگر پیغمبر نہیں جانتے کہ وہ پیغمبر ہیں۔ کیرن آرمسٹرانگ اگر ذرا بھی غور کرتیں تو انہیں اس بات کا احساس ہو جاتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس جانا اس لئے نہیں تھا کہ آپ جانتے نہیں تھے کہ آپ نبی ہیں بلکہ یہ اس لئے تھا کہ تاکہ ورقہ بن نوفل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر دیں۔

یہ ورقہ بن نوفل کون تھے؟ اور اصل واقعہ کیا ہے؟

ورقہ بن نوفل

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک چچازاد بھائی تھے جن کا نام ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ تھا۔ یہ اُن چند لوگوں میں سے تھے جو بت پرستی سے دِل برداشتہ ہو کر تلاشِ حق میں گرد و نواح کے ممالک میں چلے گئے تھے۔ وہاں جا کر ورقہ نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ آپ عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے۔ انہوں نے انجیل کو عبرانی رسم الخط میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کی عمر کافی زیادہ ہو گئی تھی۔ بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی گویا نہ ہونے کے برابر۔ حضرت خدیجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر ورقہ کے پاس آئیں اور انہیں کہا:

اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔

ورقہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا فرمایئے! آپ کو کیا نظر آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سارا ماجرا اُن سے بیان کیا۔

یہ سُن کر ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (جبرئیل) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتارا تھا۔ اے کاش! میں اُس وقت جوان ہوتا، اے کاش میں اُس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا جی ہاں! جو شخص بھی اِس قسم کی دعوت لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں، لوگوں نے اُس سے دشمنی کی۔ اگر مجھے آپ کا وہ دن دیکھنا نصیب ہوا تو میں آپ کی پر زور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے۔ جلد ہی انتقال فرما گئے۔

پیغمبرِ اسلام اور خوف

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے واپس تشریف لائے اور غارِ حرا میں قیام کے دوران پہلی وحی نازل ہوئی اُس حوالے سے مس کیرن انصاف و تحقیق کا قتل کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

Afterwards he found it almost impossible to describe the experience that sent him running in anguish down the rocky hillside to his wife. It seemed to him devastating presence hade burst in to the cave where he was sleeping and gripped him in an overpowering embrace squeezing all the breath from his body. In his terror, Muhammad could only thing that he was being attacked by a jinni, one of the fiery spirits who haunted the Arabian steppes and frequently one lured travelers from the right path .The jinn also inspired the birds and soothsayers of Arabia. One poet described his poetic vocation as a violent assault; his personal jinni had appeared to him without any warning , thrown him to the ground and forced the verses from his mouth .So ,when Muhammad heard the curt command "Recite!" he immediately assumed that he too had become possessed. "I am no Poet" he played but his assailant simply crushed him again, until - just when he thought he could bear it no more- he heard the first words of a new Arabic scripture pouring, as if unbidden, from his lips. (Muhammad P# 21, 22)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تجربے کو بیان کرنا تقریباً ناممکن پایا جب آپ لرزاں وخیزاں پہاڑی سے اتر کر اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تھے۔ آپ کو لگا تھا کہ ایک پُر جلال اور ہیبت ناک ہستی اس غار میں گھس آئی تھی جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ اس ہستی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زور سے اپنے ساتھ بھینچا تھا۔ ہیبت زدگی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا کہ شاید کسی جن نے حملہ کیا تھا۔ یہ جن ناری روحیں تھیں جو اکثر عریبیہ کی ستپیوں پر منڈلاتے اور گاہے بگاہے مسافروں کو راہ سے بھٹکاتے رہتے تھے۔ جنات نے گویّوں اور عریبیہ کے فال گیروں کو بھی فیض بخشا تھا۔ ایک شاعر نے اپنی شاعرانہ کیفیت کو زبردست حملے کے طور پر بیان کیا، اس کے ذاتی جن نے بلا انتباہ اسے زمین پر پھینک دیا اور اشعار زبردستی اس کے منہ سے نکلوائے۔ چنانچہ جب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے 'پڑھو!' کا حکم سنا تو یہی سمجھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی جن وارد ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا 'مَیں شاعر نہیں ہوں' لیکن حملہ آور ہستی نے آپ کو دوبارہ بھینچا اور یہ عمل برداشت سے باہر ہو گیا تو نئے عربی صحیفے کی ابتدائی الفاظ خود بخود اپنے لبوں سے جاری ہو گئے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 11,12)

پھر اسی عزم پر قائم کہ یہ وحی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خیالات ہیں اور آپ مایوس ہو گئے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ جن نے اُن پر کیسے قابو پالیا اور یہ کیوں ہوا؟ تخیل کے گھوڑے کو یوں دوڑاتی ہیں:

When he escaped from the cave and run headlong down this slopes of mount Hira', he was filled with despair. How could Allah have allowed him to become possessed? The Jinn where capricious; they were notoriously unreliable because they delighted in leading people astray. (Muhammad P# 22)

غار سے باہر نکلنے اور کوہِ حرا کی ڈھلانوں سے نیچے اترنے کے بعد آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ایک مایوسی نے گرفت میں لے لیا اللہ انہیں کسی جن سے کیسے مغلوب کر سکتا تھا؟ جنات متلون مزاج تھے وہ لوگوں کو بھٹکانے کی وجہ سے بدنام طور پر ناقابلِ اعتبار تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو کس قسم کی خواہش تھی، آپ کیا چاہتے تھے؟ بقول کیرن (معاذاللہ) 'آپ تو جن کے زیر اثر تھے' لفظوں کی فن کارانہ کاریگری اور یہودیت، عیسائیت کے حق ہونے کا ڈھنڈورا اس انداز میں پیٹتی ہیں:

They situation in Mecca was serious. His tribe didn't need to dangerous guidance of a Jinni. They needed the direct intervention of Allah, who had always been a distant figure in the past, and who, many believed, was identical with the God worshiped by Jews and Christians. (Muhammad P# 22)

مکہ میں حالات کشیدہ تھے۔ اُن کے قبیلے کو ایک جن کی خطرناک رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اللہ کی براہِ راست مداخلت کے خواہش مند تھے جو ماضی میں ہمیشہ ایک رسائی سے باہر ہستی رہا تھا اور بہت سوں کو یقین تھا کہ اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کا معبود خدا ہی تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

پیغمبر اسلام پر مایوسی کا الزام

کیرن آرم مسلسل اس کوشش میں مصروفِ عمل ہیں کہ کسی طرح وحی کو جن کا اثر، مایوسی کی کیفیات ثابت کردیں، لکھتی ہیں:

When Muhammad came to himself, he was so horrified to think, after all his spiritual striving, that he had simply been visited by a Jinni that he no longer wanted to live. In despair, he fled from the cave and started to climb to the summit of the mountains to flings himself to his death. (Muhammad P# 46)

حواس بحال ہونے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت خوف زدہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا کسی جن نے حملہ کیا ہے اور اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ اسی مایوسی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار سے باہر نکلے اور پہاڑی کی چوٹی کی جانب چڑھنے لگے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 30)

غار سے واپسی پر کیا ہوا، اس بارے میں لفظوں کی آوارگی کا اظہار یوں کرتی ہیں:

Terrified and still unable to comprehend what had happened, Muhammad stumbled down the mountainside to Khadijah. By the time he reached her, was crawling on his hands and knees, shaking convulsively. 'Cove me!' he cried, as he flung himself into her lap. Khadijah wrapped him in a cloak and held him in her arms until his fear abated. She had no doubts at all about the revelation. This was no jinni, she insisted. God would never play such a curl trick on a man had honestly tried to serve him. (Muhammad P# 47)

ہنوز خوف اور بے یقینی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہاڑی سے نیچے اُترے اور حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بُری طرح کانپ اور لرز رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا، 'مجھے چادر اُڑھادو!' حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک جُبّے میں لپیٹا اور اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خوف دور ہوگیا۔ حضرت خدیجہ کو وحی کے متعلق شبہ نہ تھا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ یہ کوئی جن نہیں ہوسکتا تھا خدا کسی ایسے شخص کے ساتھ یہ ظالمانہ حرکت نہیں کرسکتا تھا جو نہایت ایمانداری سے اُس کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 30,31)

کیرن صاحبہ کی اس بات پر غور فرمایئے۔ حضرت خدیجہ کو تو وحی کے متعلق شبہ نہیں لیکن جس شخصیت پر وحی نازل ہورہی ہے وہ شبہے میں ہیں۔ کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ کی خدمت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر نبی ہی کو اپنی نبوت کا یقین نہیں ہوگا تو پھر کس کو ہوگا؟ مگر اُن کی تو سوچ ہی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہی نہیں ہوئی

بلکہ وہ کسی جن کے زیر اثر تھے اور یہ بھی انہوں نے اپنے تخیل کی پرواز سے نتیجہ اخذ کیا ہے اِس پر دلیل انہوں نے کوئی نہیں دی۔ اور دعویٰ بلا دلیل باطل ہوتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ہر اُمتی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبی کی نبوت پر ایمان لائے اسی طرح ہر نبی پر بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لے آئے۔ اگر نبی کو اپنی نبوت پر یقین محکم نہ ہوگا تو وہ دوسروں کو کیونکر اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دے سکے گا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

أمن الرسول بما انزل الیه من ربه و المومنون (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۸۵)

ایمان لایا یہ رسول (کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس (کتاب) پر جو اُتاری گئی

اس کی طرف اُس کے ربّ کی طرف سے اور (ایمان لائے) مومن۔

اُمتیوں کو تو یہ ایمان اپنے نبی کی دعوت اور اس کو عطا کیے گئے معجزات دیکھنے کے بعد ہوتا ہے لیکن نبی کے دل میں اپنی نبوت کا عرفان منجانب اللہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ کسی دلیل اور معجزے کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ کافی عرصہ رہے۔ جب آپ اپنے اہل و عیال سمیت حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے رخصت ہوئے تو وادیِ سینا سے گزر رہے تھے، سخت سردی کے دن تھے۔ آپ نے دور کہیں آگ جلتی دیکھی وہاں گئے تاکہ آگ لے آئیں، خود بھی تاپیں اور اپنے اہل و عیال کیلئے بھی حرارت کا سامان مہیا کریں۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فلما اتاہا نودی یا موسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی

و انا اخترتک فاستمع لما یوحی (سورۂ طہٰ۔ آیت ۱۱،۱۳)

پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں پس تو اُتار دے اپنے جوتے بیشک تو طوی کی مقدس وادی میں ہے اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کیلئے) سو خوب کان لگا کر سُن جو وحی کیا جاتا ہے۔

اس آواز کو سننے سے موسیٰ علیہ السلام جن کو اپنی نبوت کا علم تھا، کو اپنے منصبِ رسالت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔

تو وہ ذاتِ بابرکت جس کو نزولِ وحی سے پہلے کئی علامات اور نشانات دکھانے کا سلسلہ شروع کردیا گیا تھا، انہیں اپنی رسالت کے بارے میں کیسے کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ مکّہ سے باہر جاتے ہیں، وادیوں سے گزرتے ہیں تو راستے میں موجود درخت وپتھر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر اپنی نیاز مندی کا نذرانہ پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ہر شب جو خواب دیکھتے ہیں صبح کی روشنی کی طرح دوسرے دن اس کی تعبیر ہو بہو سامنے آجاتی ہے۔ ایسی ذات پر جب ایسا مقدس کلام نازل ہوا ہو گا تو روح کو جو تازگی اور قلب کو جو مسرت ہوئی ہو گی اس کا صحیح اندازہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر کوئی اور کون لگا سکتا ہے؟

کیرن آرمسترانگ کا اعتراف

خود کیرن آرمسٹرانگ اعتراف کرتی ہیں:

Qur'an helps them to slow down their mental processes and enter a different mode of consciousness.

The American scholar Michael sells describes what happens when the driver of a hot, crowded bus in Egypt plays a cassette of Qurani recitation: "A meditative calm begins to set in. people relax. The jockeying for space ends. The voices of those who are talking grow quieter and less strained .Others are silent, lost in thought. A sense of shared community overtakes the discomfort.
(Muhammad P# 59)

قرآن کی خوب صورت اور تشبیہاتی زبان اور نغمگی نے انہیں اپنے ذہنی عوامل میں دھیما پن لانے اور شعور کے ایک مختلف انداز میں داخل ہونے میں مدد دی۔

امریکی محقق Michael Sells نے بیان کیا ہے کہ جب مصر میں ایک کھچا کھچ بھری بس میں ڈرائیور نے تلاوت کی کیسٹ لگائی تو کیا واقعہ پیش آیا: ایک مراقباتی طمانیت چھاگئی، لوگ پُرسکون ہوگئے، جگہ حاصل کرنے کی تگ و دو ختم ہوگئی، باتیں کرتے ہوئے لوگوں کی آواز مدھم اور شائستہ ہوگئی۔ دیگر لوگ خاموش، سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے مشترکہ بھائی چارے کے احساس نے بے چینی پر غلبہ پالیا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 40)

کیرن آرمسٹرانگ نے جو وحی کے حوالے سے پیغمبر اسلام کی مایوسی سے متعلق جو واقعہ نقل کیا ہے اور اس میں جو اپنے تخیل کی آمیزش کی ہے اس اصل واقعہ کو قارئین کے سامنے پیش کرتا چلوں۔

بخاری شریف میں اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے، اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی، جو خواب بھی حضور دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہوتی۔ پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی گئی اور آپ غارِ حرا میں خلوت اختیار فرمانے لگے۔ آپ وہاں متعدد دنوں تک عبادت کرتے رہتے، جب تک اپنے اہل کا اشتیاق نہ ہوتا اور اس کیلئے توشہ لیجاتے تھے۔ پھر خدیجہ کے پاس تشریف لاتے اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی جبکہ آپ غارِ حرا ہی میں تھے۔ اس طرح کہ فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا پڑھیے آپ نے فرمایا، میں نہیں پڑھتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دبوچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے۔ میں نے کہا، میں نہیں پڑھتا، تو اس نے مجھے پھر پکڑا دوسری بار طاقت بھر مجھے دبوچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھیے تو مَیں نے کہا میں نہیں پڑھتا،

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مجھے پکڑا اور تیسری بار مجھے طاقت بھر دبوچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اپنے اُس پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا (سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں مالم یعلم تک) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ اس حالت میں لوٹے کہ آپ کا دل دھڑک رہا تھا (دونوں شانوں اور گردن کا درمیانی حصہ کانپ رہا تھا) اور خدیجہ بنت خویلد کے پاس پہنچ کر فرمایا مجھے کپڑا اُڑھاؤ تو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کپڑا اُڑھایا یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گھبراہٹ دور ہوگئی۔ اس کے بعد خدیجہ کو پورا واقعہ بتا کر اُن سے کہا میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں۔ اِس پر خدیجہ نے عرض کیا ایسا ہرگز نہ ہوگا (آپ کو بشارت ہو) بخدا اللہ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں اور سچ بولتے ہیں (اور لوگوں کا بار اُٹھاتے ہیں) اور لوگوں کو وہ چیز (مال، اخلاق وغیرہ) عطا فرماتے ہیں جو اُن کے پاس نہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدیجہ اپنے ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی کے پاس گئیں۔ ورقہ زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے عبرانی اور (عربی) لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی اور (عربی) میں لکھا کرتے تھے جتنا اللہ کو منظور ہوتا اور اُس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔ اُن سے خدیجہ نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے برادر زادے کی بات سنئے تو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ورقہ نے پوچھا اے برادر زادے! آپ نے کیا دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بتایا۔ اِس پر ورقہ نے حضور سے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر اُتارا تھا کاش کہ ان دنوں میں طاقتور جوان ہوتا کاش کہ اُس وقت میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا جی ہاں! جب بھی کوئی شخص آپ کی طرح شریعت لے کر آیا تو اُس سے دشمنی کی گئی، اُسے ستایا گیا، اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ورقہ کی وفات ہوگئی۔ (نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری، از شریف الحق امجدی، جلد اوّل صفحہ 238 مطبوعہ فرید بکسٹال لاہور)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوف کیا تھا؟ کیرن صاحبہ نے اسلام دشمنی میں اندھے تعصب کی بنا پر اس حقیقت کو وحی کے بجائے جن کا اثر اور اُس جن نے آپ پر حملہ کر دیا تھا اور اس سبب سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوف میں مبتلا تھے، بیان کیا۔ اگر کیرن صاحبہ نے انسانی نفسیات کا مطالعہ تو دور کی بات اگر مشاہدہ بھی کیا ہوتا تو وہ کبھی بھی یہ اعتراض نہیں کرتیں کیونکہ اگر کوئی انسان کسی جگہ اس قدر ڈر جائے کہ اسے یہ محسوس ہو کہ کسی جن وغیرہ نے اُس پر حملہ کیا ہے تو وہ کبھی بھی بسبب خوف اس جگہ نہیں جائے گا لیکن آپ سیرت کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہا وہاں

عبادت کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ کیرن صاحبہ اگر تھوڑا سا غور کرتیں اور تعصب کی عینک اُتار کر دیکھتیں تو اُن کو اصل کیفیت اظہر من الشمس ہو جاتی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیة الله (سورۃ الحشر۔ آیت ۲۱)

اگر ہم نے اُتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے

کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے۔

پہاڑ اس کی ہیبت سے ریزہ ریزہ ہونے لگتے ہیں تو جب اس کا نزول اس حساس قلب پر ہوا ہوگا جس کو اس کلام جلالت شان کا سب سے زیادہ احساس تھا تو اُس قلب پر خوف و رقت کا معاملہ کیسا ہوگا؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر ان حالات میں بے چینی و اضطراب کا پیدا ہونا حیران کن نہیں بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باعثِ تعجب ہوتا۔

اس پر علماء کرام نے مفصل گفتگو کی ہے مگر ہم یہاں صرف چند ایک اقوال نقل کریں گے۔

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امر عظیم کی ذمہ داریوں کو آپ پوری طرح انجام نہ دے سکیں اور وحی کے اس بارِ گراں کے متحمل نہ ہو سکیں۔

(ضیاء النبی، جلد دوم صفحہ 194 بحوالہ عمدۃ القاری جلد، اوّل صفحہ 68)

دوسرا یہ کہ کہیں شہید نہیں کر دیا جاؤں۔ اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مردانِ خدا، راہِ خدا میں جان دینے سے نہیں ڈرتے پھر کیسے ممکن ہے کہ سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات سے ڈر جائیں۔ اس کا جواب یوں دیا کہ ڈر جان کا نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ شہادت سے پیغام ربانی کی تکمیل نہ ہو پائے گی۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

و لهم علی ذنب فاخاف ان یقتلون قال کلا (سورۃ الشعراء۔ آیت ۱۴)

اور (تو جانتا ہے کہ) اُن کا میرے ذمّہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے

اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔

ڈر اور بائبل کی روایات

ڈر اور خوف کے حوالے سے اگر کیرن آرمسٹرانگ نے بائبل کی درج ذیل عبارتیں بھی پڑھ لی ہوتیں تو وہ کبھی خواب میں بھی پیغمبر اسلام پر یہ اعتراض کرنے کا نہ سوچتیں۔ کیرن کے اس اعتراض نے یہودیت اور عیسائیت کی روح کو پامال کر ڈالا۔ بائبل میں ہے:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا

تب موسیٰ ڈرا اور کہا کہ یقیناً یہ بات ظاہر ہو گی۔ (باب خروج آیت 15 صفحہ 66)

قبطی کے قتل کے سبب اپنی جان جانے کا خوف اس لئے تھا کہ جو خدمت سپرد کی جا رہی ہے وہ انجام نہیں دے پاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ڈرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے بائبل میں یہ واقعہ بھی قابل غور ہے:۔

ان واقعات کے بعد خداوند ابرام کے ساتھ رویاء میں ہم کلام ہوا اور کہا کہ اے ابرام مت ڈر میں تیری سپَر ہوں اور تیرا اجر عظیم ہوں گا۔ (تکوین باب 15 آیت 1)

پادری میتھو ہنری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں، خدا نے اُسے پریشان ہونے اور گھبرانے سے خبردار کیا اے ابرام تو مت ڈر صیون کے گنہگار ڈریں اور گھبرائیں مگر اے ابرام تو مت ڈر۔ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 69)

حضرت لوط علیہ السلام کا ڈرنا بائبل کی روشنی میں

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق یہی بائبل لکھتی ہے، اور لوط صوعر سے نکل کر پہاڑ پر جا رہا اور اُس کی دونوں بیٹیاں اُس کے ساتھ تھیں کیوں کہ صوعر میں رہنے سے وہ ڈرتا تھا۔ (تکوین باب 19 آیت 30)

اس کی تفسیر میں پادری میتھو لکھتا ہے، اپنی رہائی کے بعد لوط ایک بڑی مشکل اور مصیبت میں پڑ گیا۔ اُسے ضُغر میں بستے ڈر لگا شاید اس لئے کہ اُس نے دیکھا کہ یہ شہر بھی سدُوم کی طرح بدکار ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہاں زیادہ دیر جان بچی نہ رہے گی۔ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 89)

حضرت اسحاق علیہ السلام کا ڈرنا بائبل کی روشنی میں

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں بائبل بیان کرتی ہے، اور وہاں سے وہ بیئر شابع گیا جہاں خداوند اُسی رات اُس پر ظاہر ہوا اور کہا، میں تیرے باپ ابراہیم کا خدا ہوں۔ نہ ڈر کیونکہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ (تکوین باب 26 آیت24)

حضرت زکریا علیہ السلام کا ڈرنا بائبل کی روشنی میں

کتاب لوقا میں ہے، تب اس کو خداوند کا ایک فرشتہ لوبان کی قربان گاہ کے دہنی طرف کھڑا ہوا دکھائی دیا اور زکریا دیکھ کر گھبرایا اور اُس پر دہشت چھاگئی مگر فرشتے نے اُس سے کہا اے زکریا نہ ڈر۔ (لوقا باب 1 آیت11,12,13)

کیا کہیں گی مس کیرن آرم سٹرانگ بائبل کی ان عبارتوں کے متعلق؟

بوقتِ وحی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیفیت

وحی کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیفیت کیا ہوتی تھی علامہ سیّد محمود احمد رضوی بخاری شریف کی شرح میں رقم طراز ہیں:

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ صلصلۃ الجرس والی وحی مجھ پر بہت زیادہ سخت ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو اس کی شدت سے جاڑوں میں آپ کی پیشانیِ اقدس سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرے ڈھلکنے لگتے۔

صحابہ کرام کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسمِ مبارک بھاری ہو جاتا۔ اگر آپ کسی سواری پر ہوتے تو وہ بیٹھ بیٹھ جاتا۔ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں ایک دفعہ آپ پر وحی آئی اور میرا پاؤں زانوئے مبارک کے نیچے دبا تھا مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے پس جائے گا۔

یعلی بن اُمیہ کہتے ہیں کہ وحی کی حالت میں آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا۔

عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مضطرب ہوتے، چہرہ کا رنگ بدل جاتا، آپ سرِ اقدس جھکا لیتے۔ صحابہ بھی اپنے سر نیچے کر لیتے۔ وحی کے بعد آپ سر اُٹھاتے۔ (فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری جلد اول صفحہ 71 مطبوعہ مکتبہ رضوان)

اسی حدیث پر ایک ضعیف شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کے کہنے پر یہ کیوں فرمایا 'ما انا بقاری' میں نہیں پڑھتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس قدر مستغرق تھے کہ کسی اور کی وہاں گنجائش ہی نہیں تھی۔

علامہ شریف الحق امجدی اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں فرمایا: لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل۔ اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس میں ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ مشاہدۂ ذات و صفات میں استغراق تام کی وجہ سے قرأت کی استدعا کا جواب یہی بنتا ہے 'میں نہیں پڑھتا'۔ (نزہۃ القاری جلد اول صفحہ 247)

تین بار سینے سے لگا کر دبایا کیوں؟ اس بارے میں لکھتے ہیں، بار بار سینے سے لگا کر دبانے سے استغراق میں کمی ہوئی۔

تو جبرئیل نے عرض کیا:

اقراء باسم ربک   اپنے ربّ کے نام سے پڑھئے۔

جب یہ سنا کہ میں جس عالم میں تھا اسی کی بات یہ کر رہے ہیں جس کے شہود میں مستغرق تھا اسی کا ذکر کرانا چاہتے ہیں تو بلا تامّل پڑھا، کسی کے استغراق کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اُسے جھنجھوڑا جائے۔ ایک بار میں استغراق ختم نہ ہو تو بار بار جھنجھوڑا جائے، یہاں جھنجھوڑنا منافیٔ ادب تھا۔ اسلئے سینے سے لگا کر تین بار قوت بھر دبایا یہاں تک کہ وہ کیفیتِ خاص فرو ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا تکلف پڑھا۔ (نزہۃ القاری جلد اول صفحہ 247,248)

کیرن آرمسٹرانگ کی پوری کوشش یہ ہے کہ کسی طرح وحیِ الٰہی کو محض خواب کر دیں اور اس کیلئے وہ اخلاقی طور پر کسی بھی حد تک جانے کیلئے تیار ہیں۔

اپنے تخیل کو حقیقت سے قریب تر کرنے کیلئے جبرئیل امین کے متعلق اس طرح لکھتی ہیں:

But his assailant simply crushed him again, until just when he thought he could bear it no more- he heard the first words of a new Arabic scripture pouring, as if unbidden, from his lips. (Muhammad P# 21, 22)

لیکن حملہ آور ہستی نے آپ کو دوبارہ بھینچا اور یہ عمل برداشت سے باہر ہو گیا تو نئے عربی صحیفے کے ابتدائی الفاظ خود بخود لبوں سے جاری ہو گئے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

اس علمی خیانت پر کیا کہا جائے اور انصاف کی حرمت کو پامال کرنا تو مستشرقین کا اہم ہتھیار ہے۔

آدھے سچ اور آدھے جھوٹ کے ساتھ تخیل کی پرواز پر قلمی عیاری و مکاری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتی ہیں:

When Muhammad came to himself, he was so horrified to think, after all his spiritual striving, that he had simply been visited by a Jinni that he no longer wanted to live. In despair, he fled from the cave and started to climb to the summit of the mountains to flings himself to his death .But there he had another vision. He saw a mighty being that filled the horizon and stood "Gazing at him, moving neither forward nor backward. He tried to turn away, but, he said afterwards. Towards whatever region of the sky I looked, I saw him as before it was the sprite (rub) of revelation, which Muhammad would later call Gabriel. But this was no pretty, naturalistic angel, but a transcendent presence that defied ordinary human and spatial categories.

(Muhammad P# 46, 47)

حواس بحال ہونے پر آپ نہایت خوفزدہ ہوئے۔ آپ نے سوچا کے کسی جن نے حملہ کیا ہے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اسی مایوسی کے عالم میں آپ غار سے نکلے اور پہاڑی کی چوٹی کی جانب چڑھنے لگے لیکن تب ایک اور رویاء دیکھا۔ ایک مہیب ہستی نے اُفق پر غلبہ پالیا اور آگے یا پیچھے کوئی حرکت کئے بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتی رہی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واپس مڑنا چاہا لیکن بعد میں بتایا، میں آسمان پر جس طرف بھی نگاہ ڈالتا وہی ہستی سامنے ہوتی۔ یہ الہام کی روح تھی جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل کہا لیکن یہ کوئی عام فطرت پسندانہ فرشتہ نہیں بلکہ ایک ماورائی موجودگی تھی جسے عام انسانی اور مکانی حدود میں رکھ کر نہیں دیکھا جاسکتا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 30)

مزید آگے لکھتی ہیں:

Revelation cannot be described in simple manner, and complexity of his experience made Muhammad very cautious of telling anybody about it. After the experience on Mount Hira', there were more vision -we do not know exactly how many - and then Muhammad's dismay, the divine voice fell silent and there were no further elevations.... It was a time of great desolation. Had Muhammad been deluded after all? Was the presence simply a mischievous jinni? Or had God found him wanting and abandoned him? For two long years, the heavens remained obdurately closed. (Muhammad P# 49)

الہام کو سیدھے سادے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور اپنے تجربے کی پیچیدگی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بارے میں بات کرنے کے حوالے سے نہایت محتاط بنادیا۔ کوہِ حرا والے تجربے کے بعد مزید رویا پیش آئے۔ ہمیں اُن کی درست تعداد معلوم نہیں۔ پھر الوہی آواز خاموش ہوگئی مزید وحی نہ آئی۔ یہ بڑی مایوسی کا دور تھا۔ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکا ہوا تھا؟ کیا ظاہر ہونے والی ہستی محض ایک شریر جن تھا؟ یا کیا خدا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منہ موڑ لیا تھا؟ دو سال تک آسمان کے دروازے بند رہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 32)

کیرن آرم اسٹرانگ نے بخاری شریف کی اس حدیث پر جو باب بدء الوحی کے آخر میں ہے، اس کا نچوڑ بیان کر دیا۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

کچھ عرصے کیلئے نزولِ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا جس سے حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام از حد غمگین ہوئے۔ کئی بار پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس لئے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے پھینک دیں۔ جب بھی اس خیال سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہاڑی کی کسی چوٹی پر پہنچتے تو جبرئیل سامنے نظر آنے لگتے اور یہ کہتے: یا محمد انک رسول اللہ حقا اے محمد! آپ بلاشبہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ سن کر حضور کے دل کو قرار آتا اور جبرئیل کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس چلے آتے۔ پھر جب کچھ وقت گزر جاتا اور وحی کا سلسلہ منقطع رہتا

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر بے چین اور مضطرب ہو کر پہاڑ کی کسی چوٹی کا رخ کرتے تا کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں۔ جبرئیل پھر نمودار ہو کر وہی تسلی آمیز جملہ دہراتے۔ (بخاری شریف، کتاب التعبیر)

اس طرح مس کیرن کہنا یہ چاہتی ہیں:۔

- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مایوس ہو کر خود کشی کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کیلئے آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے۔ (نعوذ باللہ)
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ نبی ہیں یا منصبِ نبوت پر فائز ہیں (حالانکہ ورقہ بن نوفل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے ہیں) آپ اس اضطراب میں مبتلا تھے کہ کہیں آپ کے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو گیا۔ یا یہ کسی جن کی کارستانی تو نہیں تھی؟
- اور یہ محض خواب تھے اور کچھ نہیں۔

عزیزانِ گرامی! کیرن آرم کے دوسرے وسوسے کا جواب ہم پچھلے صفحات پر دے چکے۔

بخاری شریف کی جو حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے اس کو پڑھ کر غالباً مستشرقین اور اسلام دشمن عناصر اس شبہ کو تقویت دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے بارے میں کامل یقین نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شک وشبہ میں مبتلا تھے کہ آیا وہ نبی ہیں بھی یا نہیں اور اس وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار اپنی زندگی کا چراغ گل کرنے کا ارادہ کر کے پہاڑ کی کسی چوٹی پر پہنچتے اور حضرت جبرئیل کو نمودار ہو کر روکنا پڑتا اور انک رسول اللہ حقا کہہ کر شک وشبہ سے نجات دلانی پڑتی۔

احبابِ من! یہ اتنا کمزور شبہ اور شک ہے کہ اس کو کوئی عام پڑھا لکھا آدمی جسے تھوڑی سی بھی سوجھ بوجھ ہو گی اس کو ہرگز اہمیت نہیں دے گا، اس لئے کہ ایک عام اُمتی خواہ کسی بھی نبی کا ہو اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اپنے نبی کی نبوت پر یقین نہ ہو۔ اسی طرح نبی پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لائے (کیرن آرم کے اس اعتراض کا جواب ہم گزشتہ صفحات پر دے چکے ہیں) اس لئے ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کیونکر تصور کر سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ مانا کہ عرصے تک وحی کے رُک جانے سے حزن وملال اور اضطراب کا پیدا ہونا فطری بات ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری فترۃ الوحی کے تحت لکھتے ہیں، کچھ عرصے کیلئے نزولِ وحی کا سلسلہ رک گیا۔ کان، سروش غیب کی لذتوں سے آشنا ہو چکے ہیں۔ روح اس پیغام کی لطافتوں کا مزا چکھ چکی ہے۔ دلِ بے قرار کو اُن پیارے پیارے جملوں میں سکون واطمینان کا ایک گراں بہا خزانہ مل گیا ہے۔ غارِ حرا کا خلوت نشین اس لطیف عمیم کیلئے سراپا انتظار ہے۔ وہ لمحہ اب کب آتا ہے جب محبوبِ حقیقی کی دل نواز صدا فردوسِ گوش بنے گی۔ روح کو قرار اور دل کو چین نصیب ہو گا۔ کئی راتیں گزر گئی ہیں، کئی دن بیت گئے ہیں لیکن وہ سعادت آگیں گھڑی دوبارہ نہیں آئی۔ معلوم نہیں وہ قاصد فرخندہ فر، کب آئیگا اگر وہ نہ آیا تو پھر کیا ہو گا، اس جانِ حزیں پر کیا گزرے گی، دلِ مضطرب کا کیا حال ہو گا۔ (ضیاء النبی جلد دوم صفحہ 209

لیکن ذرا غور فرمایئے کہ کیا اِس حال میں نبی کا ظرف اتنا چھوٹا اور حوصلہ اتنا تنگ ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات پر مایوس ہو جائے اور مایوس بھی اتنا کہ زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دینے لگے۔

اس روایت کے حوالے سے پیر صاحب، شیخ محمد فاروق ابراہیم عرجون کی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں، اس روایت کے بارے میں سیر حاصل بحث تو فضیلۃ الشیخ محمد الصادق ابراہیم عرجون نے اپنی کتاب 'محمد رسول اللہ' میں کی ہے جو تقریباً سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے حق تو یہ ہے کہ انہوں نے اس بحث کا حق ادا کر دیا ہے یہاں اس کو من و عن نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں البتہ اُن کی بحث کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا اُمید ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کے شبہات کا مکمل طور پر ازالہ ہو جائے گا۔

بحث کا آغاز وہ اپنے اس پُر جلال جملہ سے کرتے ہیں۔ یعنی یہ فقرے جو بدء الوحی کی حدیث کے ساتھ باہر سے چسپاں کر دیئے گئے باطل ہیں۔ کھوٹے اور مردود ہیں اور اس کی کئی وجوہات ہیں:۔

پہلی وجہ:۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو علومِ حدیث کے ماہر اور سنتِ نبویہ مطہرہ کے ائمہ کے سردار ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس بلاغ کی نسبت معمر کی طرف ہے یا زہری کی طرف، یہ مرفوع نہیں ہے درمیان میں دو یا تین واسطوں کا ذکر تک نہیں۔ معلوم نہیں یہ کس قسم کے لوگ تھے یہ تسلیم کہ معمر اور زہری خود ثقہ ہیں۔ ان کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے لیکن جن لوگوں سے انہوں نے یہ روایت نقل کی ہے اُن کا نام تک بھی نہیں لیا گیا تا کہ ہم تحقیق کر کے ان کے بارے میں فیصلہ کر سکیں کہ یہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ثقہ راوی ہمیشہ ثقہ راوی سے ہی روایت کرتا ہو کبھی غیر ثقہ راویوں سے بھی ثقہ راوی روایت کرتے ہیں۔ اس احتمال نے روایت کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا ہے اس لئے یہ حدیث ضعیف ہو گی۔ لکھتے ہیں،

کبھی ثقہ غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی نظر میں ثقہ ہوتا ہے لیکن دوسرے علماء کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔ اور اس کی روایت قابلِ قبول نہیں۔

یہ روایت زیادہ سے زیادہ امام زہری کی مرسلات میں سے ہوگی اور ان کی مرسلات کے بارے میں علماء جرح و تعدیل نے طویل گفتگو کی ہے۔ ان کی مرسلات پر تنقید کرنے والوں میں یحیٰ بن سعید قطان پیش پیش ہیں اور یہ یحیٰ علماء ناقدین کے امام ہیں۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام زہری کی قوتِ حافظہ بے نظیر تھی۔ اس کے باوجود وہ معصوم نہ تھے۔ شیخ عرجون فرماتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے اس بلاغ کو قابلِ اعتبار تسلیم کر بھی لیا جائے تو حدیث کی صحت کیلئے اتنا ہی کافی نہیں بلکہ سند کی صحت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا متن بھی صحیح ہو اور متن کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کے اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ ٹکراتا نہ ہو۔

چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں، سند کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی شرط ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ وہ حدیث ایسے راویوں سے مروی ہو جو ثقہ اور ضابط ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متن بھی صحیح ہو یعنی ایمان کے وہ اصول جو ائمہ دین کے نزدیک متفق علیہ ہیں ان اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ یہ متن ٹکرانہ رہا ہو اور ان قوی دلائل کے مخالف نہ ہو۔

جب علماء حدیث کے نزدیک صحتِ حدیث کیلئے یہ تسلیم شدہ اصول ہے تو پھر یہ روایت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ اس معیار پر پوری نہیں اُترتی کیونکہ اس سے عصمتِ انبیاء کا عقیدہ مجروح ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بار بار حالتِ مایوسی میں پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اس ارادہ سے جانا کہ اپنے آپ کو گرا کر زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ العیاذ باللہ حضور کو اپنی نبوت پر ایمان راسخ نہیں تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کی اُجلی چادر پر اس سے زیادہ سیاہ داغ اور کیا لگایا جا سکتا ہے۔

دوسری وجہ:۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ فترۃ وحی کے بارے میں جو روایت مرفوعاً حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ حدیث ہم امام بخاری کے حوالے سے اس بحث کی ابتدا میں نقل کر آئے ہیں، آپ اس پر دوبارہ ایک نظر ڈال لیجئے آپ کو اس قسم کا کوئی اشارہ بھی وہاں نہیں ملے گا۔

مرفوع حدیث، مرسل حدیث سے یقیناً راجح ہوتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی امام زہری کے واسطہ سے مروی ہے۔ ہمارے سامنے امام زہری کی دو روایتیں ہیں ایک مرفوع متصل اور دوسری مرسل اور مقطوع۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ ان میں سے آپ کس کو ترجیح دیں گے یقیناً مرفوع متصل کو ہی آپ ترجیح دیں گے اور اس میں اس واقعہ کے بارے میں اشارۃً بھی کہیں ذکر نہیں۔ اگرچہ شیخ عرجون نے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں اور ان کی ہر دلیل بڑی بصیرت افروز اور ایمان پرور ہے لیکن میں انہیں دلائل کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اُمید ہے قارئین کرام پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی ہوگی کہ وہ روایت جس میں پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا دینے کے ارادے کا ذکر ہے پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے قابلِ اعتنا ہیں۔

فترۃ وحی کے زمانے سے مراد یہ ہے کہ اس عرصہ میں وحی کا نزول نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بارگاہِ رسالت میں جبرئیل امین کی آمدورفت کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اس میں حکمت یہ تھی کہ پہلی وحی کے نزول کے وقت جو رعب اور ہیبت طاری ہوگئی تھی اس کا اثر زائل ہو جائے نیز دوبارہ وحی کے نزول کیلئے ذوق وشوق اپنے عروج پر پہنچے۔ (ضیاء النبی جلد دوم صفحہ 212 تا 214)

کیرن آرم اسٹرانگ کے ذہن میں دوسرا شبہ یہ پیدا ہوا کہ یہ محض خواب ہیں۔

رویاء کیا ہے؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟

علامہ سیّد محمود احمد رضوی صاحب نے رویاء کے حوالے سے اپنی شرح میں ایک سیر حاصل گفتگو کی ہے ہم اسی کو یہاں نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ واضح ہو کہ رویاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) باطلہ (۲) حقہ۔

پھر رویائے باطلہ سات قسم پر ہے:۔

- حدیثِ نفس: وہ باتیں جو آدمی اپنے نفس سے کہتا رہتا ہے خواہ وہ کسی چیز کے منصوبے ہوں یا کسی چیز کی آرزوئیں۔ اسی کو عربی میں اضغاث اور فارسی میں پریشان خواب کہتے ہیں۔
- تحذیر شیطان: جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اگر بیدار ہو کر آدمی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے تو مضرت رساں نہیں ہوتے۔
- حلم: یعنی خواب میں جماع کرتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھنا جو موجبِ غسل ہوتا ہے اور اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔
- ساحری: جو کسی جن یا انسان کے سحر کی وجہ سے نظر آتا ہے۔
- شیطانی: وہ خواب جو شیطان دکھائے۔
- خلطی: جو اخلاط اربعہ میں سے کسی ایک کے غالب ہونے سے نظر آتا ہے مثلاً سوداؔ کے غلبہ سے قبریں۔ سیاہی۔ صفرا کے غلبہ سے آگ، چراغ، خون وغیرہ۔ بلغم کے غلبہ سے سپیدی۔ پانی۔ موجیں وغیرہ۔ دوم کے غلبہ سے مشروبات۔ پھول۔ آلاتِ مزامیر وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔
- وجعی: جو ایسے زمانے میں نظر آئے جس میں دیکھنے والا موجود تھا اور اس کو بیس سال کا عرصہ گزر گیا ہو۔

رویائے حقہ پانچ قسم پر ہے:۔

- شاہدی: وہ خواب جس کی صحت پر شاہد ہو جو شر کے خیر اور خیر کے شر ہونے پر دلالت کرے، جیسے کوئی دیکھے کہ مسجد میں طنبورہ بجارہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بے حیائی کی باتوں سے اور برے افعال سے توبہ کرے گا یا کسی نے دیکھا کہ حمام میں قرآن پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ کسی بُرے کام میں مشہور ہوگا اور اس پر شاہد یہ ہے حمام ستر کھلنے کی جگہ ہے اور جہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور مسجد میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔
- مرمرزہ: وہ خواب جس میں تعبیر کی طرف اشارہ ہو جیسے کسی نے فرشتہ کو دیکھا کہ وہ کہتا ہے کہ تیری بیوی تیرے فلاں دوست کے ذریعہ تجھ کو زہر پلانا چاہتی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ یہ دوست اس کی بیوی سے زِنا میں مبتلا ہوگا۔ اس خواب میں تعبیر کی طرف اشارہ یوں ہے کہ جیسے زہر پوشیدہ طور پر کھلایا جاتا ہے اسی طرح زنا بھی مخفی طور پر کیا جاتا ہے۔
- ملکی: وہ خواب جو ملکِ رویا کے توسط سے ہو جن کا نام صدیقوں ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی میں اشیا نظر آتی ہیں اسی طرح صدیقین نورِ الٰہی کی روشنی میں اشیا کی معرفت کرتے ہیں، دنیوی اور اُخروی خیر و شر کی تلقین کرتے ہیں، گذشتہ یا آئندہ عمل خیر کی بشارت دیتے ہیں، گذشتہ معصیت یا آئندہ معصیت پر ڈراتے ہیں اگر ڈراونا خواب دکھائیں تو اسی وقت ہو جاتا ہے تاکہ دیکھنے والا مغموم نہ رہے اور اگر مسرور کن خواب دکھائیں تو چند دنوں کے بعد ظاہر ہوتا ہے تاکہ اس وقت تک دل مسرور رہے۔
- صالحہ: جو اللہ عزوجل کی طرف سے بشارت ہوتا ہے۔
- صادقہ ظاہرہ: وہ خواب جس کی تعبیر نہیں ہوتی بلکہ وہ خود اپنی تعبیر ہوتا ہے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا رویا جس کو قرآن نے بیان کیا۔ یٰا بنی انی اری فی المنام یا حضور علیہ السلام کا وہ رویاء جو سورہ فتح میں مذکور ہے جس کو یوں بیان فرمایا گیا۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق الخ یہ ہی رویاء یعنی صادقہ ظاہرہ نبوت کے ۱۴۶ جزاء میں سے ایک جز ہے اور یہ رویاء صرف انبیاء کرام کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ عام انسانوں کو بھی نظر آجاتا ہے۔

مزید آگے لکھتے ہیں، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پاکیزہ خواب بھی نبوت کا جزو ہیں اور اس اتفاق کی بنیاد قرآن حکیم کے فیصلے پر ہے۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے محض خواب کی ہدایت پر ہی ذبح فرزند کا اہتمام فرمایا تھا اور اللہ عزوجل نے ان کے اس اقدام کو غلط نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کی مدح فرمائی۔ اس سے واضح ہوا کہ خواب جزوِ نبوت نہیں ہوتا تو نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبح فرزند کا قصد کرتے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تحسین ہوتی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ انی اری فی المنام میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں اس پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جواب دیا: یا ابت افعل ما تو مر جو آپ کو حکم ملا ہے اس کو کر ڈالیے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا جواب بھی اس امر کی تصریح کر رہا ہے کہ وہ خود بھی خواب کو حکم ربانی سمجھتے تھے۔ ورنہ اگر خالی اپنے والد کی اطاعت مقصود ہوتی تو ان کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا افعل ما تریٰ کیجئے جو آپ مناسب سمجھیں لیکن انہوں نے یہ جواب نہیں دیا جس سے واضح ہوا کہ نبی کا خواب بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے جاگتے میں کوئی حکم ملا ہو۔ خوب یاد رکھئے کہ رویائے صالحہ اگرچہ نبوت کا جز ہیں لیکن غیر نبی کے رویائے صالحہ دین میں حجت نہیں ہوتے اور نہ اس سے کوئی شرعی حکم نافذ کیا جا سکتا ہے، نبوت کے بہت اجزا ہیں جو صالح اُمتیوں میں پائے جاتے ہیں مگر ان اجزا کا پایا جانا آدمی کو نبی نہیں بناتا۔ نبوت ایک وہبی چیز ہے جو اللہ عزوجل کی خاص عطا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ نبی میں حسنِ اخلاق اور متعدد ملکات کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ حسنِ اخلاق اور ملکات جس میں پائے جائیں وہ لازماً نبی ہو جائے۔

علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل تو کسی نبی کے مبعوث ہونے کا امکان تھا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پر تو اللہ عزوجل نے نبوت کو ختم کر دیا۔ آپ کے بعد تو کسی نبی کے پیدا ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو غیر نبی کے رویائے صالحہ دین یا شریعت بھی نہیں بن سکتے۔ (فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری جلد اول صفحہ 72 تا 74)

کیرن آرم اسٹرانگ نے اپنے پیش روؤں کی طرح اس بات کی کوشش گمان اور تخمینے کی پرواز کے سہارے کی کہ وہ کسی طرح قرآن حکیم کے بارے میں یہ ثابت کر سکیں کہ قرآن پاک میں جو قصص الانبیاء ہیں وہ بائبل سے لئے گئے ہیں جیسا کہ وہ لکھتی ہیں:

Like most Arabs of the time, he was familiar with the stories of Noah, Lot, Abraham, Moses, and Jesus. (Muhammad P# 22)

اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہانیوں سے واقف تھے۔ (پیغمبر امن، ص12)

کیرن کا یہ کہنا مشہور مستشرق جارج سیل کی اُس صدائے بازگشت کی صدا ہے جو اُس نے اپنی کتاب **The Koran** میں لکھا ہے:

Several of which stories or some circumstances of them are taken from the old and New Testament, but many more from the apocryphal books and traditions of the Jews and Christians of those ages, set up in the Koran.

قرآنِ حکیم میں بیان ہونے والی کئی کہانیاں یا اُن کے کچھ حالات عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ جدید سے لئے گئے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کہانیاں ان غیر مستند انجیلوں سے اور روایات سے لی گئیں ہیں جو اُس دور کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج تھیں۔ ان کہانیوں کو بائبل کے بیانات کے برخلاف حقائق کی شکل میں قرآن میں پیش کیا گیا ہے۔

(The Koran از جارج سیل نیویارک صفحہ48)

مزید آگے لکھتی ہیں:

He probably realized, at some deep level, that he had exceptional talent. (Muhammad P# 39)

غالباً آپ نے بہت گہرائی میں محسوس کر لیا تھا کہ آپ غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 25)

کہنا یہ چاہتی ہیں کہ اسی قابلیت کی بنیاد پر خود کو نبی قرار دے دیا جیسا کہ خود آگے لکھتی ہیں:

"Muhammad was also seeking a new solution. (Muhammad P# 45)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نئے حل کے متلاشی تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 29)

پھر وحی سے متعلق کیرن کے تخیل کی پرواز اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ لکھتی ہیں:

It was while he was making annual retreat on mount Hira in about the year six 6io that he experienced the astonishing and dramatic attack. The words that where squeezed, as if from the depths of his being, went to the root of the problem in Mecca. (Muhammad P# 45)

کوہِ حرا میں اپنی سالانہ عزلت نشینی کے ایک موقعہ پر ہی تقریباً 610ء میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حیرت انگیز اور مسحور کن تجربہ کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی ہستی کی گہرائیوں میں نچڑ کر آتے محسوس ہونے والے الفاظ مکہ میں مسئلے کی جڑ سے تعلق رکھتے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 29)

کیرن آرمسٹرانگ کہنا یہ چاہتی ہیں کہ پیغمبر اسلام پر وحی نہیں آتی بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے اندر سے یہ چیزیں ملتی تھیں۔ مشہور مستشرق منٹگمری واٹ (قرآنِ حکیم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذہنی اختراع قرار دیتے ہوئے) اسی طرز پر اپنے تخیل کی کاری گری دکھاتے ہوئے لکھتا ہے:

"He had a talent for administration that would have enabled him to handle the biggest operations then carried out in Mecca, but the great merchants excluded him from inner circle His own dissatisfaction made. Him more aware of the unsatisfactory aspects of life in Mecca. In these, hidden years, he must have brooded over such matters .Eventually what had been maturing in the inner depths was brought to light ".

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اتنی صلاحیت تھی کہ وہ مکہ میں اس وقت کے کسی بڑے سے بڑے کاروباری عمل کا انتظام سنبھال سکتے تھے لیکن مکہ کے بڑے تاجروں نے اُن کو کاروبار کے مرکزی حلقے سے خارج کر دیا تھا۔ ذاتی عدم اطمینان نے ان کو مکی زندگی میں بے چینی کے پہلوؤں سے آگاہ کر دیا۔ اپنی زندگی کے ان غیر معروف سالوں میں انہوں نے ان معاملات پر خوب غور کیا ہو گا، آخر کار جو جذبات اُن کے باطن کی دنیا میں پرورش پا رہے تھے اُن کو ظاہر کر دیا گیا۔

(ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 364 بحوالہ محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹمین صفحہ 13)

مزید آگے جارج سیل کی طرز پر کیرن لکھتی ہیں:

The Christian notion of last Judgment was central to the early message of the Quran. (Muhammad P# 61)

قرآن کے ابتدائی پیغام میں روزِ قیامت کا مسیحی تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 41)

مس کیرن کیوں کہ یہ جانتی ہیں کہ قرآن نے بہت سے انبیاء کا تذکرہ کیا اور آخرت کے عقیدے کو جو بیان کیا ہے وہ تو بائبل میں بھی ہے، اگر اس کو جھٹلایا تو بائبل جھوٹی کہلائے گی۔ لہٰذا اس کو نبھاتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہ واقعات مسیحیت سے اخذ کئے گئے ہیں۔

مس کیرن آرمسٹرانگ قرآنِ حکیم کو انسانی اختراع قرار دینے کیلئے دور کی کوڑی لاتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

Many Jews were friendly and Muhammad probably learned a great deal from them, but some of the people of the Book had ideas that he found very strange indeed. The idea of an exclusive religion was alien to Muhammad. (Muhammad P# 120)

متعدد یہودیوں سے دوستانہ تھا اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے کافی کچھ سیکھا، لیکن اہلِ کتاب کے کچھ نظریات کو آپ نے واقعی بہت عجیب و غریب پایا۔ ایک تخصیص پسند مذہب کا تصور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے اجنبی تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 87)

مستشرقین کا یہ انداز نیا نہیں، موصوفہ نے اپنے سابقہ پیش روؤں کی طرح سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ آپ نے جو قرآن دیا یہ الہامی نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کی اپنی اختراع ہے۔ کہیں اس بات پر قلم کی فن کاریاں دکھائیں کہ ایک حملہ آور ہستی نے آپ کو بھینچا اور یہ عمل جب برداشت سے باہر ہو گیا تو نئے عربی صحیفے کے ابتدائی الفاظ خود بخود لبوں سے جاری ہو گئے، یعنی کسی سحر کی زد میں ایسا ہوا۔ پھر اسی کو یوں تقویت دیتی ہیں:

Like most Arabs of the time ,he was familiar with the stories of Noah, Lot, Abraham, Moses, and Jesus and knew that some people expected the imminent arrival of an Arab Prophet. (Muhammad P# 22)

اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کی کہانیوں سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کچھ لوگ ایک عرب پیغمبر کے منتظر تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

یعنی (معاذاللہ) موقع غنیمت جانا اور نبوت کا اعلان کر دیا۔ پھر مزید آگے یہ بیان کر کے کہ یہ جو کچھ اسلام میں ہے یہ یہودیوں اور عیسائیوں سے لیا گیا ہے۔

مس کیرن یہ بھی بتادیتی کہ اہلِ عرب کو جس پیغمبر کا انتظار تھا اگر وہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نہیں تھے تو دوسرا کون ہے؟ اور کہاں ہے؟

قارئین کرام! تخیل کی اِس پرواز کا عالم یہ ہے کہ کہیں اس کو سحر زدہ قرار دینے کی کوشش، کہیں کوئی حملہ آور ہستی یا جن آپ پر مسلط ہوگیا، کہیں یہ عقائد و نظریات جو قرآن کے ابتدائی پیغامات ہیں بالخصوص روزِ قیامت سے متعلق بائبل سے اخذ کیے ہوئے ہیں اور کہیں اپنے تخیل سے اس پر زور دیا کہ یہ سب کچھ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا تھا۔ یہ بالکل وہی طرزِ عمل ہے جس کو مستشرق منٹگمری واٹ نے اپنایا۔

منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

"The earliest Passages of Quran show that it stands with the tradition of Judean-Christian monotheism with its conceptions of God the creator, of resurrection and judgment, and of revelation. In late passages the dependence on the Biblical tradition becomes even more marked, for they contain much material from the old and New Testament ".

قرآن کی ابتدائی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ خدائے خالق، بعث بعد الموت اور یومِ حساب کے نظریات کے لحاظ سے اسلام، یہودی اور عیسائی نظامِ توحید سے مطابقت رکھتا ہے۔ بعد کی آیات میں قرآن کا بائبل کی روایات پر انحصار اور بھی واضح نظر آتا ہے کیونکہ ان آیات میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا مواد کثرت سے موجود ہے۔

(محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹس مین، صفحہ 13)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکّہ کا ایک اُمّی شخص جس نے کبھی کسی مکتب میں کسی استاد سے کچھ پڑھنا لکھنا نہ سیکھا ہو اس نے بائبل سے تعلیم حاصل کرکے قرآن جیسی کتاب کیسے تیار کرلی۔ جیسا کہ کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:

In common with the majority of Arabs at this time, Muhammad could neither read nor write. (Muhammad P# 58)

اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح حضرت محمد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 39)

جب یہ ہی حقیقت ہے تو پھر بتانا پڑیگا ایسی شہرۂ آفاق کتاب اُس شخصیت نے کیسے لکھ ڈالی جن کو پڑھنا لکھنا تک نہیں آتا تھا اس بات کو ان مستشرقین نے ضرور سوچا ہوگا، اسی لئے کیرن آرمسٹرانگ ان خیالات سے گھبرا کر یہ جواب دیتی ہیں:

The word Qur'an means "recitation" It was not designed for private perusal. (Muhammad P# 58)

لفظ قرآن کا لغوی مطلب پڑھنا ہے۔ یہ نجی طور پر مطالعہ کیلئے نہیں تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 39)

منٹگمری واٹ اس کا جواب دیتے ہوئے یوں لکھتا ہے:

"Here there are various possibilities. He might have met Jews and Christians and talked about religions matters with them, there were Christian Arabs on the borders of Syria. Christian Arabs or Abyssinians from Yeman may have come to Mecca to trade or as slaves. Some of the nomadic tribes or clans were Christians, but may still have come to the annual trade fair at Mecca. There were also important Jewish groups settled at Medina and other places. Thus opportunities for conversation certainly existed. Indeed Muhammad is reported to have had some talks with Waraqah Khadijah's Christian cousin and during his life time his enemies tried to point to some of his contacts as the source of his revelation ".

اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ممکن ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور اُن کے ساتھ مذہبی معاملات پر گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ کچھ عیسائی عرب آباد تھے۔ ممکن ہے عیسائی عرب یا یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے یا غلام بن کر مکّہ آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل یا ان کی کچھ شاخیں بھی عیسائی تھیں، لیکن عیسائی ہونے کے باوجود ممکن ہے وہ مکّہ کے سالانہ تجارتی میلوں میں شرکت کرتے ہوں۔ مدینہ اور کچھ دوسری جگہوں پر یہودیوں کے کچھ اہم قبائل آباد تھے۔ لہٰذا ایسے عناصر سے گفتگو کے امکانات یقیناً موجود تھے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی حضرت خدیجہ کے عیسائی چچازاد ورقہ سے ملاقات کا بیان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زندگی میں آپ کے دشمنوں نے کچھ ایسے عناصر کے ساتھ آپ کے رابطوں کی طرف اشارہ کیا تھا جن کو اُن کے الہامات کا منبع قرار دیا جا سکتا تھا۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 366,367 بحوالہ محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹمین صفحہ 41)

احبابِ من! اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور جب دلائل نہ ہوں تو الزام اور بہتان اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔ کیا مستشرقین یہ بتا سکیں گے کہ وہ غلام جو عجمی تھے انہوں نے، یہودیوں اور عیسائیوں نے مل کر ایسی شاندار کتاب خود کیوں نہ لکھ دی جو اُن کو شہرت کی بلندی پر پہنچا دیتی۔ غالباً اسی چیز کو مسٹر منٹگمری واٹ نے بھانپ لیا اور جب وہ یہ بات ثابت کرنے میں ناکام ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے کس شخص سے اکتساب علم کیا؟ کس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے؟ جب وہ کسی ایسے انسان سے رابطے کو ثابت نہیں کر سکا جس نے آپ کو بائبل کی تعلیمات سے آگاہ کیا ہو تو بڑی عیاری سے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت عیسائی اور یہودی نظریات مکّہ اور جزیرۂ عرب میں جڑ پکڑ چکے تھے۔

اپنے اسی مفروضے کو یوں بیان کرتا ہے:

"The conclusion of this matter is that Muhammad received his knowledge of Biblical conceptions in general (as distinct from the details of some of the stories) from the intellectual environment of Mecca and not from reading or from the communication of specific individuals. Islam thus in a sense belongs to the Jews-Christian because it sprang up in a milieu that was permeated by biblical ideas.

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے بائبل کے نظریات کا علم (چند کہانیوں کی تفصیلات کو چھوڑ کر) مکہ کے ذہنی ماحول سے اخذ کیا تھا۔ یہ علم آپ نے کوئی کتاب پڑھ کر یا کسی مخصوص شخص کے ساتھ رابطے کے ذریعے حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لئے ایک لحاظ سے اسلام کا تعلق یہودی اور عیسائی روایت کے ساتھ ہے کیونکہ یہ دین اس ماحول سے ابھرا جس میں بائبل کے نظریات سمائے ہوئے تھے۔ (ایضاً)

قرآن کو جب غیر الہامی کتاب ثابت کرنے میں مستشرقین ناکام ہوگئے اور یہ بھی ثابت نہ کر سکے کہ پیغمبر اسلام نے یہ کتاب کن مصادر سے لی ہے تو ایک نیا انداز اپنایا اور قرآن کے مضامین پر تنقید شروع کر دی جیسا کہ کیرن صاحبہ لکھتی ہیں:

It has no apparent structure, no sustained argument or organizing.
(Muhammad P# 58)

قرآن کا کوئی بدیہی ڈھانچہ اور ترتیب نہیں۔ اس میں متواتر مدلل یا منظم انداز میں کسی موضوع پر بات نہیں کی گئی۔
(پیغمبر امن، صفحہ 39)

اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن دشمنی نے اتنا ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا کہ اپنی بات کی خود ہی تردید بھی کرتے ہیں۔ خود ہی اپنے قول کی نفی کرتے ہوئے آگے لکھتی ہیں:

They linked passages that initially seemed separates and integrated the different strands of the text, as one verse delicately qualified and supplemented others. (Muhammad P# 59)

بظاہر جدا جدا نظر آنے والی آیات آپس میں منسلک اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 39)

عزیزانِ گرامی! مستشرقین اپنی ان تحریروں سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ قرآن حکیم خدا کا کلام نہیں ہے۔ یہ کتاب معرضِ وجود میں کیسے آئی؟ اِس کا مصدر کیا ہے؟ اِس سوال کا جواب بھی محض اٹکل پچو ہی کی طرح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جو بات کہتے ہیں خود ہی اُس کی تردید بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

پیغمبر اسلام کی نبوت پر ایک اور اعتراض

مستشرقین قرآن حکیم کا منبع مصدر تلاش کرنے کی کوشش میں اپنے تخیل کو اس طرح دوڑاتے ہیں جیسے کوئی شخص صحرا میں بھٹک گیا ہو، کبھی اِس سمت اور کبھی اُس سمت۔ لا الیٰ ھولاء و لا الیٰ ھولاء ۔

کیرن آرمسٹرانگ نے بھی اپنی اس کتاب میں یہی سب کچھ کیا۔ کہیں کوئی جن آجاتا ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تخلیقی تخیل کو، کبھی قرآن کریم کی کڑیاں یہودیت اور نصرانیت سے ملانے لگتی ہیں اور جب ان کی یہاں بھی دال نہیں گلتی تو یہ پھر ایک اور نئی دور کی کوڑی یوں لاتی ہیں اور یہ بتانے کی ناکام کوشش کرتی ہیں کہ یہ وحی کا معاملہ یونہی نہیں تھا بلکہ اُس دور میں مکّہ کے حالات کچھ یوں ہوگئے تھے کہ لوگ غیر مطمئن تھے اپنی زندگی سے، ان حالات کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فائدہ اٹھایا۔ (نعوذ باللہ)

کیرن آرم اسٹرانگ لکھتی ہیں:

But some of the settled Arabs were becoming dissatisfied with this pagan pluralism ,and were attempting to create an indigenous, Arabian monotheism. Shortly before Muhammad received his first revelation, they had seceded from the religious life of the haram. It was pointless, they had told their tribesmen, to run round and round the black stone . Which could "neither see, nor hear, nor hurt, nor help?" Arabs, they believed, had "corrupted the religion of their father Abraham,' so they were going to seek the banifiyyab, his "pure religion. This was not an organized sect. these hanifs all despised the worship of the stone effigies and believed that Allah was the only god, but not all interpreted this conviction identically. some expected that an Arab prophet would come with a divine mission to revive the pristine religion of Abraham, others thought that this was unnecessary: people could return to the hanifiyyah on their own initiative, some preached the resurrection of the dead and the last Judgment,: others converted to Christianity or Judaism as an interim measure, until the din Ibrahim (the religion of Abraham) was properly established. The Hanifs had little impact on their contemporaries, because they where chiefly concerned with their own personal salvation. They had no desire to reform the social or moral life of Arabia, and their theology was essentially negative. Instead of creating something new, they simply withdrew from the mainstream. Indeed the world hanif may derive from the root HNF:"to run away from ." they had a clearer idea of what they did not want than a positive conception of spiritual restiveness in Arabia at the beginning of the seventh century, and we know that Muhammad had close links with three of the leading of the Mecca. Ubaydullah ibn Jhsh was his cousin and Waraqh ibn Nawafal was a cousin of Khadijah: both these men became Christians. The nephew of Zayd Ibn Amr,

who attacked the pagan region of Mecca so vehemently that he he was driven out of the city, become Muhammad moved in hanafi circles, and may have sahred Zayd's yearning for divine guidance. One day, before he had been expelled from Mecca, Zayd had stood beside the Kabah inveighing against the corrupt religion of the haram but suddenly, he broke,"Oh Allah!" cried, "if I knew how you wished to be worshipped, I would so worship you, but I don not know. (Muhammad P# 43, 44)

لیکن مستقل طور پر سکونت پذیر کچھ عرب اس بت پرستانہ کثرت پرستی سے غیر مطمئن ہو رہے تھے اور وہ ایک دیسی، عربی وحدانیت تخلیق کرنے کی کوشش میں تھی۔ پہلی وحی موصول ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم کی مذہبی زندگی سے الگ ہوگئے۔ آپ نے اپنے قبیلے والوں کو بتایا کہ حجرِ اسود کے گرد چکر لگانا بے معنی تھا جو کچھ دیکھنے سننے، نقصان پہنچانے یا مدد کرنے سے عاری تھا۔ انہیں یقین تھا کہ عربوں نے اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم کے مذہب کو بگاڑ دیا تھا لہٰذا وہ اُن کے خالص مذہب حنیفیہ کو کھوجنے جا رہے تھے۔ یہ ایک منظم فرقہ نہیں تھا۔ سب حنیفیوں نے پتھر کی شبیہوں کی پرستش سے بیزاری ظاہر کی اور یقین رکھتے تھے کہ اللہ واحد خدا تھا لیکن سبھی نے اس عقیدے کی تفسیر ایک ہی انداز میں نہ کی، کچھ کو امید تھی کہ ایک پیغمبر دینِ ابراہیمی کو بحال کرنے کیلئے اُلوہی مشن لے کر آئے گا۔ دیگر نے سوچا کہ یہ چیز غیر ضروری تھی لوگ اگر خود چاہتے تو حنیفیہ کی جانب واپس جاسکتے تھے۔ کچھ نے حشرِ اجساد اور روزِ قیامت کا پرچار کیا۔ دیگر نے دینِ ابراہیم قائم ہو جانے تک عبوری اقدام کے طور پر عیسائیت یا یہودیت قبول کرلی۔

حنیفی اپنے معاصرین پر بہت کم اثر و رسوخ رکھتے تھے کیونکہ اُن کی توجہ کا مرکز ذاتی نجات تھی۔ انہیں عرب کی سماجی یا اخلاقی زندگی میں اصلاح لانے کی کوئی خواہش نہ تھی اور الٰہیات بنیادی طور پر منفی تھی۔ وہ کوئی نئی چیز تخلیق کرنے کی بجائے محض مرکزی دھارے سے الگ ہوگئے۔ در حقیقت حنیف کا مادہ حنف ہے یعنی منہ موڑ لینا۔ وہ اپنی منزل کے ایک اثباتی تصور سے زیادہ یہ سلبی تصور رکھتے تھے کہ انہیں کیا نہیں چاہئے تھا لیکن یہ تحریک ساتویں صدی کے آغاز پر عرب میں روحانی کاہلی کی علامت تھی اور ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مکہ کے تینوں سرکردہ حنیفیوں سے قریبی روابط رکھتے تھے۔ عبید اللہ ابن جحش آپ کا کزن اور ورقہ بن نوفل (حضرت خدیجہ کا کزن) یہ دونوں حضرات عیسائی ہوگئے تھے۔ زید ابن عمرو کا بھتیجا (جو مکہ کے بت پرست مذہب پر شدید تنقید کرنے کے باعث شہر بدر ہوا) حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے قریب ترین پیروکاروں میں شامل ہوا۔ چنانچہ لگتا ہے کہ آپ حنیفی حلقوں میں میل جول رکھتے تھے اور شاید زید ہی کی طرح الوہی راہنمائی کے متمنی ہوں گے۔ مکہ سے نکالے جانے سے ایک روز قبل زید نے کعبہ کے قریب کھڑے ہو کر حرم کے بگڑے ہوئے مذہب کے متعلق شکایت کی لیکن اچانک وہ بول اُٹھا، اے اللہ! اگر میں جانتا کہ تو کس انداز میں اپنی عبادت کئے جانے کا خواہش مند ہے تو میں تیری عبادت کرتا لیکن مجھے وہ انداز معلوم نہیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 29,28)

قرآن حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرنے کیلئے نہ جانے کیا کیا جتن کر رہے ہیں مگر ناکامی ہے کہ قدم بہ قدم ساتھ ساتھ ہے۔ بہکی بہکی باتوں کا یہ عالم ہے کہ مستشرقین کو یہ احساس بھی نہیں کہ اُن کی باتیں کتنی کھوکھلی اور بے وزن ہیں۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، قرآنِ حکیم ایک عالمگیر پیغام ہے اور اس کا خطاب صرف مکّہ کے عربوں سے نہیں بلکہ ہر دور اور ہر علاقے کے انسان سے ہے۔ قرآنِ حکیم ہر دور کے انسان سے اس کی ذہنی سطح اور اُس کے معتقدات کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ کفارِ مکّہ کے نزدیک سب سے بڑا کمال زبان دانی تھا۔ اُن کے شاعر، ادیب، قصہ گو اور خطیب معاشرے کے بڑے باکمال افراد شمار ہوتے تھے اس لئے اُن سے خطاب کرتے وقت قرآنِ حکیم نے اس کی زندگی کے اس شعبے کو پیشِ نظر رکھا۔ قرآن ان سے کہہ رہا ہے کہ یہ کلام تمہارے سامنے ہے تم اپنی زبان دانی کی بنیاد پر اس کی ادبی خوبیوں کو سمجھ سکتے ہو۔ ذرا سوچو! جن لوگوں کی مادری زبان ہی عربی نہیں وہ اس کتاب کی تصنیف کیلئے کیسے معاونت کر سکتے ہیں۔

زبان دانی پر اِترانے والے عربوں کے سامنے قرآن حکیم نے اپنی ادبی خوبیوں کو بطور چیلنج پیش کیا لیکن قرآنِ حکیم کے کمالات صرف اس کی ادبی خوبیوں تک محدود نہیں بلکہ یہ علوم و معارف کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ قانون دان کو اس میں حیران کن قانونی موشگافیاں نظر آتی ہیں سیاستدان اس سے سیاست کے زریں اُصول اخذ کرتا ہے۔ جرنیل کو اس سے جنگی حکمت عملی وضع کرنے میں مدد ملتی ہے۔ طبیب کو اس کے صفحات میں پھیلے ہوئے بے شمار طبّی نسخے نظر آتے ہیں۔ صوفی کو اس میں راہِ سلوک میں راہنمائی کا سامان میسر آتا ہے اور سائنسدان کو قرآنِ حکیم میں انسانوں کو بلندیوں کی طرف مائل پرواز کرنے والی یہ دعوت نظر آتی ہے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب مبین نہ تاریخ کی کتاب ہے، نہ جغرافیے کی، نہ طب کی، نہ قانون کی، نہ تصوف کی اور نہ سائنس کی، بلکہ یہ تمام علوم کی کتاب ہے جس میں ہر علم کے ایسے اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن سے بہتر اُصول وضع کرنا کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے۔

مستشرقین کبھی بحیریٰ راہب کو، کبھی شام اور یمن سے مکّہ میں تجارت کیلئے آنے والے عیسائیوں کو اور مکہ کے سرداروں کے ہاں بے کسی کی زندگی گزارنے والے عیسائی غلاموں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معلّم قرار دیتے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے جو بات اہل مکہ سے کہی تھی ہم وہی بات مستشرقین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ علوم جو قرآنِ حکیم میں بیان ہوئے ہیں وہ بحیریٰ راہب کو حاصل تھے؟ کیا مکہ یا مدینہ میں مقیم یا باہر سے آنے والا کوئی اہلِ کتاب اُن علوم سے بہرہ ور تھا جو قرآنِ حکیم کی برکت سے بنی نوع انسان کو حاصل ہوئے ہیں؟

اگر بحیریٰ راہب یا دوسرا کوئی عیسائی یا یہودی اتنا بڑا عالم تھا تو اُسے خفیہ طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم کے ان بے مثال موتیوں سے بہرہ ور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں نہ وہ خود ایک عظیم کتاب تصنیف کر کے اور اس کی بنیاد پر ایک عالمی مذہب کی بنیاد رکھ کر اپنے نام کو زندہ جاوید بنانے کی طرف ہوا؟

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں اُن کی خدمت میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ وہ ذرا یہ وضاحت فرمائیں کہ قرآن حکیم کی وہ تعلیمات جو بائبل کی تعلیمات سے متصادم ہیں، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس نے سکھائی تھیں؟ جارج سیل صاحب فرمائیں گے کہ وہ تعلیمات آپ نے غیر مستند انجیلوں اور ان غلط روایات سے حاصل کی تھیں جو اُس زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں میں مشہور تھیں۔ ہم گزارش کریں گے کہ اُن غیر مستند انجیلوں کے مصنف کون تھے؟

انجیل برنباس کو تو عیسائی، مسلمانوں کی تصنیف کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں، ذرا یہ تو بتائیں کہ وہ انجیلیں جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استفادہ کیا تھا اُن کے مصنف کون تھے؟

مسلمان تو ان انجیلوں کے مصنف ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ انجیلیں اسلام سے پہلے کے دور میں تصنیف ہوئی تھیں۔ ہم جارج سیل صاحب اور اُن کے ہم نوا اور ہم مسلک لوگوں سے یہ بھی استفسار کریں گے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے عرب یہودیوں اور عیسائیوں میں جو غلط مذہبی روایات مروّج تھیں اُن کو رواج دینے کا ذمہ دار کون تھا؟ ظاہر ہے اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب کچھ طلوعِ اسلام سے پہلے ہو چکا تھا۔ عرب کے بت پرست بھی اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے کہ وہ خود علم کے میدان میں یہود و نصاریٰ کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتے ہیں۔

اس تمام بحث سے یہی واحد نتیجہ منتج ہوتا ہے کہ وہ انجیلیں جنہیں جارج سیل غیر مستند کہہ رہے ہیں وہ بھی عیسائیوں کے ایک طبقے کے ہاں معتبر تھیں اور وہ عقائد جن کو مستشرق مذکور غلط عیسائی عقائد کا نام دے رہے ہیں وہ عیسائیوں کی کثیر تعداد کے عقائد تھے۔

جارج سیل نے بے خبری میں یہ بات کہہ کر نصرانیت کے قصرِ رفیع کی بنیادیں ہلادی ہیں۔ درحقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیائے عیسائیت کئی طبقوں میں تقسیم ہوگئی تھی، طویل عرصہ ان میں باہم چپقلش رہی۔ ہر طبقے کی اپنی انجیلیں تھیں جو دوسری انجیلوں سے مختلف تھیں۔ آخرکار سینٹ پال کا طبقہ غالب آگیا اُن کے عقائد کو رواج حاصل ہوا اور اُن کے مقابلے میں دوسرے فرقے دب گئے۔ جو انجیلیں سینٹ پال عقائد کے مطابق تھیں اُن کو مستند قرار دے دیا گیا اور جو انجیلیں اس کے عقائد سے متصادم تھیں انہیں غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کے احکامات صادر کردیئے گئے۔ (ضیاء النبی صفحہ 370 تا 373)

مزید آگے لکھتے ہیں، ہم مستشرقین سے پوچھتے ہیں کہ اگر اناجیل کی کوئی بات تورات کے مطابق نظر آئے تو کیا وہ اس بنا پر انجیل کے کلامِ خداوندی ہونے کا انکار کردیں گے اور اسے تورات سے نقل شدہ کتاب قرار دیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انجیل میں اگر ایسی باتیں موجود ہوں جو سابقہ کتابوں میں بھی نظر آتی ہیں تو اس سے انجیل کے کلامِ خداوندی ہونے پر کوئی حرف نہ آئے اور اگر قرآنِ حکیم کی کوئی بات سابق صحفِ سماوی میں بھی نظر آجائے تو اُس کے کلامِ خداوندی ہونے کا انکار کرکے اُس کو سابقہ کتابوں کی نقل قرار دیا جائے؟

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورُسل پر جو کتابیں نازل فرمائی تھیں وہ حق تھیں، اُن سب کا پیغام ایک تھا، وہ سب ایک ہی آفتابِ حق کی نورانی کرنیں تھیں، اُن سب کی تعلیمات ایک جیسی تھیں لیکن ان کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی کسی دوسری کتاب کی نقل نہ تھی بلکہ ہر کتاب بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے اور رسول پر نازل فرمائی تھی۔

مستشرقین اگر کوئی ایک اُصول بنا کر اسے تمام الہامی کتابوں پر لاگو کریں تو انہیں قرآنِ حکیم پر اعتراض کرنے کا قطعاً کوئی موقعہ نہ ملے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مستشرقین قرآنِ حکیم پر اعتراض کرنے کیلئے جو اُصول وضع کرتے ہیں، اُن اصولوں سے وہ اُن کتابوں کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں جو اُن کے اپنے عقیدے کے مطابق منزل من اللہ ہیں۔ یہ دوغلی پالیسی نہ علم ہے اور نہ معروضیت۔ اس لئے ہم مستشرقین کے ان یک طرفہ فیصلوں کو تسلیم کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں۔ (ضیاء النبی صفحہ 385,386)

پیغمبر اسلام کے مرتبے پر اعتراض

پیغمبر اسلام کے مرتبے پر اعتراض کرتے ہوئے کیرن آرم عقلی صحرا کے میدانوں میں بھٹکتے ہوئے پھرایک نئی سمت کا رخ یوں کرتی ہیں:

HE BEGAN QUIETLY, speaking about his revelations to a small band of friends and family members, who became enthusiastic and sympathetic disciples, convinced that he was the long-awaited Arab prophet. But Muhammad realized that most of the Quraysh would find it well- nigh impossible to accept this. The messengers of Allah had all been towering figures, founding fathers of society. Some had even worked miracles. How could Muhammad measure up to Moses or Jesus? Quraysh had watched him growing up; they saw him going about his business in the market ,eating and drinking like everybody else. (Muhammad P# 53)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا مشن خاموشی سے شروع کیا آپ نے وحی کے متعلق دوستوں اور خاندانوں والوں کو بتایا جو پُرجوش اور ہمدرد شاگرد بن گئے تھے انہیں یقین تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی وہ عرب کے پیغمبر ہیں جس کا طویل عرصے سے انتظار ہورہا تھا لیکن آپ نے محسوس کیا کہ زیادہ تر قریش کیلئے یہ چیز قبول کرنا ناممکن تھا اللہ کے تمام پیغمبر دراز قامت شخصیات، معاشرے کے بانی مبانی ہوا کرتے تھے۔ کچھ ایک نے تو معجزات بھی دکھائے۔ آنحضرت حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کے ہم پلہ کیسے ہوسکتے تھے؟ قریش نے آپ کو جوان ہوتے دیکھا تھا انہوں نے آپ کو بازار میں کاروبار کرتے، باقی سب لوگوں کی طرح کھاتے پیتے بھی دیکھا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 35)

شانِ شہنشاہِ مرسلاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شمائلِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان انتہائی ارفع واعلیٰ ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو جو انفرادی فضیلتیں ملیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں اُن فضائل وکمالات کو یکجا کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفسِ رسالت میں اور جملہ انبیا نفسِ نبوت میں برابر ہیں۔

(محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر القرآن طباعت ۱۹۹۵ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ جلد اوّل صفحہ ۱۷۵)

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لا نفرق بین احد من رسلہ (پ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۸۵)

ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں۔

لیکن فضیلت ومرتبے میں آقائے دوجہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ سب سے بلند وبالا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (پ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۵۳)

یہ سب رسول ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں، اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفسِ رسالت میں اور جملہ انبیاء نفسِ نبوت میں برابر ہیں۔ لیکن فضائل وکمالات، مراتب ومقامات، معجزات وکرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں کسی کو ایک کمال سے متّصف فرمایا کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا۔ لیکن ایک ذاتِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو مظہر اتم ہے تمام کمالاتِ جلالیہ اور جمالیہ کی، جو مراتب وکمالات دیگر انبیاء ورُسل کو ایک ایک کر کے عنایت کیے گئے تھے وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے اور ان کے علاوہ ایسے بے شمار مراتب اور ان گنت معجزات بخشے جن میں کوئی نبی، کوئی رسول ہمسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری نوعِ انسانی بلکہ ساری کائناتِ زمینی اور آسمانی کیلئے نبی بنایا گیا۔ محدود وقت کیلئے نہیں بلکہ ابد تک کیلئے قرآن کریم جیسی کتاب ارزانی فرمائی۔ رحمۃ اللعالمین کے خطاب سے نوازا ختم نبوت و رسالت کا تاج زیبِ سر فرمایا۔ (محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر القرآن طباعت ۱۹۹۵ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ جلد اوّل صفحہ ۱۷۵)

اللہ ربّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کے مرتبے سے نوازا۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام کو خلّت عطا فرمائی۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔۔۔ عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کے عظیم المرتبت رتبہ پر فائز فرمایا۔۔۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا۔

شمائلِ نبوی بوجہ علم و فضل

آدم علیہ السلام کے فضائل بہت ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہ فضائل کمال بدرجہ اتم موجود ہیں۔

آدم علیہ السلام کیلئے ارشاد فرمایا:

وعلم آدم الاسماء کلھا (پ ۱۔ سورہ بقرہ آیت ۳۱)

اور سکھادیئے اللہ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام۔

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان بیان کی جارہی ہے اور شاگردِ ربانی فرمایا گیا۔
اور بلاشک وشبہ جس کی تعلیم کا اہتمام خود ربّ العالمین نے فرمایا ہو اس کے علم و فضل کا کیا عالم ہو گا۔

معلمِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ارشاد فرمایا:

ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون (پ ۲۔ سورہ بقرہ آیت ۱۵۱)

اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے۔

حضرت سلیمان و داؤد علیہ السلام کیلئے فرمایا:

ولقد آتینا داؤد و سلیمان علما (پ ۱۹۔ سورہ نمل آیت ۱۵)

اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد اور سلیمان کو علم۔

سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

وعلمک ما لم تکن تعلم (پ ۵۔ سورۃ النساء آیت ۱۱۳)

اور سکھادیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔

داؤد علیہ السلام کے فضل سے متعلق فرمایا:

ولقد آتینا داؤد منا فضلا (پ ۲۲۔ سورہ سبا آیت ۱۰)

بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی۔

حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

وکان فضل اللہ علیک عظیما (پ ۵۔ سورہ النساء آیت ۱۱۳)

اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

شمائلِ نبوی بوجہ رفعت وصداقت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے فرمایا:

انه کان صدیقا نبیا (پ۱۶۔ سورہ مریم آیت ۴۱)

وہ بڑا راست باز نبی تھا۔

حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

والذی جاء بالصدق (پ۲۴۔ سورہ الزمر آیت ۳۳)

اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی۔

حضرت اسحٰق ویعقوب علیہما السلام کی شانِ رفعت یوں بیان کی:

وجعلنا لهم لسان صدق علیا (پ۱۶۔ سورہ مریم آیت ۵۰)

ہم نے ان کیلئے سچی بلندی ناموری رکھی۔

فخرِ رفعت وصداقت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

و رفعنا لک ذکرک (پ۳۰۔ سورہ نشرح آیت ۴)

اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔

شمائلِ نبوی بوجہ بین الاقوامی مبلغ اعظم

حضرت نوح علیہ السلام کیلئے فرمایا:

انا ارسلنا نوحا الی قومه (پ۲۹۔ سورہ نوح آیت ۱)

بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔

بین الاقوامی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا (پ۹۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۸)

آپ فرمایئے اے لوگو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

شمائل نبوی بوجہ خلق عظیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلق کو یوں بیان فرمایا:

ان ابراهیم لاواه حلیم (پ۱۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۱۴)

بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ خلق یوں بیان فرمائی:

و انک لعلی خلق عظیم (پ۲۹۔ سورہ قلم آیت ۴)

اور بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

شمائل نبوی بوجہ صبر حلم

حضرت لوط علیہ السلام کیلئے فرمایا:

لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی اور آپ نے صبر کیا اسکو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

قالوا لئن لم تنته یا لوط لتکونن من المخرجین (پ۱۹۔ سورہ الشعراء آیت ۱۶۷)

وہ (غصہ سے) کہنے لگے اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔

نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول (پ۹۔ سورہ توبہ آیت ۱۳)

جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی صفتِ صبر کو یوں بیان فرمایا:

انا وجدناه صابرا (پ۲۳۔ سورہ ص آیت ۴۴)

بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا۔

فخر صبر و استقامت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

واصبر وما صبرک الا باللہ (پ۱۴۔ سورہ نحل آیت ۱۲۷)

اور صبر کیجیے اور آپ کا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

و اصبر لحکم ربک فانک باعیننا (پ۲۷۔ سورہ طور آیت ۴۸)

اور آپ صبر فرمایئے اپنے ربّ کے حکم سے بیشک آپ ہماری نظروں میں ہیں۔

اس دلآویز اور مسرت خیز جملے کی پہنائیوں کو کوئی اہل محبت ہی سمجھ سکتا ہے۔ عالم محبت کے یہ حسین فقرے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کس مقام ارفع واعلیٰ کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

شمائل نبوی بوجہ عظیم بت شکن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے فرمایا:

فجعلهم جذاذا (پ۱۷۔ سورۂ انبیاء آیت ۵۸)

پس انہیں کو (بتوں کو) ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

فخر بت شکن محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کو ریزہ ریزہ فرمایا اور ہمیشہ کیلئے بت پرستی کا خاتمہ فرمایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (پ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۱)

آگیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا۔

شمائل نبوی بوجہ فصاحت وبلاغت

حضرت ہارون علیہ السلام کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا:

واخی هارون هو افصح منی لسانا (پ۲۰۔ سورہ قصص آیت ۳۴)

اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام کمالِ فصیح تھے۔

منبع فصاحت وبلاغت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

سحر یؤثر (پ۲۹۔ سورہ مدثر آیت ۲۴)

وہ کلام تو جادو ہے جو اثر کرجاتا ہے۔

شمائل نبوی بوجہ رحمت وفضل

حضرت لوط علیہ السلام کیلئے فرمایا:

وادخلناہ فی رحمتنا (پ ۱۷۔ سورہ انبیاء آیت ۷۵)

اور ہم نے اسے داخل کر لیا اپنے (حریم) رحمت میں۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رحمت وفضل:

واخفض جناحک للمومنین (پ ۱۴۔ سورہ حجر آیت ۸۸)

اور مسلمانوں کو اپنے (رحمت) کے پروں میں لے لو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

و ما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (پ ۱۷۔ سورہ انبیاء آیت ۱۰۷)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔

شمائل نبوی بوجہ شان عبدیت

حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے ارشاد فرمایا:

نعم العبد انہ اواب (پ ۲۳۔ سورہ ص آیت ۴۴)

کیا اچھا بندہ ہے بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شدتِ عبادت پر شانِ عبدیت یوں بیان فرمائی۔

ما انزلنا علیک القرآن لتشقی (پ ۱۶۔ سورہ طٰہٰ آیت ۲)

اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کیلئے فرمایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند یعقوب علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ اے والد بزرگوار! ہماری مغفرت چاہو ہم تو جان بوجھ کر خطا کرنے والے ہیں تو یعقوب علیہ السلام نے اُن سے فرمایا جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

سوف استغفر لکم ربی انہ ھو الغفور الرحیم (پ۱۳۔ سورہ یوسف آیت ۹۸)

عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے ربّ سے بیشک وہی غفور رحیم ہے۔

کشورِ رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ نبوت یوں بیان فرمائی:

و لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ و استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (پ۵۔ سورہ النساء آیت ۶۴)

موسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے دعا کی۔ اس کو قرآن نے یوں بیان کیا:

قال رب اشرح لی صدری (پ۱۶۔ سورہ طہٰ آیت ۲۵)

اے میرے ربّ میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے بن مانگے فرمایا:

الم نشرح لک صدرک (پ۳۰۔ سورہ نشرح آیت ۱)

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام رِضائے الٰہی کیلئے عرض کرتے ہیں:

و عجلت الیک رب لترضی (پ۱۶۔ سورہ طہٰ آیت ۸۴)

اور میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں اس لئے حاضر ہو گیا ہوں میرے ربّ! کہ تو راضی ہو جائے۔

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

و لسوف یعطیک ربک فترضی (پ۳۰۔ سورہ والضحیٰ آیت ۵)

اور عنقریب آپ کا ربّ آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی:

ولا تخزنی یوم یبعثون (پ۱۹۔ سورہ الشعراء آیت ۸۷)

اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔

شافع روزِ جزا محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بن مانگے اس سے اعلیٰ عطا فرمایا۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ (پ۲۸۔ سورہ تحریم آیت ۸)

اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالٰی (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔

موسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا۔ دیدار الٰہی کی تمنا پر فرمایا:

لن ترانی (پ۹۔ سورہ اعراف آیت ۱۴۳)

تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

سیّدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

ما زاغ البصر وما طغی (پ۲۷۔ سورہ نجم آیت ۱۷)

آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔

نوح علیہ السلام کیلئے فرمایا:

رب انصرنی بما کذبون (پ۱۸۔ سورہ مومنون آیت ۲۶)

اے ربّ میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔

سیّدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

وینصرک اللہ نصرا عزیزا (پ۲۶۔ سورہ فتح آیت ۳)

اور اللہ آپ کی قوی مدد فرمائے گا۔

انبیائے کرام نمونہ حیات

قرآن کریم نے تمام انبیا کی زندگی کو انسانوں کیلئے نمونہ حیات قرار دیا:

لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ (پ۲۸۔ سورہ ممتحنہ آیت ۶)

بیشک (انبیائے کرام) ہی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی شیر خوارگی۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام کا لڑکپن۔۔۔ یعقوب علیہ السلام کا بڑھاپا اور صبر۔۔۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی فرماں برداری۔۔۔ داؤد علیہ السلام کا سوز و درد۔۔۔ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت۔۔۔ یوسف علیہ السلام کی بادشاہی۔۔۔ ہود علیہ السلام کی تجارت۔۔۔ خضر علیہ السلام کی عبادت۔۔۔ الیاس علیہ السلام کی صالحیت۔۔۔ عزیر علیہ السلام کی مسافرت۔۔۔ یونس علیہ السلام کی حمد و ثنائے الٰہی۔۔۔ لوط علیہ السلام کی شرم و حیا۔۔۔ حضرت یُسع علیہ السلام کا جہاد۔۔۔ ذوالکفل علیہ السلام کا صبر۔۔۔ یحییٰ علیہ السلام کا عشقِ الٰہی۔۔۔ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

لیکن اپنے حبیب کی ذات میں ان تمام خصائص وصفات کو اپنی اکمل اور اعلیٰ ترین صورت میں یکجا کر دیئے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ۲۱۔ سورہ احزاب آیت ۲۱)

بیشک آپ کی ذات (انسانوں کیلئے) بہترین نمونہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شیر خوارگی دیکھئے تو سب سے پہلے اپنے ربّ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے نظر آرہے ہیں۔۔۔ لڑکپن کی جولانیوں کو دیکھئے تو کفارِ مکّہ امین وصادق کے القاب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔۔ صبر و حلم دیکھنا ہو تو طائف کے میدان کو نگاہ کے سامنے لے آیئے عفوودرگزر کی مثال قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔ سلطنت کا حال دیکھئے تو پتھر کلمہ پڑھتے نظر آتے ہیں۔۔۔ درخت اشارے سے چلتے ہیں۔۔۔ چاند اشارے سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔۔۔ ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹ آتا ہے۔۔۔ تجارت کے اُصول و رموز کو دیکھئے تو حضرت خدیجہ گُن گاتی نظر آتی ہیں۔۔۔ عبادات کا عالم دیکھنا ہو تو ربّ کریم از خود فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن اسلئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔۔۔ کچھ آرام بھی کیا کریں۔۔۔ فصاحت و بلاغت دیکھنی ہو تو فصحائے عرب زانوئے تلمیذ تہہ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

غرض یہ کہ آپ کے خصائص و کمالات کو پھیلایا جائے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) انبیاء کی صفات ہیں۔۔۔ اور اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کی صفات و خصائص کو سمیٹو تو وہ تنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات و خصائص ہیں۔

داستانِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

یا بقول شخصے۔

حسن کے معیار پر پرکھی گئی یوسف کی شکل
اور حسن جس معیار پر پرکھا گیا وہ آپ ﷺ ہیں

پیغمبر اسلام کی بے بسی کا الزام

پھر اپنے اس تخیل کیلئے ایک دلیل اس طرح لائیں:

All this talk of revelation was out rageous! Muhammad had made the whole thing up. Why should he alone, of all the Quraysh, have received a divine message? "Muhammad was mad; he had led astray a jinni; he was a sorcerer, who lured young people away from their fathers Sunnah by magic arts. When he was asked to validate his claims by working by miracle-as Moses or Jesus done- he admitted that he was an ordinary mortal like themselves.

(MUHAMMAD P# 77)

وحی کے متعلق تمام گفتگو ناراضگی کا باعث تھی! سب کو آپ کا دعویٰ مسئلے کی وجہ نظر آیا۔ آخر تمام قریش میں سے ایک آپ کو الوہی پیغام کیوں موصول ہوا؟ آپ کو (نعوذ باللہ) مجنون اور جنات سے مغلوب قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ قریش نے آپ کو ساحر بھی کہا جو نوجوانوں کو ساحری کے ذریعے اپنے باپ داداؤں کی سنت سے گمراہ کرتا تھا۔ جب آپ کو اپنے دعوے سچ کرنے کیلئے ایک معجزہ دکھانے جیسا کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) نے کیا تھا، کا کہا گیا تو آپ نے انہی جیسا ایک عام انسان ہونا تسلیم کر لیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 53,54)

کیرن صاحبہ نے پوری توجہ اس بات پر صرف کر دی کہ آپ نبی نہیں تھے اگر نبی ہوتے تو کفار نے آپ سے معجزہ کا جو مطالبہ کیا تھا وہ پورا کر دیتے۔ جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے کیا تھا۔ آپ یہ معجزہ ادا کرنے میں ناکام رہے لہٰذا آپ نبی نہیں ہو سکتے اور آپ نے خود ہی یہ کہہ دیا کہ میں تمہاری طرح ہی عام انسان ہوں۔

کیرن آرم اسٹرانگ جس آیت کی جانب اشارہ کر رہی ہیں وہ یہ ہے:

و قالوا لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا ۔ اوتکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانہار خلٰلہا تفجیرا ۔ اوتسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ و الملٰئکۃ قبیلا ۔ او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء و لن نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتٰبا نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ۔ و ما منع الناس ان یومنوا اذ جاء ھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا (پ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۰ تا ۹۴)

اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کیلئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف بہہ رہی ہوں یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو

(بے نقاب کرکے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تعمیر) ہو جائے آپ کیلئے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ آپ اُتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرما دیں میرا ربّ (ہر عیب سے) پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی اُن کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالٰی نے ایک انسان کو رسول بنا کر۔

کفارِ مکہ کے مطالبات

کفارِ مکّہ نے درج ذیل مطالبات کئے۔

پہلا مطالبہ:

و قالوا لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا

اور کفار نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ۔

دوسرا مطالبہ:

او تکون لک جنة من نخیل و عنب فتفجر الانهار خلٰلها تفجیرا

یا (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کیلئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا۔

پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں بہہ رہی ہوں۔

تیسرا مطالبہ:

او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا

یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔

چوتھا مطالبہ:

او تاتی باللہ و الملٰئكة قبیلا

یا آپ اللہ تعالٰی کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کرکے) ہمارے سامنے لے آئیں

پانچواں مطالبہ:

او یکون لک بیت من زخرف

یا (تعمیر) ہو جائے آپ کیلئے ایک گھر سونے کا

چھٹا مطالبہ:

او ترقی فی السماء

یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔

کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی بھی ملاحظہ کیجیے کہتے ہیں کہ اگر آپ نے یہ چھ مطالبات پورے کر دیئے تب بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے۔

و لن نومن

بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔

ساتواں مطالبہ:

لرقیک حتی تنزل علینا کتٰبا نقرؤہ

آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ آپ اُتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔

آپ نے کفار مکّہ کے ان نادان مطالبات کے جواب میں فرمایا:

قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا

آپ فرمادیں میرا ربّ (ہر عیب سے) پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ) کا بھیجا ہوا۔

اس بات پر کیرن آرم اسٹرانگ کہتی ہیں کہ آپ نے انہی جیسا ایک عام انسان ہونا تسلیم کیا۔ (پیغمبر امن، 54)

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و ما منع الناس ان یومنوا اذ جاء ہم الہدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا

اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی اُن کے پاس ہدایت

مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر۔

قارئین کرام! قبل اس کے کہ میں مس کیرن کے اس اعتراض کا جواب دوں، مَیں مس کیرن آرم اسٹرانگ سے بھی یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اگر نبی کئی معجزات دکھادے لیکن کسی بھی سبب سے کوئی معجزہ نہ دکھائے تو آپ کی ڈکشنری میں وہ شخص نبی نہیں رہتا۔ تو آپ نن بھی رہی ہیں، عیسائیت سے آپ کا تعلق بھی ہے، بائبل کے ان حوالوں کے بارے میں کیا کہیں گی جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے مخالفین نے بڑھئی کا بیٹا اور عام آدمی گردانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں معجزہ دکھانے سے بھی انکار کیا۔

مقدس متی کی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے:۔

کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ اور اس کی ماں کا نام مریم اور اسکے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہودہ نہیں؟ اور کیا اُس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟ پھر یہ سب کچھ اس نے کہاں سے پایا؟ اور انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی لیکن یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا اور اُس نے ان کی بے اِعتقادی کے سبب وہاں بہت معجزے نہ کئے۔ (کلام مقدس، مقدس متیٰ باب 13 آیت 53 تا 57 مطبوعہ ابلاغیات مقدس پولوس 1999ء)

بائبل کی اس عبارت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر عہد میں نبی کے مخالفین اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں کہ 'کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں ہے کیا اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہودہ نہیں اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں پھر یہ سب کچھ اُس نے کہاں سے پایا'۔ (ایضاً)

بائبل کی اس عبارت کی تفسیر میں میتھیو ہنری کا منٹری رقم طراز ہیں اور پادری میتھیو کے یہ الفاظ صرف کیرن آرمسٹرانگ کیلئے ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے استشراق کیلئے بھی قابلِ توجہ ہیں۔ پادری صاحب لکھتے ہیں، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اپنے وطن میں ہے۔ اس کے اپنے ہم وطنوں نے ایک دفعہ اسے رَدّ کر دیا تھا لیکن وہ دوبارہ ان کے پاس آیا۔ خدا انکار کرنے والوں کو پہلی ہی دفعہ چھوڑ نہیں دیتا بلکہ بار بار پیشکش کرتا ہے اسے فطری طور سے اپنے وطن سے محبت تھی اس دفعہ بھی اسے پہلے کی طرح نفرت اور حقارت کے سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 157)

مزید آگے لکھتے ہیں، انہوں نے دو باتوں میں اس کی حقارت کی:۔

الف۔ اس کی رسمی تعلیم کی کمی انہوں نے اقرار کیا کہ اس میں حکمت ہے اور وہ بڑے بڑے کام کرتا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ 'اس میں یہ حکمت اور معجزے کہاں سے آئے؟' اگر وہ دانستہ اندھے نہ بنتے تو ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ اسے خدا کی مدد حاصل ہے اور خدا نے مامور اور مقرر کیا ہے اس لئے وہ تعلیم پائے بغیر غیر معمولی حکمت اور قدرت کے ثبوت دیتا ہے۔

ب۔ اس کے رشتہ داروں کی قربت اور پست حالی 'کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟' اس میں کیا حرج تھا؟ دیانت دار پیشہ والے آدمی کا بیٹا ہونے میں سبکی اور کم قدری کی کوئی بات نہیں۔ یہ بڑھئی داؤد کے گھرانے کا تھا۔ وہ ابنِ داؤد تھا بڑھئی ضرور تھا مگر عزت دار شخص تھا۔ کچھ تاریکی کے فرزندیسی کی شاخ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے وہ اس کی ماں کے حوالے سے اس کی بے قدری کرتے ہیں 'کیا اس کی ماں کا نام مریم نہیں؟' یہ ایک عام سا نام تھا وہ سب اسے جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایک معمولی شخص ہے۔ اس بات کو انہوں نے یسوع کیلئے حقارت بنا دیا گویا انسان کی قدر و قیمت سوائے بڑے بڑے

القابات کے اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی قدر و قیمت لگانے کے کیسے گھٹیا معیار ہیں! وہ اس کے بھائیوں کے حوالہ سے اس کی بے قدری کرتے ہیں وہ ان کے ناموں سے واقف تھے، وہ اچھے اور نیک آدمی تھے مگر غریب تھے اسلئے حقیر تھے اور ان کی خاطر مسیح بھی حقیر ہے۔ 'کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟' اس وجہ سے تو چاہئے تھا کہ وہ اس کی زیادہ عزت کرتے اس سے زیادہ محبت رکھتے کیونکہ وہ انہی میں سے تھا مگر اسی وجہ سے انہوں نے اسے حقیر جانا۔ انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔ (ایضاً صفحہ 157)

معجزات نہ دکھانے کا سبب پادری صاحب کی نظر میں

پادری میتھیو مزید آگے معجزے نہ دکھانے کا سبب یوں بیان کرتے ہیں، اس بات نے فی الوقت اس کے ہاتھ باندھ دیئے 'اس نے ان کی بے اعتقادی کے سبب سے وہاں بہت سے معجزے نہ دکھائے۔' بے اعتقادی مسیح کی عنایات کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے چنانچہ اگر ہمارے درمیان معجزے نہیں ہوتے تو وجہ ہمارے ایمان کی کمی ہے، مسیح کے فضل اور قدرت میں کوئی کمی نہیں۔ (ایضاً صفحہ 158)

یہاں کیا کہیں گی مس کیرن آرم اسٹرانگ ایک بات جو عیسائیت کے یہاں درست ہو، دلیل ہو، سچائی ہو وہی بات اسلام میں ہو تو وہ لائق مذمت، باطل ہے۔

مستشرقین کو اگر اسلام میں کوئی رائی نظر آجائے تو اس کو پہاڑ بنا دیتے ہیں اور مسیحیت میں کوئی پہاڑ آجائے تو اُسے رائی قرار دے دیتے ہیں یہ دوہرا معیار مستشرقین کا معیارِ تحقیق ہے۔

بائبل کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمایئے، متی کی انجیل میں ہے، اور راہ چلنے والے جو پاس سے گزرتے تھے وہ سر ہلا ہلا کر اس کو ملامت کرتے اور کہتے تھے واہ تو جو ہیکل کو ڈھاتا اور تین دن میں بناتا ہے اپنے آپ کو بچا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار اور کاہنوں نے بھی مع فقیہوں اور بزرگوں کے ٹھٹھا مار کر کہا اس نے اوروں کو بچایا اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اگر یہ اسرائیل کا بادشاہ ہے تو اب صلیب پر سے اتر آئے اور ہم اس پر ایمان لائیں گے اس کا توکّل خدا پر ہے۔ اگر وہ اس کو چاہتا ہے تو وہ اب اسے بچائے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں اور اسی طرح کی باتوں سے وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے اسے ملامت کرتے تھے۔ (متی باب 27 آیت 39 تا 44)

مسٹر میتھیو اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، وہ صلیب پر لٹکا ہوا تھا تو بھی دشمنوں نے طعنوں اور بے ادبی کی باتوں کی بوچھاڑ جاری رکھی۔

وہ کس قسم کے طعنے دیتے تھے، مزید آگے لکھتے ہیں، وہ کیا طعنے دیتے تھے، ہیکل کو ڈھادینے کا طعنہ۔ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہنے کا طعنہ۔ کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ وہ ابلیس کے منہ کے الفاظ لے لیتے ہیں جو اس نے بیابان میں مسیح کو آزماتے وقت استعمال کیے تھے۔

مزید آگے لکھتے ہیں، کاہنوں نے دو باتوں سے اس کی توہین کی اور طعنے دیئے:۔

اوّل: یہ اپنے تئیں نہیں بچاسکتا۔

- وہ مان لیتے اور یقین رکھتے ہیں کہ مسیح اپنے تئیں نہیں بچا سکتا اس لئے اس میں وہ طاقت اور قدرت نہیں ہے جس کا دعویٰ کرتا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں بچانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ ہمیں بچانے کو مرنا چاہتا تھا۔
- وہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈالنا چاہتے تھے کہ چونکہ اس وقت اس نے اپنے تئیں نہیں بچایا اس لئے اسکے دوسروں کو بچانے کے سارے دعوے فقط جھوٹ اور فریب ہیں۔
- وہ طعنہ دیتے تھے کہ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے بہت سے لوگ اسرائیل کے بادشاہ کے گرویدہ ہو جائیں گے اگر وہ صلیب پر سے صرف اتر آئے لیکن فیصلہ ہو چکا ہے اگر صلیب نہیں تو مسیح بھی نہیں، تاج بھی نہیں جو اُس کے ساتھ بادشاہی کرنا چاہتے ہیں انہیں اس کے ساتھ دکھ اُٹھانا بھی ضرور ہے کیونکہ اس دنیا میں مسیح اور صلیب کو کیلوں سے اکٹھا جڑ دیا گیا ہے۔
- انہوں نے اسے چیلنج کیا کہ یہ اب صلیب پر سے اتر آئے لیکن اس کی لاتبدیل محبت اور عزمِ صمیم نے اس آزمائش کے خلاف ایک حصار بنادیا اور مسیح کو اس پر حاوی رکھا۔ چنانچہ وہ ماندہ ہوا نہ اس نے ہمت ہاری۔
- انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر وہ صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اُس پر ایمان لائیں گے جب ایک دفعہ پہلے انہوں نے کوئی نشان طلب کیا تھا تو اس نے انہیں بتایا تھا کہ جو نشان میں دینا چاہتا ہوں وہ میرا صلیب پر سے اتر آنا نہیں ہو گا بلکہ میرا قبر میں سے جی اُٹھنا ہو گا جو میری قدرت کا زیادہ اور بڑا اظہار ہو گا اپنے آپ سے یہ وعدہ کرنا بالکل غلط ہے کہ ہم اس صورت میں ایمان لائیں گے کہ ہمارے بتانے کے مطابق ہمیں ایمان لانے کے فلاں فلاں ذرائع اور محرکات حاصل ہوں کیونکہ یہ نہ صرف ہمارے دلوں کی زبردست حیلہ سازی اور فریب کاری ہے بلکہ ہٹ دھرم اور اڑیل بے دینی اور کفر کی افسوسناک آڑ بلکہ حیلہ بھی ہے تا کہ ملامت سے بچ جائے۔

دوم: خدا اس کا باپ اسے نہیں بچا رہا۔ اس نے خدا پر بھروسا کیا ہے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ ’میں خدا کا بیٹا ہوں‘ جو لوگ خدا کو باپ اور اپنے آپ کو اس کے فرزند کہتے ہیں وہ اس پر بھروسا (توکّل) کرنے کا اقرار کرتے ہیں وہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈال رہے ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو اور دوسروں کو صرف دھوکا دیا ہے کیونکہ اگر یہ خدا کا بیٹا ہوتا تو اس ساری مصیبت ہی میں نہیں بلکہ اس مصیبت میں پڑنے کو یوں اکیلا نہ چھوڑا جاتا اس بات کا مقصد یہ تھا۔

- ❖ اسے بدنام کرنا اور وہاں موجود لوگوں کو یقین دلانا کہ یہ دھوکے باز اور دغاباز ہے۔
- ❖ مسیح کو خوفزدہ کرنا اور اسے اپنے باپ کی محبت اور قدرت کے بارے میں شک میں ڈالنا اور مایوس کرنا۔

(تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 332،331)

جناب والا! یہ بائبل کے مفسر لکھ رہے ہیں۔ یہ کسی مسلمان نے تفسیر نہیں لکھی بلکہ یہ تفسیر 1706ء میں پادری میتھیو نے لکھی ہے۔ اس تفسیر پر مستشرقین کیا فرمائیں گے۔

میں پھر وہی کہوں گا جس نکتے پر اسلام اور پیغمبر اسلام پر تنقید کی جارہی ہے۔ اسی نکتے پر مسیحیت اور پیغمبر مسیحی پر تحسین کے پھول نچھاور ہو رہے ہیں۔ کیا مستشرقین اس تضاد کو بیان کر سکیں گے۔

کیرن آرم اسٹرانگ نے یہ اعتراض کر کے اپنے ہی مذہب کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔

انجیل مرقس میں لکھا ہے، تب فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کیلئے آسمان سے کوئی نشان اس سے طلب کیا۔ اس نے گہری آہ کھینچ کر کہا یہ پُشت نشان کیوں طلب کرتی ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس پُشت کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا اور وہ انہیں چھوڑ کر پھر کشتی پر چڑھ کر جھیل کے پار گیا۔ (مقدس مرقس باب 8 آیت 11 تا 13)

اس آیت کی تفسیر میں مسٹر میتھیو کیا کہتے ہیں ملاحظہ کیجئے، ابھی مسیحی مختلف جگہوں میں پھر رہا ہے اب وہ دلمنوتہ کے علاقہ میں پہنچتا ہے وہاں اسے بحث و تکرار کا سامنا ہوا اور نیکی کرنے کے مواقع نہ ملے اس لئے وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا۔ فریسیوں نے مسیح کو چیلنج کرتے ہوئے کوئی آسمانی نشان طلب کیا مگر مسیح نے انہیں خوش کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کا مقصد اسے پھنسانا تھا اس لئے وہ بار بار اسے بحث میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے۔

الف: وہ اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کرتے تھے گویا اس نے زمین پر ان کو جو نشان دیئے وہ کافی نہ تھے۔ وہ اسے آزمانے کیلئے ایسا کرتے تھے انہیں امید نہ تھی کہ مسیح ہمیں نشان دے گا تاکہ تصور کر سکیں کہ ہمیں اپنی بے دینی کیلئے ایک بہانہ مل گیا ہے۔

ب: مسیح نے ان کا مطالبہ پورا کرنے سے انکار کر دیا اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، وہ ان کے دلوں کی سختی پر ملول اور غمگین ہوا اسے دکھ ہوتا ہے کہ گنہگار اپنی روشنی کی راہ روکتے اور اپنے دروازوں پر اڑبنگے لگا دیتے ہیں۔ مسیح نے انہیں سمجھایا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ یہ نسل ایسی نالائق ہے کہ خوش خبری ان کے پاس آنی نہیں چاہیئے اور ان کیساتھ کوئی نشان نہیں ملنا چاہیئے۔ اس زمانہ کے لوگوں کو بیماروں کی شفا میں رحمت سے بھرے ہوئے اور حسی نشان اتنی تعداد میں دیئے گئے ہیں کہ ان کا کوئی اور نشان طلب کرنا بالکل بے ہودگی ہے۔ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ان کو چھوڑ کر چلا گیا یہ اس لائق نہیں کہ ان سے بات کی جائے اگر وہ قائل ہونا نہیں چاہتے تو نہیں ہوں گے انہیں ان کے باطل خیالات اور غلط اعتقادی میں پڑا رہنے دو۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 391)

مزید آگے اسی مرقس میں لکھا ہے، اور پھر یروشلم میں آئے اور جب وہ ہیکل میں پھر رہا تھا تو سردار کاہن اور فقیہہ اور بزرگ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ تو کس اختیار سے کرتا ہے؟ اور یہ اختیار تجھے کس نے دیا ہے کہ یہ کرے؟ تب یسوع نے ان سے کہا کہ میں بھی تم سے ایک بات پوچھتا ہوں تم جواب دو تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کس اختیار سے یہ کرتا ہوں یُوحنّا کا بپتسمہ آسمان سے تھا یا آدمیوں سے؟ مجھے جواب دو تب وہ اپنے میں غور و خوض کرنے لگے کہ اگر ہم کہیں کہ آسمان سے تو وہ کہے گا پھر تم نے کیوں اس کا یقین نہ کیا پھر کیا یہ کہیں کہ آدمیوں سے؟ وہ عوام سے ڈرتے تھے کیونکہ سب یوحنا کو حقیقی نبی جانتے تھے۔ تب انہوں نے یسوع سے جواب میں کہا ہم نہیں جانتے۔ یسوع نے ان سے کہا میں بھی تمہیں نہیں بتاتا ہوں کہ میں کس اختیار سے یہ کرتا ہوں۔ (مقدس مرقس باب 11 آیت 27 تا 33)

بائبل کی ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے پادری میتھیو لکھتے ہیں، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی صدر عدالت (سنہیڈرن) مسیح سے اس کے اختیار کے بارے میں دریافت کرتی ہے یہ لوگ مسیح کے پاس آئے جب وہ ہیکل میں پھر رہا تھا اور لوگوں کو تعلیم دے رہا تھا ہیکل کے صحن میں حجرے اس مقصد کیلئے بہت موزوں تھے یہ بلند مرتبت آدمی اس کے پاس آئے اور ایک لحاظ سے گویا عدالت کے کٹہرے میں اسے مجرم ٹھہراتے ہوئے پوچھنے لگے تو ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہے؟

ان کا مقصد تھا کہ اسے پھنسائیں اور پریشان کریں۔ اگر وہ لوگوں کے سامنے دکھادیں کہ اسے باضابطہ طور پر مقرر نہیں کیا گیا، باقاعدہ مخصوص نہیں کیا گیا تو وہ ان سے کہہ سکیں گے کہ اس کی نہ سنا کرو وہ ہٹ دھرمی سے اپنی بے اعتقادی پر قائم تھے اور یہ وار اُن کی آخری پناہ گاہ تھی۔ انہوں نے تہیہ کررکھا تھا کہ ہم اس کے اس رتبہ پر فائز ہونے اور اختیار میں کوئی نہ کوئی خامی اور غلطی ڈھونڈ کر رہیں گے۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 413)

مزید آگے لکھتے ہیں، مسیح نے ان کے متکبرانہ سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا اور اپنے آپ کو حق بجانب ٹھہرایا۔ میں بھی تم کو نہیں بتاتا کہ میں ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہوں۔ (ایضا صفحہ 414)

مس کیرن آرم اسٹرانگ کے اصول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اگر کوئی آسمانی نشان (معجزہ) طلب کرے اور اگر آپ نہ دکھائیں، تب بھی آپ نبی رہیں گے۔ کسی سوال کا جواب نہ دیں تب بھی نبی رہیں گے۔ مگر وہ پیغمبر جو کفار کے بے ہودہ مطالبات کو پورا نہ کرے اُس کو دائرہ پیغمبری سے خارج کر دیا جائے۔ یہ اصول مستشرقین نے کہاں سے لیا ہے؟

پادری میتھیو ایک اور جگہ رقم طراز ہیں، اس کے مخالف اس کے پاس آکھڑے ہوئے یہ لفظ صرف یہیں استعمال ہوئے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس پر اچانک سوال کر کے اسے گھبرا دینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سوال سے وہ ڈر جائے گا۔ اس واقعہ سے ہم یہ باتیں سیکھتے ہیں۔ جو بات واضح اور صاف ہوتی ہے اس پر بھی بعض اوقات اعتراض کیا جاتا ہے، یہ کچھ عجیب نہیں۔ اعتراض کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو آنکھیں بند رکھتے ہیں تاکہ نور کو نہ دیکھیں۔ مسیح کے معجزے بالکل واضح کرتے اور ثبوت دیتے تھے کہ وہ ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہے۔ جو مسیح کے اختیار پر اعتراض کرتے ہیں ان کی بیوقوفی سب آدمیوں پر ظاہر ہو جائے گی۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 624)

لوقا کی ہی یہ روایت بھی ملاحظہ کیجئے، اور لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے اور سردار بھی جو ٹھٹھے مار مار کر کہتے تھے کہ اس نے اوروں کو بچایا، اگر یہ خدا کا مقبول المسیح ہے تو اپنے آپ کو بچائے اور سپاہیوں نے بھی اس پر ہنسی کی اور پاس جاکر اور اسے سرکہ دے کر کہا اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ (لوقا باب 23 آیت 35 تا 37)

پادری میتھیو اس کے تحت لکھتا ہے، اس کی تحقیر و تذلیل کی گئی، لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے اور سردار بھی اس ہجوم میں کھڑے تھے اور ٹھٹھے مار مار کر کہتے تھے کہ اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے آپ کو بچائے۔ وہ اسے چیلنج کر رہے تھے کہ اپنے آپ کو صلیب سے بچائے جبکہ وہ صلیب کے وسیلہ سے اوروں کو بچا رہا تھا۔ اگر یہ خدا کا مسیح اور اس کا برگزیدہ ہے تو اپنے آپ کو بچائے۔ انہوں نے اس کا اور اس کے دکھوں کا تماشا بنایا اسی طرح سپاہیوں نے بھی ٹھٹھا مارا اور کہا کہ اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 646)

جواب دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو الزامی دوسرا جواب تحقیقی۔ اگرچہ الزامی جواب ہم مکمل شرح و بسط سے دیدیا۔ جس کے بعد معترض کو پوری طرح تسلی و تشفی ہو گئی ہو گی لیکن ہم یہاں ان تمام مستشرقین، اور اُن سے فیض یافتہ مسلمانوں کے درمیان گمراہ فرقوں کو بھی ازروئے اسلام قرآنی دلیل پیش کرتے ہیں تاکہ جواب الزامی کے بعد جواباتِ تحقیقی بھی ہو جائیں۔

کفار نے پہلا مطالبہ یہ کیا۔

کفار کا پہلا مطالبہ:

وقالوا لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا

اور کفار نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا ممکن نہیں تھا؟ تھا اور ضرور تھا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے چشمے بہائے۔ قرآن میں ہے:

واذ استسقٰی موسیٰ لقومہ فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا

اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر

تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے۔ (پ ا۔ سورہ بقرہ آیت ٦٠)

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی پتھر پر ماریں تو بارہ چشمے جاری ہو جائیں اور اگر سید المرسلین چاہیں تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟ ہو سکتا تھا مگر کافروں کے مطالبے پر کیوں نہیں ہوا؟

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب کوئی قوم معجزہ طلب کرے اور ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ پھر عذاب نازل فرماتا ہے:

و ما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون (پ۱۵۔سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۹)

اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)۔

اور ایک جگہ ارشاد یوں فرمایا:

و لن تجد لسنة اللہ تبدیلا (پ۲۲۔سورہ احزاب آیت 62)

اور آپ سنتِ الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے۔

یہ ایمان لائیں گے نہیں اور جب یہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور جب تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں تو عذاب آئے گا نہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا:

و ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (سورہ انفال آیت ۳۳)

اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شان کہ عذاب دے انھیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔

عزیزانِ گرامی! کسی بھی قوم کا حال معلوم کر لیجیے، کسی بھی اُمت کی اجتماعی تاریخ کا مطالعہ کر لیجئے جب اُس قوم نے، اُس امت نے معجزہ طلب کیا اور معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان نہیں لائی اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل فرمایا۔

اور یہاں تو کافر کہہ رہے ہیں اگر آپ ہمارے یہ پانچ مطالبات پورے کر دیں مگر ہم اتنے ڈھیٹ اور ہٹ دھرم ہیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر ایک چھٹا مطالبہ اور رکھا۔

تو اگر وہ معجزہ دیکھ کر ایمان نہیں لاتے تو پھر عذاب نازل ہوتا۔ اور جب عذاب نازل ہوتا تو اس آیت کے بارے میں مستشرقین ڈھنڈورا پیٹتے کہ دیکھئے جناب عذاب نہ آنے کا وعدہ قرآن 'و ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم' اور اللہ کی شان نہیں کہ اللہ اُن کو عذاب دے حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں) نے خود کیا تھا اور عذاب آگیا۔

اور کچھ اس طرح ہرزہ سرائی کرتے کہ جناب قرآن تو کہتا ہے: و ما ارسلنک الا رحمة للعالمین (پ۱۷۔سورہ انبیاء آیت ۱۰۷) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر عالمین کیلئے رحمت بنا کر۔ اگر عذاب آجاتا تو مستشرقین کہتے کہ لیجئے رحمت بھی ہیں عالمین کیلئے اور عذاب بھی آیا۔ اور جہاں چشمے جاری کرنے کے بعد انکار نہیں تھا وہاں پیغمبر اسلام نے چشمے بھی جاری کیے اور یہ آپ کا عالی شان معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے چشمے جاری کئے۔

انگلیوں سے چشموں کا جاری ہونا

مواہب لدنیہ میں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا نمازِ عصر کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ وضو کیلئے پانی تلاش کر رہے تھے لیکن اُن کو پانی نہیں ملتا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پانی لایا گیا تو آپ نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں رکھا اور صحابہ کرام کو وضو کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ اُن میں سے آخری آدمی نے وضو کر لیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ وہ اسّی افراد تھے اور انہی کے الفاظ ہیں کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان اور کناروں سے پانی نکلنے لگا حتیٰ کہ سب لوگوں نے وضو کر لیا۔ راوی فرماتے ہیں' ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، تم کتنے لوگ تھے؟ فرمایا ہم تین سو تھے۔ (مواہب اللدنیہ از علامہ قسطلانی جلد دوم صفحہ 300 مترجم مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی، حوالہ بخاری و مسلم مطبوعہ فرید بکسٹال لاہور)

غزوۂ تبوک سے واپسی پر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ معجزہ منقول ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں، میں غزوہ تبوک میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا تو مسلمانوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے جانور اور اونٹ پیاسے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا کچھ بچا ہوا پانی ہے؟ تو ایک شخص مشکیزے میں کچھ پانی لایا۔ آپ نے فرمایا پیالہ لاؤ پھر اُس میں پانی ڈال کر اپنی ہتھیلی پانی میں رکھ دی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے جاری ہو گئے۔ فرماتے ہیں ہم نے اپنے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو پانی پلایا اور جمع بھی کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کافی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں کافی ہے اے اللہ کے نبی! پس آپ نے اپنا ہاتھ اُٹھایا تو پانی بھی ختم ہو گیا۔ (ایضاً صفحہ 301، بحوالہ بخاری و مسلم)

کسی عاشقِ صادق نے اس حدیث کا ترجمہ شعر میں اس طرح کیا ؎

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اور ؎

پنجۂ مہرِ عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

مناظرِ اسلام علامہ محمد عمر اچھروی لکھتے ہیں، مومنین تو آپ پر ایمان لانے والے تھے اسلئے آپ نے ان کے واسطے پانی اپنے دستِ پاک سے جاری کر کے دکھادیا اور کفار کو ہل کنت الا بشرا رسولا سے ٹال دیا۔ (مقیاس نبوۃ جلد اوّل صفحہ 81 از مولانا محمد عمر اچھروی مطبوعہ مقیاس پبلیشرز)

کفارِ مکہ کا دوسرا مطالبہ:

او تکون لک جنة من نخیل و عنب فتفجر الانھار خلٰلھا تفجیرا

یا (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کیلئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا۔

پھر آپ جاری کردیں ندیاں جو اس باغ میں بہہ رہی ہوں۔

کفارِ مکہ نے دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ آپ کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور ان کے درمیان نہریں بھی ہوں جن کے درمیان ہر وقت پانی بھی ہو۔

اللہ ربّ العزت اُن کے اِس مطالبے پر ارشاد فرماتا ہے:

تبارک الذی ان شاء جعل لک خیرا من ذلک جنات تجری من تحتھا الانھار و یجعل لک قصورا

بڑی (خیر و) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنادے آپ کیلئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنادے آپ کیلئے بڑے بڑے محلات۔ (پ۱۸۔ سورہ فرقان آیت ۱۰)

اور اہلِ علم پر حضرت سلمان فارسی کی آزادی کی قیمت جو تین سو درخت لگانے تھے ایک ہی دن میں اور چالیس اوقیہ سونے کی شرط پوشیدہ نہیں۔

اب اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافروں کا یہ مطالبہ اس وقت پورا کر دیتے تو کیا ہوتا۔ کافر کیا کہتے۔

و لن نومن

ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اور جب ایمان نہیں لاتے تو سنّت اللہ کیا ہے:

و ما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۹)

اور نہیں روکا ہمیں اس اَمر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)۔

اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے جیسا کہ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے تو پھر عذاب آتا اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا۔

و ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (سورہ انفال آیت ۳۳)

اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شان کہ عذاب دے انھیں حالانکہ آپ تشریف فرماہیں اُن میں۔

تیسرا مطالبہ:

اوتسقط السماء کما زعمت علینا کسفا

یا آپ گرادیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کرکے۔

کفار نے تیسرا مطالبہ یہ کیا کہ آپ ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرادیجئے۔

عزیزانِ گرامی! کیا حضرت شعیب علیہ السلام کی اُمت پر آسمان سے ٹکڑا نہیں گراتھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فاسقط علینا کسفا من السماء ان کنت من الصادقین۔ قال ربی اعلم بما تعملون

فکذبوہ فاخذھم عذاب یوم الظلۃ انہ کان عذاب یوم عظیم (سورہ اشعراء آیت ۱۸۷تا۱۸۹)

تو اب گرادو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا ربّ خوب جانتا ہے جو تم کررہے ہو سوانہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انھیں چھتری والے دن کے عذاب نے بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

کفار کے مطالبے پر آسمان سے ٹکڑا تو گرجاتا مگر کیا یہ ایمان لاتے نہیں۔ خود کہہ رہے ہیں:

و لن نومن

ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

پھر جب معجزہ دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے تو عذاب آئے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا:

و ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم (سورہ انفال۔ آیت ۳۳)

اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شان کہ عذاب دے انھیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔

خود اللہ العزت ارشاد فرماتا ہے:

ان نشا نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السماء (سورہ سبا۔ آیت ۹)

اگر ہم چاہیں تو دھنسادیں انھیں زمین میں یا گرادیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے۔

اب اگر ٹکڑا گر بھی جائے تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ ربّ العزت عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ جانتا ہے

کہ یہ ایمان لائیں گے یا نہیں، اسی لئے ارشاد فرمایا:

و ان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم

فذرهم حتی یلاقوا یومهم الذی فیه یصعقون (سورہ الطور۔ آیت ۴۴،۴۵)

اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ

پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن کو پالیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے۔

چوتھا مطالبہ:

او تاتی باللہ والملٰئکة قبیلا

یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں۔

کفار نے چوتھا مطالبہ یہ کیا کہ اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آؤ۔ ایسا ہی مطالبہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کیا تھا جیسے قرآن نے یوں بیان فرمایا:

فقالوا ارنا اللہ جهرة فاخذتهم الصاعقة بظلمهم (سورہ النساء۔ آیت ۱۵۳)

انہوں نے کہا تھا (اے موسیٰ) دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلاّ تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب اُن کے ظلم کے۔

اور دوسری جگہ اُن کے مطالبے کو یوں بیان فرمایا:

و اذ قلتم یا موسیٰ لن نومن لک حتی نری اللہ جهرة فاخذتکم الصاعقة و انتم تنظرون

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر

پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۵۵)

جب اس مطالبے کے نتیجے میں بنی اسرائیل کو ایک کڑک نے آلیا تو اُن کا انجام اس سے مختلف تو ہوگا نہیں،

اس لئے ان کا یہ مطالبہ بھی کٹ حجّتی ہے۔

پانچواں مطالبہ:

او یکون لک بیت من زخرف

یا (تعمیر) ہو جائے آپ کیلئے ایک گھر سونے کا۔

پانچواں مطالبہ یہ کیا کہ اپنے لئے ہی سہی ایک سونے کا محل بنوالیں۔ کفار سونے کے مکان کو نبوت کا معیار سمجھ رہے تھے۔ اُن کے اِس مطالبے کے جواب میں فرمایا:

و لولا ان یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفا من فضة ومعارج علیھا یظھرون ۔ ولبیوتھم ابوابا و سررا علیھا یتکون ۔ و زخرفا و ان کل ذلک لما متاع الحیاة الدنیا و الآخرة عند ربک للمتقین (سورہ الزخرف۔ آیت ۳۳تا۳۵)

اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک اُمت بن جائیں گے تو ہم بنادیتے ان کیلئے جو انکار کرتے ہیں رحمن کا، ان کے مکانوں کیلئے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری روپہلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت (کی عزت وکامیابی) آپ کے ربّ کے نزدیک پرہیز گاروں کیلئے ہے۔

سونا یا چاندی، سچائی کا معیار نہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کافروں کے سونے چاندی کے مکانات بنادے تو کیا یہ نبی بن جائیں گے، یہ تو نبوت کیلئے کوئی معیار نہیں۔ اور اگر ہم اپنے نبی کیلئے بنادیں تو تم ایمان نہیں لاؤ گے اور جب تم ایمان نہیں لاؤ گے تو عذاب آئے گا۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ عذاب دے جب آپ ان میں موجود ہوں۔

چھٹا مطالبہ:

او ترقی فی السماء

یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔

چھٹا مطالبہ یہ کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک کتاب اُتار لائیں ہم پر جسے ہم پڑھیں۔

کفار نے یہ آخری مطالبہ کیا۔ کیا اس کے بعد یہ ایمان لے آتے؟

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے ارشاد فرمایا:

و لو فتحنا علیھم بابا من السماء فظلوا فیه یعرجون ۔ لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون

اور ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (سورہ الحجر۔ آیت ۱۵،۱۴)

یہ آیت بتارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس پر قادر ہے کہ وہ کافروں کیلئے آسمان کے دروازے کھول دے یہ آسمان پر چڑھ جائیں مگر یہ بے ایمان، ایمان نہیں لائیں گے۔

ایک اور کتاب کے مطالبہ پر فرمایا:

و لو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ہذا الا سحرمبین

اور اگر ہم اُتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے

تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا۔ (سورہ الانعام۔ آیت ۷)

و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (سورہ احزاب۔ آیت 62)

اور آپ سنتِ الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے۔

قانونِ خداوندی ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آیا تو عذاب سے قبل اس قوم کے پیغمبر کو اس قوم سے نکال لیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمی پیغمبر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے:

و ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین (سورہ انبیاء۔ آیت ۱۰۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔

اور سورۂ اعراف میں فرمایا:

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (سورہ اعراف۔ آیت ۱۵۸)

آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

سورہ فرقان میں یوں ارشاد فرمایا:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (سورہ فرقان۔ آیت ۱)

بڑی (خیر و) برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر

تا کہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضبِ الٰہی سے) ڈرانے والا۔

اب پیغمبر اسلام چونکہ قومی پیغمبر نہیں ہیں بلکہ عالمی پیغمبر ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم سے نکالا نہ جائے گا اور نہ عذاب آئے گا۔

لہٰذا اللہ کی مشیت میں جن کا ایمان نہ تھا اللہ نے فرمایا: ھل کنت الا بشرا رسولا کہہ کر ٹال دیجیے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون نہیں اور ایمان نہیں لائے تو عذاب آئے گا۔

اور یہ تو نبیِ رحمت ہیں۔ یہ عالمین کیلئے سراپا محبت، پیار، برکت، رحمت ہیں۔ یہ کیسے چاہتے کہ ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہو۔

کیرن آرمسٹرانگ وحی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کیلئے ایک نیا انداز اختیار کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

Muhammad's horizons were beginning to expand. He had been certain that he had been send simply as a "Warner" to his own tribe and that `Islam was only for the people of Mecca. But now he was beginning to look further afield to the people of the Book, who had received earlier revelations. Despite confidence that this gave him, he was now desperte. (Muhammad P# 92, 93)

حضرت محمد کے فکری اُفق وسعت اختیار کرنے لگے۔ آپ کو یقین تھا کہ محض اپنے قبیلے کیلئے نذیر (خبردار کرنے والا) بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ کہ آپ صرف اہلِ مکّہ کیلئے پیغمبر ہیں لیکن اب آپ اہل الکتاب کی طرف بھی دیکھنے لگے جو سابقہ الہامی کتابوں کو مانتے تھے اس خیال سے ملنے والے اعتماد کے باوجود آپ بے چین رہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 66)

مس کیرن کیونکہ نن رہ چکی ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ کے باوجود اسلام کا راستہ نہ روک سکیں اور مستشرقین، مبشرین وغیرہ تمام مشنری ادارے اپنے تمام تر وسائل کے باوجود ایسی تبلیغ نہیں کر پا رہے ہیں جس سے عیسائیت پھیلے لہٰذا انہوں نے کسی اندر کے بغض و حسد کی وجہ سے کہ اسلام وسائل نہ ہونے کے باوجود عہدِ رسالت سے لے کر آج تک پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے، اس کی راہ میں ہزار رکاوٹوں کے باوجود تیزی سے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس پر ان کے قلم نے چیخ و پکار مچا دی۔

پیغمبر اسلام صرف کسی قوم کے نبی نہیں۔ کسی قبیلے کے نبی ہیں بلکہ وہ تمام قوموں کے نبی ہیں، تمام جہانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

عالمی پیغمبر جو تمام کائنات کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔

جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

و ما ارسلنک الا رحمة للعالمین (سورہ انبیاء۔ آیت ۱۰۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔

اور سورۂ اعراف میں فرمایا:

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (سورہ اعراف۔ آیت ۱۵۸)

آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

سورۂ فرقان میں یوں ارشاد فرمایا۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (سورہ فرقان۔ آیت ۱)

بڑی (خیرو) برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر

تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا۔

اور سورۂ انعام میں یوں فرمایا:

واوحی الی ھذا القرآن لا نذرکم بہ ومن بلغ (سورہ انعام۔ آیت ۱۹)

اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے۔

سورۂ سبا میں ارشاد فرمایا:

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون (سورہ سبا۔ آیت ۲۸)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قصہ غرانیق

بخاری شریف میں یہ حدیث درج ہے:

ان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ بالنجم و سجدمعہ المسلمون و المشرکون و الجن و الانس

کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورہ والنجم کی آیتِ سجدہ پر سجدہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جن وانس سب نے سجدہ کیا۔

اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کو مہاجرینِ حبشہ کی مکّہ واپسی کے ساتھ منسلک کر کے ایک افسانہ گھڑا گیا ہے کہ شیطان نے دورانِ تلاوت ایسے الفاظ (نعوذ باللہ) حضور کی زبان سے نکلوا دیئے جن میں بتوں کی تعریف تھی اور ان کی شفاعت کے عقیدے کو تسلیم کیا گیا تھا۔ جب کفار نے دیکھا کہ اب حضور کے رویئے میں تبدیلی آگئی ہے تو وہ اس پر خوش ہوئے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر سجدہ کیا۔ اس خبر کو سُن کر مہاجرین حبشہ واپس آگئے۔ جب حضرت جبرئیلِ امین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شیطان کی اس کارروائی سے آگاہ کیا تو آپ کو بہت رنج ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور سورۂ حج کی آیت ۵۲ نازل فرمائی کہ یہ شیطان اس طرح کی کارروائی کرجاتا ہے، اس سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے لیکن اس کی چال کامیاب نہیں ہوتی۔ اس واقعے کے مردود ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں مگر کیونکہ یہ واقعہ مفسرین نے نقل کر دیا اور مسلمانوں کی تصانیف میں جگہ پا گیا۔

یہ کسی اسلام دشمن نے بڑی مکاری سے اسلام پر وار کیا ہے اور یہ تحریر اُن کتب میں ملتی ہیں جن کو ملتِ اسلامیہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مستشرقین شکاریوں کی طرح بو سونگھتے پھرتے ہیں تاکہ وہ ایسی روایات و من گھڑت واقعات کو اساس بنا کر اسلام پر رکیک حملے کر سکیں۔

کیرن آرمسٹرانگ نے بھی اس واقعہ کو اپنے لئے مالِ غنیمت سمجھ کر قبول کیا اور اپنی کتاب میں اس کو بارود کے طور پر استعمال کیا۔

کیرن آرمسٹرانگ اس واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے ایک ڈرامائی تخیل اپناتی ہیں لکھتی ہیں:

that in his desire to avoid an irrevocable breach with the quraysh, Muhammad sat down by himself ,wishing that nothing be revealed to him that would drive them away. (Muhammad P# 69)

قریش کے ساتھ ایک ناقابلِ تنسیخ قطع تعلق سے گریز کرنے کی خاطر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اکیلے بیٹھ گئے اور خواہش کی کہ آپ پر کوئی ایسی وحی نازل نہ ہو جو انہیں دور کردے۔ (پیغمبرِ امن، صفحہ 47)

پھر مزید آگے پورا واقعہ لکھتی ہیں کہ

One day, Tabari continues, Muhammad was sitting beside the kabah with some of elders, reciting a new surah, in which Allah tried to reassure his critics: Muhammad had not intended to cause all this trouble, the divine voice insisted; he was not deluded inspired by a jinni; he had experienced a true vision of the divine and of the divine and was simply telling his people what he had seen and heard. But then, to his surprise, Muhammad found himself chanting some verses about the three 'daughters of God": 'Have you, then ever considered what you are worshipping in Al-lat and Al-uzza, as well as Manat, the third, the other ?

Immediately the Quraysh sat up and listened intently. The loved goddesses who mediated with Allah on their behalf. 'These are the exalted gharaniq. 'Muhammad continued, 'whose intercession is approved .

Tabari claims that these words were put his lips by the shaytan ('tempter'). This is very alarming notion to Christian, who regard Satan as a figure of monstrous evil. The Quran is certainly familiar with the story of the fallen angel who defied God: it calls him Iblis (a contraction of the Greek diabolos : 'devil'). But the shaytan who inspired this gracious compliment to the goddesses was far less threatening creature. Shaytan were simply a species of jinni; they were "tempters" who suggested the empty, facile, and self-indulgent yearnings that deflected humans from the right path. Like all jinn, the shaytan were ubiquitous, mischievous, but not on a par with the devil. Muhammad had been longing for a peace with the Quraysh; he knew how devoted they were to goddesses and many have thought that if he could find a way of incorporating the gharaniq into his eligion, they might look more kindly on his message. When he recited the rogue, verses, it was his own desire talking-not Allah-and the endorsement of the goddesses proved to be a mistake. Like any other Arab, he naturally attributed his error to a shaytan.

(Muhammad P# 69, 70, 71)

ایک روز آنحضرت کعبہ کے قریب کچھ بزرگوں کے ساتھ بیٹھے ایک نئی سورۃ پڑھ رہے تھے جس میں اللہ نے آپ پر تنقید کرنے والوں کو یقین دہانی کروائی تھی۔ حضرت محمد کا ارادہ انتشار پیدا کرنے کا نہیں تھا الوہی آواز نے اصرار کیا آپ خدانخواستہ کسی سودا میں مبتلا یا جن کے زیر اثر نہیں تھے۔ آپ نے الوہی ہستی کا ایک سچا تجربہ کیا تھا اور لوگوں کو اپنی دیکھی یا سُنی ہوئی بات ہی بتا رہے تھے لیکن تب حیرت انگیز طور پر آپ کے منہ سے خدا کی تین بیٹیوں کے متعلق آیات جاری ہو گئیں۔ بھلا تم دیکھو تو لات و عزیٰ کو اور منات تیسرے پچھلے کو؟ قریش فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور غور سے سننے لگے وہ اپنے ایماء پر اللہ کے آگے سفارش کرنے والی دیویوں سے محبت کرتے تھے آنحضرت کی آواز دوبارہ آئی یہ رفیع الشان غرانیق ہیں جن کی ثالثی منظور شدہ ہے۔

طبری کہتا ہے کہ شیطان نے آپ کے منہ سے یہ الفاظ ادا کروائے عیسائیوں کے ہاں یہ خیال بہت تشویش انگیز ہے جو شیطان کو مجسم شر مانتے ہیں۔ بلاشبہ قرآن تنزل یافتہ فرشتے کی کہانی سے واقف ہے جس نے خدا کی حکم عدولی کی اس فرشتے کو ابلیس کہا گیا (یونانی زبان کے **diabolos** یعنی **devil** / شیطان سے ماخوذ لفظ) لیکن دیویوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا کروانے والا شیطان عیسائیوں کے شیطان کی نسبت کہیں کم خطرناک تھا۔ شیطان محض جنات کی ہی ایک قسم تھے وہ محض تحریص دلانے والے تھے جو انسانوں کو بہلا پھسلا کر درست راہ سے منحرف کر دیتے۔ جنات کی طرح شیطان بھی ہر جگہ موجود، بدخواہ اور خطرناک تھے لیکن عیسائیوں کے **devil** کے ہم سر نہیں۔ حضرت محمد قریش کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہاں تھے آپ کو معلوم تھا کہ وہ ان دیویوں سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے چنانچہ (مصنفہ کی رائے میں) آپ نے غرانیق کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرنے کا سوچا ہو گا تا کہ قریش آپ کی بات کو غور سے سنا کریں۔ یہ آیات خدا کا کلام نہیں بلکہ آپ کی اپنی خواہش تھی۔ بہر حال دیویوں کی مدح سرائی ایک خطا ثابت ہوئی۔ آپ نے اور بہت سے عربوں نے بھی اس خطا کو شیطان کی کارستانی قرار دیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 48,49)

مس کیرن تخیل کی بنیاد پر یہ جملہ کہتی ہیں کہ

'These are the exalted gharaniq. 'Muhammad continued' ,whose intercession is approved. (Muhammad P# 70)

آنحضرت کی آواز دوبارہ آئی۔ یہ رفیع الشان غرانیق ہیں جن کی ثالثی منظور شدہ ہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 48)

اور آگے اپنے تخیل کو یوں بیان کرتی ہیں:

Muhammad had been longing for a peace with the Quraysh; he knew how devoted they were to goddesses and many have thought that if he could find a way of incorporating the gharaniq into his religion, they might look more kindly on his message. (Muhammad P# 70)

حضرت محمد قریش کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہ تھے آپ کو معلوم تھا کہ وہ ان دیویوں سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے غرانیق کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرنے کا سوچا ہو گا تا کہ قریش آپ کی بات کو غور سے سنا کریں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 49)

پھر آگے یوں فیصلہ کرتی ہیں:

The endorsement of the goddesses proved to be a mistake like any other Arab; he naturally attributed his error to a shaytan. (Muhammad P# 70, 71)

بحر حال دیویوں کی مدح سرائی ایک خطا ثابت ہوئی۔ آپ نے اور بہت سے عربوں نے بھی اس خطا کو شیطان کی کارستانی قرار دیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 49)

پھر ایک نیا پینترا بدلتی ہیں اور اسلامی عقائد و نظریات کی فصیلوں پر اپنے تخیل کی توپ سے یوں گولہ باری کرتی ہیں:

Muhammad had not implied that the three 'daughters of God 'were on the some level as Allah. They were simply intermediaries, like the angels whose intercession is approved in the same surah.35Jews and Christians have always found such mediators compatible with their monotheism. The new verses seemed a truly propitious gesture and their effect on the Qurysh was electrifying. As soon as Muhammad had finished his recitation, he prostrated himself in prayer, and to his astonishment, the Qurayshan elders knelt down beside him, humbly pressing their foreheads to the ground. The news spread like wildfire through the city: 'Muhammad has spoken of our gods in splendid fashion !He alleged in what he recited that they are the exalted gharaniq whose intercession is approved! '36 the crisis was over. The elders told Muhammad' ;We know that Allah kills and gives life, creates and preserves, but these our goddesses pray to Him for us, and since you have now permitted them to share divine honors with Him, we therefore desire to unite with you .

But Muhammad was troubled. This was too easy. Were the Quraysh really going to amend their behavior, share their wealth with the poor, and be content to become the humble" slaves" of God? It did not seem likely. He was also disturbed by the jubiant words of the elders; he had certainly not meant to imply that the goddesses" shared divine honors" with Allah. While

everybody else was celebrating ,Muhhammad went home, shut himself away, and meditated. That night Gabriel, the spirit of revelation, came to him; 'What have you done, Muhammad?' he asked' . You have recited to those people something I did not bring you from God have said what He did say to! Muhammad's Wish for a compromise had distorted the divine massage. He was immediately contrite, but God consoled him with a new revelation. All the previous prophets had mad similar 'satanic' mistakes. (Muhammad P# 70, 71, 72)

آنحضرت نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اللہ کی تین بیٹیاں بھی اللہ کی ہم سر ہیں وہ محض وسیلہ تھیں بالکل ان فرشتوں کی طرح جن کی ثالثی کا ذکر اسی سورۃ میں آیا ہے۔یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قسم کے درمیانی وسیلوں کو ہمیشہ اپنی وحدانیت پرستی کے ساتھ مطابقت میں خیال کیا ہے۔ نئی آیات حقیقی معنوں میں نیک شگون ثابت ہوئیں اور قریش میں جیسے ایک بجلی دوڑ گئی۔ آنحضرت نے آیات پڑھنے کے بعد سجدہ کیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قریش بھی آپ کے ساتھ سجدہ کررہے تھے اپنی پیشانیوں کو عقیدت کیساتھ زمین سے لگائے ہوئے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی محمد نے ہمارے دیوتاؤں کی تعریف کی ہے! انہوں نے آیت کی تلاوت میں کہا ہے کہ رفیع الشان غرانیق کی ثالثی منظور شدہ ہے۔ بحران ختم ہوا بزرگوں نے آنحضرت سے کہا ہم جانتے ہیں کہ اللہ مارتا اور پیدا کرتا، تخلیق کرتا اور قائم رکھتا ہے لیکن ہماری یہ دیویاں اس تک ہماری دعائیں پہنچاتی ہیں اور چونکہ آپ نے انہیں الوہی تعظیم دی ہے، اس لئے ہم بھی آپ کے ساتھ ملنے کو تیار ہیں۔

لیکن آنحضرت نے حالات کو مشکل پایا۔ یہ بہت آسان تھا کیا قریش واقعی اپنے رویے میں تبدیلی لانے غریب کو اپنی دولت میں شریک کرنے اور اللہ کے عاجز غلام بن کر زندگی گزارنے پر آمادہ ہوگئے تھے؟ بظاہر تو ایسا نہیں لگتا تھا۔ آپ بزرگوں کی پُر مسرت باتوں سے بھی پریشان ہوئے یقیناً آپ کا مقصد ان دیویوں کو اللہ کے ساتھ الوہی احترام میں شریک بنانا نہیں تھا۔ ہر کوئی خوشی منا رہا تھا جب آپ گھر گئے خود کو کمرے میں بند کرلیا اور عبادت میں کھو گئے۔ اس رات فرشتہ جبرئیل آپ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے محمد آپ نے یہ کیا کر دیا؟ اگر واقعی ایسا ہوا تھا تو مفاہمت کیلئے آپ کی خواہش الوہی پیغام کے عین مطابق نہیں تھی۔ خدا نے ایک نئی وحی کے ذریعہ ڈھارس بندھائی، تمام سابقہ پیغمبروں کو اس قسم کے حالات پیش آئے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 49,50)

کیرن آرم اسٹرانگ اس پیرائے میں کتنے ہی اعتراض کر گئیں کہ وحی جو ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی تھی بلکہ حضور کی یہ خواہش تھی کہ قریش سے مفاہمت ہوجائے لہٰذا آپ نے یہ آیت پڑھ دی اور بتوں کو سجدہ کیا اور جب آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو آپ کمرے میں بند ہوگئے۔

مستشرقین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی بھی بات ایسی ہو جس کا سر پیر ہو یا نہیں بس اسلام کے خلاف کچھ کہنے یا لکھنے کا موقع ملنا چاہئے۔ مستشرقین اسلام دشمنی میں اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ انہیں اگر کہیں سے جھوٹی روایت نہ بھی ملے تو وہ کہیں نہ کہیں سے گڑھ ضرور لیتے ہیں۔

اے منصبِ انصاف پر بیٹھنے والے دانشورو!

یہ طریقۂ تحقیق ہے یا اندازِ تنقیص؟

کیا یہ روش درست ہے؟

کیا مستشرقین کے ان کرتوتوں کو تہذیب کہا جاسکتا ہے نہیں ہرگز نہیں!

ہرزہ سرائی اور کوئی بات جو سن لی نادان عورتوں کی طرح عام کرتے پھرنا اُس پر اپنے دل سے گھڑ کر کچھ مرچ مصالحہ لگانا یہ تو چھوٹے محلے میں رہنے والی نادان عورتوں کا کام تو ہو سکتا ہے مگر اہلِ تحقیق کا یہ انداز نہیں ہوتا۔ اور مستشرقین جنہیں دعویٰ ہے کہ وہ علم کے شیدائی اور تحقیق کے شہسوار ہیں انہیں کیا یہ حرکتیں زیب دیتی ہیں کہ بغیر کسی تحقیق کے اس روایت کو نقل کریں، نہ صرف نقل بلکہ اس میں اپنی طرف سے مرچ مصالحہ بھی لگائیں۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری صاحب نے اس مسئلہ پر ضیاء النبی جلد ششم کے آخر میں تفصیلی بحث کی ہے ہم اُن کے ہی مضمون کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں:۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اسلامی ادب اس قسم کی واہیات سے پاک ہوتا لیکن جب یہ روایت سیرت اور تفسیر کی بعض کتابوں میں راہ پا گئی ہیں تو اب اس کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس افسانے کو مندرجہ ذیل زاویوں سے پرکھ کر اس کی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

- شیطان انسان کو گمراہ کرنے کیلئے کس قسم کی کارروائیاں کر سکتا ہے اور کون سے کام اس کیلئے ممکن نہیں ہیں؟
- کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے، بحیثیت رسول ان کلمات کا ادا ہونا ممکن ہے جو اس افسانے میں آپ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں؟
- اس افسانے میں جن مختلف واقعات کو یکجا کیا گیا ہے، کیا ان کی تاریخی حیثیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ انہیں ایک واقعے کی مختلف کڑیاں قرار دیا جاسکے؟
- اس افسانے کو جن ذرائع نے بیان کیا ہے، کیا ان میں اتنی جان ہے کہ ان گنت عقلی اور نقلی دلائل کے مقابلے میں ان پر اعتماد کیا جاسکے؟

❖ کیا روایت کے متن کی خامیاں اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ ان کی موجودگی میں اس روایت پر عقلاً اعتماد کیا جا سکے؟

❖ علمائے ملتِ اسلامیہ کی اکثریت نے اس افسانے کے متعلق کس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے؟

دنیوی اور اُخروی زندگی میں انسانوں کی کامیابی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں نبی اور رسول مبعوث فرمائے اور انہیں کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں ضابطہ ہائے حیات عطا فرمائے تاکہ انسان ان ضابطوں کے مطابق زندگی گزار کر رضائے خداوندی کی منزل تک پہنچ سکیں اور جنت جو آدمیت کا مستقرِ اصلی ہے، جہاں سے ان کے جدِ اعلیٰ کو اغوائے شیطانی کے سبب نکلنا پڑا تھا، اس کی ابدی بہاروں سے دوبارہ لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن شیطان جو حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا تھا اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ نسلِ آدم کو اس جنت سے محروم رکھنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرے گا جس سے آدم و حوا کو نکلوانے کیلئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔

شیطان نے جب بارگاہِ خداوندی سے اپنے ہمیشہ کیلئے دھتکارے جانے کا اعلان سنا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت مانگی جو اسے مل گئی۔ یہ مہلت ملنے کے بعد اس نے اپنے مستقبل کے منصوبوں کا بارگاہِ خداوندی میں یوں علی الاعلان اظہار کیا:۔

قال رب بما اغویتنی لا زینن لھم فی الارض و لا غوینھم اجمعین

الا عبادک منھم المخلصین (سورہ الحجر۔ آیت ۳۹،۴۰)

وہ بولا اے ربّ! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا میں (برے کاموں کو) ضرور خوش نما بنا دوں گا ان کیلئے زمین میں اور میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اس گستاخانہ قول کا جواب ان الفاظ میں دیا:۔

قال ھذا صراط علی مستقیم۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین

فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں گمراہوں میں سے۔ (سورہ الحجر۔ آیت ۴۱،۴۲)

پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کو شیطان کی مخالفانہ چالوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرمائی اور انہیں حکم دیا:۔

یا بنی آدم لایفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوء اتھما انه یراکم ھو وقبیله من حیث لاترونھم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون

اے اولادِ آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اُتروا دیا ان سے اُن کا لباس تا کہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں بے شک دیکھتا ہے تمہیں وہ اور اس کا کنبہ جہاں سے تم نہیں دیکھتے ہو انہیں۔ بلاشبہ ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے۔ (سورہ الاعراف۔ آیت ۲۷)

پیر صاحب لکھتے ہیں، جہاں تک ہدایت کی اس روشنی کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ، انبیاء و رسل کے ذریعے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے نازل فرماتا ہے اس میں دخل اندازی کرنا یا اس کی روشنی کو دھندلا کرنا قطعاً شیطان کے بس سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اس روشنی کو ہر قسم کے شک و شبہے سے پاک رکھنے کیلئے خصوصی انتظام فرمایا ہے۔

قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے رسولوں کو علومِ غیبیہ عطا فرما کر مبعوث فرماتا ہے تو ان علوم وہدایت کے اس سرچشمہ کی حفاظت اس طرح فرماتا ہے:۔

فانه یسلک من بین یدیه و من خلفه رصدا ۔ لیعلم ان قد ابلغوا رسالات

ربھم واحاط بما لدیھم واحصی کل شیئ ء عددا (سورہ جن۔ آیت ۲۸،۲۷)

تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ تا کہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔

ہدایتِ ربانی کی حفاظت کا یہ اہتمام اس وقت اور بھی سخت کر دیا گیا جب اللہ تعالیٰ کا آخری رسول، ہدایت کا آخری صحیفہ لے کر اس دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آسمان پر پہرہ سخت کر دیا گیا۔ جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمانوں پر ہونے والی گفتگو سن سکتے لیکن اب ان کیلئے ایسا کرنا ممکن نہ رہا۔ اب جونہی وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہابوں کا مینہ ان پر برسنے لگتا جس کے باعث ان کا اوپر جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔

قرآن حکیم نے بھی اس حقیقت کو جنوں کی زبانی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

و انا لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرسا شدیدا و شھبا ۔ وانا کنا نقعد منھا

مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له شھابا رصدا (سورہ الجن آیت ۹،۸)

اور سنو! ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کیلئے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائیگا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمانوں کی حفاظت کا جو یہ اہتمام بلیغ فرمایا گیا اس کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ آسمانی ہدایت جو انسانوں کی خاطر نازل ہونے والی تھی وہ ہر قسم کی دخل اندازیوں سے محفوظ رہے۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 613,612)

علامہ شریف الحق امجدی اپنی شرح میں قاضی عیاض کے حوالے سے فرماتے ہیں، امام قاضی عیاض اور علامہ عینی وغیرہ نے اس کی صحت کا شدومد کے ساتھ انکار فرمایا اور اسے باطلِ محض قرار دیا اس لئے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبلیغ میں خطا و سہو بھی شرعاً محال ہے، چہ جائیکہ شیطان کی مداخلت۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے وعدۂ الٰہی ہے کہ واللہ یعصمک من الناس تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان سے محفوظ نہ رکھے وہ بھی تبلیغ احکام میں۔ خود ارشاد فرمایا: و لکن اعاننی اللہ علیہ فاسلم اللہ نے شیطان کے مقابلے میں میری مدد فرمائی تو میں اس سے سلامت رہتا ہوں اور جب حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ شیطان خواب میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبیہ نہیں اختیار کر سکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بیداری میں وہ تلاوتِ وحی کے وقت شیطان آپ کی آواز کے مثل آواز پیدا کر کے وحی میں خلط ملط کر سکے۔

اقول: اس قصے کی تغلیط خود بعد کی آیتیں کر رہی ہیں، ارشاد ہے:۔

الکم الذکر ولہ الانثی ۔ تلک اذا قسمۃ ضیزی ۔ ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان ان یتبعون الا الظن و ما تھوی الانفس و لقد جاء ھم من ربھم الھدی (سورہ النجم آیت ۲۱ تا ۲۳)

کیا تمہارے لئے بیٹا اور اللہ کیلئے صرف بیٹی یہ بہت ہی بھونڈی تقسیم ہے یہ صرف چند نام ہیں جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اُتاری ہے یہ لوگ صرف گمان اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے ربّ کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔ (نزہۃ القاری فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۴۰)

قصہ غرانیق کے متعلق وہ تمام روایات جو خداوند کریم کے اس واضح اعلان سے متصادم ہیں، وہ زندیقوں کی اختراع ہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود کیرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب Muhammad A Biography Of The Prophet میں اپنے اسی مفروضے کی حقیقت یوں بیان کرتی ہیں۔

مغرب میں بعض اسکالروں (مستشرقین) نے یہ مفروضہ قائم کرلیا ہے کہ ان قرآنی آیات میں، جن میں اب نام نہاد 'شیطانی آیات' کے قصے کا ذکر کیا گیا ہے، ان سکالروں کے بقول حضرت محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) نے عارضی طور پر کئی خداؤں کو ماننے کی رعایت دے دی تھی۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 154 مترجم نعیم اللہ ملک مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور)

معلوم ہوا کہ عارضی طور پر خدا ماننے کا مفروضہ مستشرقین نے خود ہی گھڑ لیا۔

مزید آگے لکھتی ہیں، یہاں پر ہمیں واضح کردینا چاہئے کہ بیشتر مسلمان اس قصے کو وضعی اور غیر مستند سمجھتے ہیں۔ وہ اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ قرآن میں ایسے کسی واقعے کا واضح انداز میں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی حضرت محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی احادیث کے ان عظیم مجموعوں میں ایسا کوئی بیان موجود ہے جو نویں صدی میں بخاری اور مسلم نے مرتب کئے تھے۔ مسلمان ان روایات کو اس لئے مسترد نہیں کرتے کہ ان میں تنقید کا پہلو نکلتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روایات کی کوئی معتبر سند موجود نہیں ہے۔ لیکن مغرب کے اسلام دشمنوں نے اس فرضی قصے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور کی ہرزہ سرائی کی ہے۔ (ایضا، صفحہ 155)

مزید آگے اس روایت کے کذب کو یوں آشکارا کرتی ہیں۔

لیکن یہ کہانی (قصہ غرانیق) دوسری روایات اور خود قرآن مجید سے متصادم ہے۔ (ایضا، صفحہ 157)

اپنی گزشتہ کتاب میں اس نام نہاد قصے کے پرخچے اڑاتے ہوئے خود ہی تحریر کرتی ہیں۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ قریش نے رسول کریم (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کے ساتھ مفاہمت کیلئے حضور سے کہا کہ وہ دوسرے دیوتاؤں کے وجود سے انکار کئے بغیر ایک خدا کی پرستش کرنے کو تیار ہیں۔ قریش نے آنحضرت سے یہ بھی کہا کہ آپ صرف اللہ کی پوجا کریں اور وہ خدا کے ساتھ اپنے آبائی معبودوں کی بھی پرستش کریں گے۔ لیکن حضرت محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) نے ایسا کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ (ایضا، صفحہ 160)

ہم کیرن کی ان عبارات کے بعد کیرن آرمسٹرانگ سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا وجہ کہ 1990ء میں آپ نے جو کتاب تحریر کی اس میں جس بات کی نفی کی 8 , 10 سال کے بعد انہی واقعات کو بنیاد بنا کر آپ نے پیغمبر اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی شروع کردی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہوسکتی ہے کیرن صاحبہ! کہ آپ کے من میں چھپا ہوا تعصب و نفرت زیادہ دیر تک اندر نہ رہ سکا اور اپنے پیش رؤوں کی طرح زبان و قلم سے ہذیان اگلنے لگا۔

احبابِ من! یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ذاتِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنہوں نے توحید کے ڈنکے بجائے جنہوں نے ربّ العالمین کی وحدانیت کی تعلیم دی اُن کی زبان سے یہ کلمات نکل جائیں۔ جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور بتوں کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جنہوں نے بچپن میں کبھی ان بتوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، قصہ غرانیق کے متعلق وہ تمام روایات جو خداوند کریم کے اس واضح اعلان سے متصادم ہیں، وہ زندیقوں کی اختراع ہیں اور جن مسلمان علماء نے ان کو اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس خطا سے درگزر فرمائے۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 616)

احبابِ من! یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ذاتِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنہوں نے توحید کے ڈنکے بجائے، جنہوں نے رب العالمین کی وحدانیت کی تعلیم دی اُن کی زبان سے یہ کلمات نکل جائیں۔ جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور بتوں کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جنہوں نے بچپن میں کبھی ان بتوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا۔

جسٹس پیر کرم شاہ صاحب اسی حوالے سے لکھتے ہیں، جس ہستی نے مکّہ میں آنکھ کھولی تھی جہاں بت پرستی اپنے عروج پر تھی لیکن اپنے گردوپیش سے متاثر ہو کر اپنے بچپن میں بھی کبھی بتوں کو اچھی نظر سے نہ دیکھا تھا اس ہستی کے متعلق یہ مفروضہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اس نے خدا کی طرف سے بت شکنی کا فریضہ عطا ہونے کے بعد بھی بتوں کی تعریف کی تھی۔ جس شخص کے شب و روز بتوں کی پرستش کے خلاف جدوجہد میں گزر رہے تھے اس کی زبان سے تو حالتِ خواب میں بھی یا حالتِ بیہوشی میں بھی اس قسم کے الفاظ کا نکل جانا علمِ نفسیات کے اُصولوں کے خلاف ہے کیونکہ عموماً حالتِ خواب میں بھی انسان کی زبان سے اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے جو حالتِ بیداری میں اس کے اعصاب پر چھائے رہتے ہیں اس لئے ہمیں اس بات میں ذرّہ برابر شک نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس قصے کا انتساب غلط ہے اور خدا کے حبیب کا دامن جو ماہِ تاباں سے بھی درخشندہ تر ہے وہ اس دھبے سے مطلقاً پاک ہے۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 617)

پیر صاحب نے اس پر تفصیلاً بحث کی ہم اس کو یہیں اختتام پذیر کرتے ہیں۔ مزید تحقیق کیلئے تفسیر کا مطالعہ کیجئے۔

نسلی برتری کا استشراقی نظریہ

عزیزانِ گرامی! ہم کیرن آرمسٹرانگ اور دیگر مستشرقین سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ انہوں نے نسلی برتری کا جو مغربی اور استشراقی نظریہ گڑھا ہے جس کے مطابق مشرقی اقوام عقلی لحاظ سے کم تر ہیں اور ان کا ذہن تخلیقی قوتوں کے معاملے میں مغربی ذہن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

پیر کرم شاہ الازہری نسلی برتری کے نظریئے کے بارے میں لکھتے ہیں، مستشرقین کے علمی رعب کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کئی صدیاں مسلسل کوشش کی ہے کہ اہلِ مشرق خصوصاً مسلمان ان کی ہر قسم کی برتری کو تسلیم کرلیں۔ ان کوششوں میں ایک بہت بڑی کوشش اہلِ مغرب کی نسلی برتری کا نظریہ ہے۔ اس نظریے کو سب سے پہلے ایک فرانسیسی فلسفی 'اینان' نے پیش کیا۔ 'لیون جوتیہ' اور لاپی (Lapie) نے اس نظریے کو پروان چڑھایا اور پھر مستشرقین اور استعماری طاقتوں نے اس نظریے کی اتنی تشہیر کی کہ یہ فرضی اور بے بنیاد نظریہ ایک ثابت شدہ حقیقت نظر آنے لگا۔

اس نظریئے کی رو سے آریائی اقوام پیدائشی طور پر عقل وفہم اور نظم وضبط کی صلاحیتوں کے لحاظ سے سامی اقوام سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ سامی اقوام جن میں مسلمان سرفہرست ہیں وہ پیدائشی طور پر آریائی نسل کے لوگوں کی نسبت کم تر ہیں۔ وہ نہ اپنے معاملات کو خود سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے مسائل کو خود حل کرسکتے ہیں۔ اہلِ مغرب نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے علمی، سماجی اور نظریاتی اختلافات میں اس نظریے کو خوب استعمال کیا۔ جب مسلمانوں نے ان کے کسی نظریے یا اجتماعی قدر پر اعتراض کیا تو انہوں نے ایک سادہ سا جواب دے کر معاملہ ختم کردیا کہ سامی نسل کے لوگ کم تر فہم و ادراک کے مالک ہیں۔ یہ ان اعلیٰ اقدار کو سمجھنے سے قاصر ہیں جن کو آریائی نسل کی اعلیٰ عقل وفہم نے جنم دیا ہے۔ یہ نظریہ اپنی موت آپ مرجاتا لیکن ممالک شرقیہ پر اہلِ مغرب کے استعماری غلبے نے اس نظریے کو تقویت بخشی۔ مغربی اقوام کو جب تسلط حاصل ہوا تو انہوں نے مغلوب اقوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مغربی تسلط سے پہلے مشرقی اقوام جس بدنظمی کا شکار تھیں اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مشرقی لوگ اپنی فطری کم فہمی اور عدم صلاحیت کی بنا پر اس قابل ہی نہ تھے کہ وہ اپنے سیاسی اور انتظامی معاملات کو خود کنٹرول کرسکتے۔ اہلِ مغرب مشرقی اقوام کو اس بدنظمی سے نجات دلانے کیلئے ان ممالک میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مشرقی اقوام ان کی راہنمائی میں اس راستے پر گامزن ہوں جو انہیں ترقی کی منزل تک پہنچاسکے۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 290,291)

ملائشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد اسی حوالے سے رقم طراز ہیں، ایشیا کے لوگوں کی خود اعتمادی ان سے چھن چکی تھی۔ جس کا ذمہ دار کئی دہائیوں بلکہ صدیوں پر محیط یورپ کا نو آبادیاتی نظام تھا جس نے ان سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت چھین لی تھی۔ ایشیائی عوام' اس احساسِ کمتری میں بری طرح مبتلا تھے کہ وہ اپنے ملکوں کے حکومتی اُمور اپنے طور پر چلانے تک کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ معاشی طور پر بہت زیادہ مضبوط ممالک سے کھلی منڈی میں مقابلہ تو بہت دور کی بات تھی اس کا بیج یورپی ممالک نے ہمارے اندر اپنے سامراجی دور میں بویا تھا اس خیال کو فروغ دیا گیا تھا کہ ایشیائی عوام نسلی طور پر گھٹیا ہیں اور کچھ خاص علوم اور مہارتیں ایسی بھی ہیں جو وہ نہیں سیکھ سکتے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ غریب اور پسماندہ ایشیائی عوام کو عیسائیت کی ترغیب بھی دی جارہی تھی۔ یورپی سامراج اپنے عمل کے جواب میں یہ دلیل دیتے تھے کہ ایشیا کے عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح کے ساتھ ساتھ ان کے روحانی نشو نما کی بھی ضرورت ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایشیائی عوام اس فریب کا شکار ہوتے چلے گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی چند ایسے علوم اور مہارتیں بھی ہیں جو وہ نہیں سیکھ سکتے۔ ان کی حالت ایک ایسے بچے کی مانند ہو چکی تھی جو بغیر کسی بڑے کی مدد کے سڑک بھی پار نہیں کر سکتا۔ (ایشیاء کا مقدمہ صفحہ 34 مطبوعہ جمہوری پبلی کیشنز لاہور جولائی 2005 مترجم نعیم قادر)

آج بھی استعماری، تبشیری اور استشراقی ذرائع ابلاغ بڑی عیاری سے اس نظریئے کا پروپیگنڈہ کرتے نظر آتے ہیں۔

حیرتوں کے پہاڑ تو اس وقت ٹوٹ پڑتے ہیں جب یہی مستشرقین یہودیت اور نصرانیت کو اپنا مذہب، دھرم تسلیم کرتے ہیں اور یہ دونوں مذاہب مشرقی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا تعلق بھی مشرق ہی سے تھا۔

نسلی برتری کے استشراقی نظریئے کو دیکھ کر اور بھی حیرت اس وقت ہوتی ہے جب مستشرقین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ مکہ کا ماحول ایسا تھا وہاں تبدیلی کی خواہش کی بنا پر آپ نے اپنے ذہن کی زبردست تحقیقی صلاحیتوں سے کام لیا۔ یہود و نصاریٰ کی کتب سے استفادہ کیا اور ایک کتاب تصنیف کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مستشرقین سارا زور اس بات پر صرف کر دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے تخلیقی ذہن سے ایک کتاب لکھ ڈالی۔

ہم اُن سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں ایک ایسی کتاب جو چودہ سو سالوں سے پڑھی جارہی ہے کیا کوئی اور کتاب ایسی ہے جس کی اتنی طباعت ہوتی ہو اور اتنی بار پڑھی گئی ہو؟ ہر ایک جانتا ہے آسمان کے نیچے اور کوئی ایسی کتاب نہیں

سوائے قرآن کے۔ اس کے ماننے والے تو رہے ایک طرف وہ لوگ جو اس کے مخالف ہیں ان کی بھی ایک بڑی تعداد اس کتاب کو پڑھنے پر مجبور ہے۔

کیا مستشرقین بتا سکتے ہیں اس کتاب کے علاوہ اس دنیا میں وہ کونسی الہامی اور غیر الہامی کتاب ہے جس کو اس کے ماننے والے اس پر ایمان رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد اس کو زبانی یاد کرتی ہو۔

اور تو اور ہر مسلمان کو اس کتاب کا کچھ حصہ ضرور یاد ہوتا ہے۔ پھر یہ کتاب لوگوں کو زندگی گزارنے کا ڈھب سکھاتی ہے۔ اس کے ماننے والوں کی زندگیوں کو اٹھا کر دیکھ لیں کس قدر سخت دل کہ گھوڑا آگے بڑھ جائے تو نسلیں جنگ کرتے کرتے گزر جاتیں وہ اتنے رحمدل ہو گئے کہ کبوتری ان کے خیموں میں انڈے دیدے تو یہ خیمہ چھوڑ دیتے ہیں مگر کبوتری کے انڈوں کو نہیں توڑتے۔

یہ وہ کتاب ہے جس نے چودہ سو سال پہلے ان سائنسی نظریات کی توجیہات پیش کیں جنہیں سائنس آج اکیسویں صدی میں بھی نہیں جھٹلا سکی۔ اس کتاب نے مستقبل سے متعلق وہ پیشین گوئیاں کیں جن میں اکثر کو سو فیصد صحیح ثابت ہوتے ہوئے دوستوں اور دشمنوں نے یکساں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

آخر مستشرقین بتائیں تو صحیح کہ آخر ایک مشرق سے تعلق رکھنے والی شخصیت جو ان کے نزدیک نبی نہیں اس نے ایسی عظیم الشان کتاب کیسے لکھ ڈالی؟ اگر اس نے لکھ بھی دی تو اسی ٹکر کی کوئی دوسری کتاب کوئی مغرب سے تعلق رکھنے والا شخص کیوں نہ لکھ سکا؟

احبابِ من! مستشرقین نے اسلام کو ختم کرنے اور پیغمبر اسلام کی سیرت کو داغدار کرنے کیلئے ہر ہتھکنڈہ کو اپنایا، ان گنت رقوم، لامحدود صلاحیتیں اس دینِ متین کے خاتمے کیلئے صرف کر دیں مگر اس دینِ متین کو ختم نہ کر سکے۔ ان کی یہ تمام کوششیں ناکام ہوتی چلی گئیں اور ناکام ہوتی چلی جائیں گی۔ انہوں نے یہ تمام کوششیں اس لئے کیں تاکہ کتاب اللہ کو اپنے تخیل کی بنیاد پر کفارِ مکہ کی طرح اِدھر اُدھر کی کہانیوں کا مجموعہ قرار دے سکیں۔

اگر یہ ایسا ہی تھا تو قرآن حکیم کا چیلنج قبول کر لیتے۔

قرآن حکیم کا چیلنج

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله

وادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صادقین (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۳)

اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ

ایک سورت اس جیسی اور بلالو اپنے حمائتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

اس طرح نہ کفارِ مکہ اور نہ ہی مستشرقین کو ان گنت ڈالر خرچ کرنے پڑتے اور نہ ہی ان کو اپنی لا محدود صلاحیتوں کو ادھر استعمال کرنا پڑتا۔ اور یہ چیلنج آج بھی موجود ہے اگر مستشرقین اپنے قول میں سچے ہیں کہ یہ کتاب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے خود لکھی ہے تو لے آئیں ایسی ہی دوسری کتاب۔

قسم خدا کی تمام مستشرقین مل جائیں بلکہ سوائے خدا کے ہر حمائیتی کو اپنے ساتھ ملا لیں اور ایک ایسی کتاب لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکیں گے۔

قرآن اور بائبل کا تقابلی جائزہ

کیرن آرم سٹرانگ اور دیگر مستشرقین اس بات کی کوشش میں تخریبی تخیل کے سہارے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی کتاب کیلئے مواد یہود و نصاریٰ اور بائبل سے لیا ہے۔ بقول مس کیرن کہ آپ انبیاء کرام ' حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کی کہانیوں سے واقف تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

ہم ان سطور میں اس بات کو ثابت کریں گے کہ ایک ہی واقعے کے متعلق موجودہ بائبل کیا بیان کرتی ہے اور قرآن مجید اسی واقعہ کے متعلق کیا بیان کرتا ہے۔

اس تقابلی جائزہ سے قارئین خود ہی انصاف کر سکیں گے کہ قرآن مجید موجودہ بائبل سے کس قدر اعلیٰ ہے اور قرآن کا اندازِ بیان کس قدر مہذب ہے۔ ایسی مقدس کتاب، ایسی اعلیٰ کتاب کے متعلق یہ خیال کرنا کس قدر غلط ہے کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں کے مضامین چرا کر لکھی گئی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ

بائبل تکوین میں حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق لکھا ہے:۔

آدمی اور اُس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے۔ (تکوین باب 2 آیت 24)

بائبل کی مذکورہ بالا عبارت اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ آدم علیہ السلام اور حضرت حوا میں شرم وحیا نہ تھی۔

اسی کتاب کے باب 3 میں حضرت آدم علیہ السلام کیلئے لکھا ہے:۔

اس لئے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ (تکوین باب 3 آیت 17)

اس کے بعد بائبل خاموش ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ کیا حضرت آدم علیہ السلام کی بھول معاف ہوئی؟ حضرت آدم علیہ السلام کے فضائل کیا ہیں؟ ان کی عظمت کے متعلق بائبل بالکل ہی خاموش ہے۔

اور اب قرآن حکیم کا اندازِ بیاں حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق ملاحظہ کیجئے:۔

مسجودِ ملائکہ:۔

واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبروکان من الکافرین (سورہ بقرہ۔ آیت ۳۴)

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے،

منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

نیتِ آدم:۔

و لقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد له عزما (سورہ طہٰ۔ آیت ۱۱۵)

اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے)

سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔

قربِ الٰہی:۔

ثم اجتباہ ربه فتاب علیه و ھدی (سورہ طہٰ۔ آیت ۱۲۲)

پھر (اپنے قرب کیلئے) چن لیا انہیں اپنے ربّ نے اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔

یہ اندازِ بیاں ملاحظہ کیجئے قرآن کا تہذیب و شائستگی کا کیا اعلیٰ معیار نظر آتا ہے۔

قابیل و ہابیل کا تذکرہ

بائبل میں قابیل کا نام قائین ہے۔ قائین اور ہابیل کے متعلق بائبل میں درج ذیل واقعہ لکھا ہے:۔

قائین نے اپنے بھائی ہابیل پر حملہ کر کے اسے مارڈالا۔ (تکوین باب 4 آیت 8)

اب کیا ہوا؟۔۔۔ کیا قائن کو کوئی سزا دی گئی؟۔۔۔ کیا اس کو راندۂ درگاہ ٹھہرایا گیا؟

بائبل (تحریف شدہ) یہاں پر قائن کیلئے عجیب قانون جاری کرتی ہے جس کو پڑھ کر عقل و دانش ورطۂ حیرت میں پڑجاتی ہیں کہ کیا یہ کلامِ الٰہی ہو سکتا ہے؟

اسی بائبل میں قائن کے متعلق جو ہیچ ہے ملاحظہ کیجئے اور سر دھنیے۔۔۔ خداوند نے اس سے کہا۔ ہر گز نہیں۔ جو کوئی قائین کو مارڈالے اس سے سات گنا بدلہ لیا جائے گا اور خداوند نے قائین کیلئے ایک نشان ٹھہرایا کہ کوئی اسے پاکر مار نہ ڈالے۔ (پیدائش باب ۴ آیت ۱۵)

احبابِ من! ملاحظہ کیجئے ایک قاتل کو کس قدر مراعات دی جارہی ہیں کہ جو ایک قاتل کو مار ڈالے گا سات گنا بدلہ اُس سے لیا جائے گا۔

ایک قاتل سے متعلق یہ فیصلہ، یہ رعایت، یہ مراعات، یہ اصول عالمِ دنیا کیلئے کس قدر ہولناک اور خطرناک ہے، اس سے کوئی انصاف پسند شخص انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید نے اس واقعہ سے متعلق فرمایا:۔

فتكون من اصحاب النار (سورہ مائدہ۔ آیت ۲۹)

ہو جائے تو دوزخیوں میں سے۔

فقتله فاصبح من الخاسرين (سورہ مائدہ۔ آیت ۳۰)

پس سو قتل کر دیا اُسے (ہابیل کو) اور ہو گیا سخت نقصان اُٹھانے والوں سے۔

پھر قرآن نے اس واقعے کو یونہی ختم نہیں کیا بلکہ انسانی جان کی قدروقیمت اور انسان کو ہلاک کرنے کے وبالِ سخت اور گناہِ عظیم کو یوں بیان کیا:

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاہا فکانما احیا الناس جمیعا (سورہ مائدہ۔ آیت ۳۲)

اسی وجہ سے (حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا کسی جان کو تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو۔

اب اہلِ انصاف بائبل اور قرآن مجید دونوں کے فرق کو بخوبی دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی باشعور یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن بائبل کے مضامین کا مجموعہ ہے؟ ۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں!

حضرت نوح علیہ السلام

بائبل میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر تکوین کے چھ باب سے شروع ہوتا ہے اور دس پر ختم ہو جاتا ہے اور ان پانچ ابواب میں نوح علیہ السلام کے بارے میں ان کی کشتی کی تیاری اور طوفانِ نوح کا آنا اور جانا اور نوح علیہ السلام کی اولاد کا ذکر موجود ہے:۔

- لیکن یہ کتاب حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی کوششوں کے بارے میں خاموش ہے۔
- اس میں یہ تذکرہ کہیں موجود نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کیا نصیحت کی؟
- کس بات کی دعوت دی؟۔۔۔ کس طرف بلایا؟
- اس کتاب میں جس کے بارے میں مستشرقین کہتے ہیں کہ اس کے مضامین قرآن نے چرائے ہیں کہیں یہ نہیں بتاتی کہ جو لوگ طوفان میں ہلاک کر دیئے گئے ان کا جرم کیا تھا؟ ان سے کون سا گناہ سرزد ہوا تھا؟
- اس کتاب میں جس کے بارے میں مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے استفادہ کر کے اپنی کتاب لکھی تھی یہ بتانے سے قاصر ہے کہ ان کی ہلاکت ہی بطور آخری علاج کیوں اختیار کر گئی؟
- اور نہ یہ کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جن لوگوں کے پاس بھیجے گئے تھے وہ کس قماش کے لوگ تھے؟
- اور کون لوگ اس طوفان میں ہلاک ہوئے؟

لیکن قرآن کریم ان تمام اُمور پر روشنی ڈالتا ہے۔ قرآن مجید نے بتایا:۔

۱۔ انا ارسلنا نوحا الی قومه (سورہ نوح۔ آیت ۱)

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔

۲۔ کتنے عرصے تک اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے:

و لقد ارسلنا نوحا الی قومه فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاما (سورہ عنکبوت آیت ۱۴)

اور بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال۔

۳۔ بتایا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کی ان کو نصیحت کی۔

۴۔ جب نوح علیہ السلام ان کو نصیحت کرتے، تبلیغ کرتے خدا کی وحدانیت کی دعوت دیتے شرک سے منع فرماتے تو وہ کیا کہتے:

وقالوا لا تذرن آلھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا (سورہ نوح۔ آیت ۲۳)

اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہر گز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو

اور (خاص طور پر) وَدّ اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو۔

۵۔ نوح علیہ السلام جب ان کو تبلیغ کرتے تو ان کا رویہ کیا ہوتا تھا:

وانی کلما دعوتھم لتغفرلھم جعلوا اصابعھم فی آذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا ۔ ثم انی دعوتھم جھارا۔ ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا (سورہ نوح۔ آیت ۷ تا ۹)

اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لئے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجہ کے متکبر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی پھر انہیں کھلے بندوں میں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔

۶۔ اور بتایا کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی ایمان نہیں لائیں گی بلکہ گمراہی پھیلائیں گی:

یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا (سورہ نوح۔ آیت ۲۷)

وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار، سخت ناشکر گزار ہو گی۔

۷۔ وہ لوگ جن کو ہلاک کیا اُن کیلئے قرآن کہتا ہے:

فاخذھم الطوفان وھم ظالمون (سورہ عنکبوت۔ آیت ۱۴)

آخر کار آلیا ان کو طوفان نے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔

قارئین کرام! قرآن مجید نے تو اس واقعے کو بہت مفصل بیان کیا ہے لیکن بائبل اس کو بیان نہیں کرتی۔

حضرت نوح علیہ السلام اور بائبل کی روایات

حضرت نوح علیہ السلام کی تعریف بیان کرتے ہوئے بائبل کہتی ہے:۔

نوح اپنی کشتیوں میں صادق اور کامل آدمی تھا اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ (تکوین باب 6 آیت 9)

لیکن اس صادق اور کامل ہستی کے بارے میں تورات کی جب یہ آیات گزرتی ہیں تو انسان حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔

بائبل کی عبارت ہے، اور نوح کھیتی کرنے لگا اور اس نے انگور کا باغ لگایا اور اس کی مے پی کر نشے میں آیا اور اپنے ڈیرے کے اندر برہنہ ہو گیا اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو جو باہر تھے خبر دی تب سام اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اپنے دونوں کاندھوں پر دھرا اور پچھلے پاؤں جاکر اپنے باپ کی برہنگی کو چھپایا اور ان کے منہ پچھلی طرف تھے اور انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی کو نہ دیکھا جب نوح مے کے نشے سے ہوش میں آیا تو جو کچھ اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا جانا۔ (تکوین باب 9 آیت 20 تا 25)

ذرا سوچئے! ذرا غور کیجئے! کیا لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھانے، اُن کو تقویٰ و پرہیز گاری کی راہ بلانے والا جو نبی بھی ہو ایسی اخلاق باختہ حرکت اس سے سرزد ہو سکتی ہے؟

کیا اخلاقی طور پر پیغمبر اتنی پستی میں جا سکتا ہے کہ وہ شراب پیے اور پھر شراب پی کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور ڈیرے میں برہنہ ہو جائے جہاں اس کی بہو بیٹیاں بھی موجود ہوں (معاذ اللہ) ۔۔۔۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا!

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا نے اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ حیا سوز مے خواری کا یہ واقعہ اس عظیم شخصیت کی پاکیزہ سیرت پر محض الزام ہے:

Nos does the shameless drunkness of Noah accord well with the character of the pious hero of the flood story. (Encyclopaedia Britanica, Volume-16, Page# 476)

قرآن مجید ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ چند اور لوگ بھی اس طوفان کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے، ان کے بارے میں بائبل خاموش ہے۔ قرآن مجید ان کے بارے میں بتاتا ہے:

قیل یا نوح اهبط بسلام منا و برکات علیک و علی امم ممن معک (سورہ ھود۔ آیت ۴۸)

ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اُترئیے امن و سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔

قرآن مجید یہ بھی بتاتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد کبھی منقطع نہ ہو گی:

وجعلنا ذریته هم الباقین (سورہ الصفت۔ آیت ۷۷)

اور ہم نے بنادیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔

قرآن حضرت نوح علیہ السلام کی شان کس طرح بیان فرماتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وترکنا علیه فی الآخرین (سورہ الصفت۔ آیت ۷۸)

اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکرِ خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔

سلام علی نوح فی العالمین (سورہ الصفت۔ آیت ۷۹)

نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔

انا کذلک نجزی المحسنین (سورہ الصفت۔ آیت ۸۰)

ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔

انه من عبادنا المؤمنین (سورہ الصفت۔ آیت ۸۱)

بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔

کیا مستشرقین بتا سکیں گے حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق یہ سارے واقعات، یہ ساری عظمتیں تو بائبل نے کہیں بیان نہیں کی پھر قرآن مجید میں یہ سارے واقعات کہاں سے آئے اور اس کا اندازِ بیان ایسا کہ انسان اس زبان کی عظمت کے سامنے اس کے معیارِ تخاطب کو دیکھ کر عش عش کر اٹھتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ

ما هذا کلام البشر 'یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا'

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم سے متعلق بھی موجودہ بائبل گونگی نظر آتی ہے جبکہ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمتوں، رفعتوں اور آپ کی تبلیغی کاوشوں کو مفصل بیان کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

فجعلھم جذاذا (سورۃ الانبیاء۔ آیت ۵۸)

پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے متعدد واقعات قرآن کریم نے مفصل بیان کئے ہم صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے چند واقعات کو یہاں بیان کریں گے۔ (انبیائے کرام کے تفصیلی واقعات کو تذکرۃ الانبیاء میں ملاحظہ کیجئے)

حضرت ابراهیم علیہ السلام کا مناظرہ

الم تر الی الذی حآج ابراھیم فی ربه ان آتاه الله الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحیی ویمیت قال انا احیی و امیت قال ابراھیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۵۸)

کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!) اسے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اسے) کہ میرا ربّ وہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی جِلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے تو تُو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سن کر) ہوش اُڑ گئے اس کافر کے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی تو آپ کی قوم آپ سے جھگڑا کرنے لگی۔ آپ نے ان کی مخالفت کی ذرا پرواہ نہیں کی۔

قرآن نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا۔

وحآجه قومه قال اتحاجونی فی الله وقد ھدان ولا اخاف ما تشرکون به الا ان یشاء ربی شیئا وسع ربی کل شییء علما افلا تتذکرون (سورہ انعام۔ آیت ۸۱)

اور جھگڑنے لگی اُن سے اُن کی قوم آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دیدی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنھیں تم شریک بناتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا گھیرے ہوئے ہے میرا ربّ ہر چیز کو (اپنے) علم سے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کروگے۔

حضرت ابراهیم علیہ السلام اور بھڑکتی آگ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر رکھ دیا تو کافر کہنے لگے۔

قالوا حرقوه و انصروا آلهتكم ان كنتم فاعلين ـ قلنا يا ناركونى بردا و سلاما على ابراهيم

(سب یک زبان ہو کر) بولے جلاڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کیلئے۔ (سورہ الانبیاء۔ آیت ۶۹،۶۸)

بائبل ان تمام واقعات وحکایات پر خاموش ہے۔ بائبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلائے کلمۃ اللہ، آپ کی تبلیغ، آپ کی دینی کوششوں اور کاوشوں کے بارے میں ذکر تک نہیں کرتی۔ موجودہ بائبل اگر کچھ تذکرہ کرتی ہے تو محسوس یہ ہوتا ہے کہ حقائق کو مسخ کیا گیا ہے۔

بائبل میں لکھا ہے، اُس (سارہ) نے ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اس کے بیٹے کو نکال دے۔ (تکوین باب 21 آیت 10)

بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کے کہنے کے مطابق حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو گھر سے نکال دیا تھا۔

مزید آگے بائبل کہتی ہے، تب ابراہیم نے دوسرے دن صبح کو اٹھ کر روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیا اور ہاجرہ کے کاندھے پر رکھا اور لڑکا اسکے حوالے کر کے اُسکو رخصت کیا اور وہ روانہ ہوئی اور بیر شابع کے جنگل میں بھٹکتی پھری۔ (ایضاً، آیت ۱۴)

احبابِ من! بائبل کی اس عبارت سے حضرت ابراہیم کے رحم اور انصاف پر بہت سے اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے جب اس واقعے کا تذکرہ کیا تو اس کا حسن بیان بھی ملاحظہ کیجئے۔ مقصد یہ ہے کہ توحید کی دعوتِ عام ہو جائے اور ایک مرکز قائم ہو جائے جہاں اللہ واحد کی عبادت ہو اور آپ کا کنبہ توحید کے پیغام کو عام کرنے کیلئے دور دراز تک پھیل جائے۔

قرآن مجید فرقانِ حمید فرماتا ہے:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلاۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (سورہ ابراہیم۔ آیت ۳۷)

اے ہمارے ربّ! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب! یہ اس لئے تا کہ وہ قائم کریں نماز پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔

اس پاکیزہ غرض اور بائبل کی عبارت کا تقابل ملاحظہ کیجئے۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان، آپ کی عظمت کس قدر اعلیٰ پیرائے میں بیان کی ہے۔ کیا قرآن کا یہ حسنِ بیان دیکھنے کے بعد کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین بائبل سے لئے گئے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بائبل کی کتاب تکوین کے باب 19 میں موجود ہے۔

تمام کی تمام بائبل پڑھ ڈالیے مگر کہیں بھی آپ کو یہ نہیں ملے گا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو کیا تبلیغ کی۔ آپ کی قوم نے آپ کو کیا جواب دیا؟

آپ کی تبلیغی کوششوں میں بائبل خاموش ہے۔ بلکہ ایک ایسا جھوٹا اور بے ہودہ واقعہ موجود ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس کو گھڑنے والوں نے یہ رذیل واقعہ نبی کیلئے گھڑا اور حضرت لوط علیہ السلام کی عصمت کو داغدار کرنے کی سعی کی۔

بائبل کی روایت ہے، اور لوط صوعر سے نکل کر پہاڑ پر جا رہا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں۔ کیونکہ صوعر میں رہنے سے وہ ڈرتا تھا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے اور بڑی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں رہا جو تمام جہان کے دستور کے موافق ہمارے پاس اندر آئے۔ آؤ ہم اس کو مے پلائیں اور اس سے ہم بستر ہوں اور اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں اور انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور بڑی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ کر چلی گئی اور دوسرے روز بڑی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ گذشتہ رات کو میں اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی اس سے ہم بستر ہو کہ ہم اپنے باپ سے نسل بچا رکھیں اور اس رات کو بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی اندر گئی اور اس سے ہم بستر ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور اُٹھ کر چلی گئی۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ (کتاب تکوین باب 19 آیت 30 تا 36)

اس ناپاک اور بے ہودہ قصے کے جھوٹے ہونے کی گواہی خود بائبل دے رہی ہے۔

تکوین باب 19 میں ہے، دیکھ یہ شہر قریب ہے جس میں میں بھاگ سکتا ہوں۔ (تکوین باب 19 آیت 20)

اس گھناؤنے اور گندے فعل کے جواز کیلئے جو دلیل پیش کی ہے کہ زمین پر کوئی مرد نہیں جو ہمارے قریب آئے۔ یہ بات ہی جھوٹ ہے کیونکہ باب 19 کی 20 تا 25 آیت میں شہر سفر کی موجودگی اور سلامتی کا ذکر ہے پھر وہ لڑکیاں کیونکر کہہ سکتی ہیں کہ زمین پر کوئی مرد نہیں۔

قرآن کریم اس قسم کے بے ہودہ واقعات سے پاک ہے پھر کیونکر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن بائبل سے اخذ کیا گیا ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری بائبل کی اس غلیظ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں، ' نعوذ باللہ من ذلک کہاں نبوت کا مقام رفیع اور کہاں یہ اخلاقی پستی جس کے ارتکاب کا خیال آج بھی گھٹیا سے گھٹیا آدمی نہیں کر سکتا۔ سچ ہے یہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی کام تھا کہ انبیاء سابقین کے تقدس اور ان کی عصمت کو بیان کریں جن پر ان کے ماننے والوں نے یہ قبیح الزامات لگا رکھے تھے۔ (ضیاء القرآن جلد دوم صفحہ 53)

عزیزانِ گرامی! بس معمولی سا تذکرہ نظر آتا ہے بائبل میں حضرت لوط علیہ السلام کا باقی حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں بائبل خاموش ہے۔

خود بائبل کا مفسر لکھتا ہے، آخر میں غور کریں کہ اس کے بعد لوط کا کچھ بیان نہیں ہوتا اس کے بعد پاک نوشتے اس کے بارے میں خاموش ہیں۔ (تفسیر الکتاب جلد ا صفحہ 86,87)

لیکن قرآن کریم حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں بڑی تفصیل بیان کرتا ہے:

و لوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العالمين

انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون (سورہ اعراف۔ آیت ۸۱،۸۰)

اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو۔

آپ کی قوم نے اس کے جواب میں کیا کہا قرآن اس کو بھی بیان کرتا ہے:

قالوا اخرجوهم من قريتكم انهم اناس يتطهرون (سورہ اعراف۔ آیت ۸۲)

وہ بولے باہر نکال دو انھیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاک باز بنتے ہیں۔

ایک اور جگہ حضرت لوط علیہ السلام کی مساعی تبلیغ اور ان کی قوم کے جواب کو یوں بیان کیا۔

كذبت قوم لوط المرسلين ـ اذ قال لهم اخوهم لوط الا تتقون ـ انى لكم رسول امين۔ فاتقوا الله واطيعون ـ وما اسالكم عليه من اجران اجرى الا على رب العالمين۔ اتاتون الذكران من العالمين ـ وتذرون ما خلق لكم ربكم من ازواجكم بل انتم قوم عادون (سورۃ الشعراء۔ آیت ۱۶۰تا۱۶۶)

جھٹلایا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو جب کہا ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟ بیشک میں تمہارے لئے رسولِ امین ہوں پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو اور مَیں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو ربّ العٰلمین ہے کیا تم بد فعلی کیلئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے ربّ نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔

ان کی قوم نے کیا جواب دیا بائبل ان تمام واقعات کو بیان کرنے سے قاصر ہے:

قالوا لئن لم تنته يا لوط لتكونن من المخرجين (سورۃ الشعراء۔ آیت ۱۶۷)

وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔

قوم کے اس جواب میں حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

قال انى لعملكم من القالين رب نجنى واهلى مما يعملون فنجيناه واهله اجمعين (۱۶۸تا۱۷۰)

آپ نے فرمایا (سن لو!) میں تمہارے اس (گندے) فعل سے بیزار ہوں میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔

ایک انصاف پسند شخص قرآن کے حسنِ بیان کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ جبکہ بائبل کی عبارت ملاحظہ کیجئے:۔

اور جب صبح ہوئی فرشتوں نے لوط سے تاکید کر کے کہا اُٹھ اپنی بیوی اور اپنی دونوں بیٹیوں کو جو یہاں ہیں لے ایسا نہ ہو کہ تو بھی اس شہر کے قصور کے باعث ہلاک ہو جائے اور جب وہ دیر کر رہا تھا انہوں نے اس کا اور اس کی بیوی کا اور اس کی دونوں بیٹیوں کا ہاتھ پکڑا کیونکہ خداوند اس پر مہربان ہوا اور اس کو نکال کر شہر کے باہر کر دیا۔ (تکوین باب 19 آیت 15,16)

قرآن بیان کر رہا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم سے اس کی سرکشی کے سبب بیزار ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں اپنے ربّ سے کہ اے میرے رب! تو نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو جبکہ بائبل کہہ رہی ہے کہ وہ دیر کر رہے تھے فرشتوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر نکالا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بائبل میں ہے، اور یعقوب نے مَسُور کی دال پکائی اور عیسو جنگل سے آیا اور وہ تھکا ہوا تھا اور عیسو نے یعقوب سے کہا کہ اس مسور کی دال میں سے کچھ مجھے کھانے کو دے کیونکہ میں تھکا ہوا ہوں اسلئے اس کو ادوم کہا گیا یعقوب نے کہا کہ آج اپنے پہلوٹھے ہونے کا حق میرے پاس بیچ عیسو نے کہا دیکھ میں مرا جاتا ہوں سو پہلوٹھا ہونا میرے کس کام آئے گا تب یعقوب نے کہا کہ آج میرے پاس قسم کھا تب اس نے اس کے پاس قسم کھائی اور اپنے پہلوٹھے ہونے کا حق یعقوب کے پاس بیچا تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی اس نے کھایا اور پیا اور اٹھ کر چلا گیا سو عیسو نے اپنے پہلوٹھے ہونے کے حق کو حقیر جانا۔ (تکوین باب 25 آیت 29 تا 34)

قارئین کرام! اس قصے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی عظمت یا شان بیان ہو رہی ہے جنھوں نے اپنے سگے بھائی کو مسور کی دال اور روٹی اس وقت تک نہیں دی جب تک اس سے وہ حق جو قدرت نے اسے عطا کیا تھا، لے نہیں لیا۔ بائبل کے باب 27 کا مطالعہ کریں جس میں یہ بے ہودہ واقعہ درج ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھوں شراب پی۔

سو وہ (یعقوب) اس کے پاس لایا اور اس نے کھایا اور وہ اس کیلئے مے لے آیا اور اس نے پی۔ (تکوین باب 27 آیت 25)

حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں جب اس طرح کی عبارتیں نظروں سے گزرتی ہیں۔ بائبل میں دھوکہ دہی اور فریب کاری کا یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام سے منسوب ہے:۔

جب اسحاق کی عمر زیادہ ہوئی اور اس کی آنکھیں دھندلا گئیں کہ وہ دیکھ نہ سکتا تھا تو اس نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کو بلایا اور اس سے کہا اے میرے بیٹے وہ بولا میں حاضر ہوں تب اس نے کہا کہ دیکھ اب میری عمر زیادہ ہو گئی اور اپنے مرنے کا دن نہیں جانتا سو اب تو اپنے ہتھیار اور اپنا ترکش اور اپنی کمان لے اور جنگل کو جا اور میرے لئے شکار کر اور میرے لئے لذیذ کھانا جیسا کہ میں پسند کرتا ہوں تیار کر اور میرے پاس لا کہ میں کھاؤں تا کہ اپنے مرنے سے پہلے میں دل سے تجھے برکت دوں اور جب اسحاق اپنے بیٹے عیسو سے باتیں کر رہا تھا تو رِفقہ سن رہی تھی اور عیسو جنگل کو گیا کہ شکار مارے اور لے آئے تب رفیقہ نے اپنے بیٹے یعقوب سے کلام کر کے کہا کہ دیکھ میں نے تیرے باپ کو تیرے بھائی عیسو سے کلام کرتے سنا کہ میرے لئے شکار لا اور میرے واسطے لذیذ خوراک تیار کر تا کہ میں اس سے کھاؤں اور اپنے مرنے سے پیشتر خداوند کے آگے تجھے برکت دوں سو اب اے میرے بیٹے اس حکم کے موافق جو میں تجھے دیتی ہوں میری بات مان

ابھی گلہ میں جاکر وہاں سے بکری کے دو اچھے بچے میرے پاس لا اور میں تیرے باپ کیلئے ان سے لذیذ کھانا جیسا کہ وہ پسند کرتا ہے پکاؤں گی اور تو اسے اپنے باپ کے آگے لے جانا تاکہ وہ کھائے اور اپنے مرنے سے پیشتر تجھے برکت دے۔ تب یعقوب نے اپنی ماں سے کہا کہ میرے بھائی عیسو کے بدن پر بال ہیں اور میرا بدن صاف ہے شاید میرا باپ مجھے چھوئے اور میں اس کے ساتھ گویا مسخری کرنے والا ٹھہروں اور برکت نہیں لعنت اپنے اوپر لاؤں۔ اس کی ماں نے اسے کہا کہ تیری لعنت مجھ پر ہو اے میرے بیٹے تو میری بات مان اور جاکر میرے لئے انہیں لا۔ تب وہ گیا اور انہیں اپنی ماں کے پاس لے آیا اور اس کی ماں نے اسے لذیذ کھانا جیسا کہ اس کا باپ پسند کرتا تھا پکایا اور رفیقہ نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کے نفیس کپڑے جو گھر میں اس کے پاس تھے لئے اور اپنے چھوٹے بیٹے یعقوب کو پہنائے اور بکری کے بچوں کی کھالیں اس کے ہاتھوں اور اس کی گردن پر جہاں بال نہ تھے لپیٹیں۔ اور وہ لذیذ کھانا اور روٹی جو اس نے تیار کی تھی اپنے بیٹے یعقوب کو دی۔ تب اس نے اپنے باپ کے پاس آکر کہا اے میرے باپ وہ بولا دیکھ میں سنتا ہوں تو کون ہے میرے بیٹے؟ یعقوب اپنے باپ سے بولا کہ میں عیسو ہوں تیرا پہلوٹھا جیسا تو نے مجھ سے کہا میں نے ویسا ہی کیا۔ اب اُٹھ کر بیٹھ اور میرے شکار میں سے کچھ کھا۔ تاکہ تو دل سے مجھے برکت دے۔ تب اسحاق نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو نے ایسا جلد کیونکر پایا اے میرے بیٹے وہ بولا اس لئے کہ خداوند تیرا خدا میرے آگے لایا۔ تب اسحاق نے یعقوب سے کہا اے میرے بیٹے نزدیک آ کہ میں تجھے چھوؤں کہ آیا تو میرا بیٹا عیسو ہے کہ نہیں؟ اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے پاس گیا اور اس نے اسے چھو کر کہا آواز تو یعقوب کی ہے پر ہاتھ عیسو کے ہیں اور اس نے اسے نہ پہچانا۔ اس لئے کہ اس کے ہاتھوں پر اس کے بھائی عیسو کی طرح بال تھے اور جب برکت دینے لگا اور کہا کیا تو میرا بیٹا عیسو ہی ہے؟ وہ بولا کہ میں ہوں تب اس نے کہا کہ کھانا میرے پاس لا کہ میں اپنے بیٹے کے شکار سے کچھ کھاؤں تاکہ دل سے تجھے برکت دوں، سو وہ اس کے پاس لایا اور اس نے کھایا اور اس کیلئے مے لایا اور اس نے پی پھر اس کے باپ اسحاق نے اسے کہا کہ اے بیٹے نزدیک آ اور مجھے چوم وہ نزدیک گیا اور اسے چوما تب اس نے اس کے لباس کی خوشبو پائی اور اسے برکت دی۔ (تکوین باب 27 آیت 1 تا 27)

مزید آگے مرقوم ہے، اور جب اسحاق یعقوب کو برکت دے چکا اور یعقوب اپنے باپ کے حضور سے باہر نکلا وہیں اس کا بھائی عیسو اپنے شکار سے پھرا اس نے بھی لذیذ کھانا پکایا اور اسے اپنے باپ کے پاس لایا اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ اُٹھ اور اپنے بیٹے کا شکار کھا تاکہ تو دل سے مجھے برکت دے اسکے باپ اسحاق نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ وہ بولا میں عیسو تیرا پہلوٹھا بیٹا ہوں اور اسحاق نے بشدت خوف کھایا اور نہایت ہی حیران ہو کر کہا کہ وہ کون تھا جو شکار کر کے میرے پاس لایا جس سے میں نے تیرے آنے سے پہلے کھا بھی لیا اور میں نے اسے برکت دی اور برکت

اس پر رہے گی۔ جب عیسو نے اپنے باپ کی باتیں سنیں تو بڑی بلند اور تلخ آواز سے چلا اُٹھا اور غمگین ہو کر اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ مجھے برکت دے۔ وہ بولا کہ تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لے گیا۔ تب اس نے کہا کیا اس کا نام یعقوب ٹھیک نہیں رکھا گیا؟ (تکوین باب 27 آیت 30 تا 36)

بائبل کا مفسر بھی اس واقعے پر حیرت کا شکار ہو جاتا ہے اور ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی چیخوں کو صفحۂ قرطاس پر یوں رقم کرتا ہے۔

یعقوب نے کیسی ہنر مندی (چالاکی) اور یقین کے ساتھ اس سازش کو نبھایا کون سوچ سکتا تھا کہ یہ سادہ مزاج شخص اس قسم کے منصوبہ میں اپنا کردار ایسی خوبی سے ادا کرے گا؟ یاد رکھیں جھوٹ بولنا بہت تیزی سے سیکھ لیا جاتا ہے میں حیران ہوں کہ دیانت دار یعقوب کس آسانی سے یہ کہہ گیا کہ میں تیرا پہلوٹھا بیٹا عیسو ہوں۔ اور کیسے کہہ گیا کہ میں نے تیرے کہنے کے مطابق کیا ہے۔ جبکہ اس نے باپ سے یہ حکم نہیں لیا تھا بلکہ اپنی ماں کے کہنے کے مطابق کر رہا تھا؟ وہ کیسے کہہ گیا میرے شکار کا گوشت کھا۔ جبکہ وہ جانتا تھا کہ وہ میدان سے نہیں بلکہ باڑے سے آیا ہے؟ سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ کیسے اعتماد سے اس نے اپنی کامیابی کو خدا کی طرف سے قرار دیا اور اس فریب میں اس کا نام استعمال کیا خداوند تیرے خدا نے میرا کام بنا دیا۔ کیا یہ یعقوب ہے؟ کیا یہ اسرائیل ہے جس میں مکر نہیں؟ (تفسیر سرالکتاب جلد اوّل صفحہ 109)

قارئین کرام! اندازہ لگایئے جس کتاب کو عام پڑھنے والا نہیں بلکہ اس کا مفسر حیرت کا شکار ہو جائے اس کتاب کے بارے میں یہ کہنا کہ قرآن کے مضامین اس کتاب سے ماخوذ ہیں کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

کسی نے ایسے شاطر لوگوں کیلئے خوب کہا ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

عزیزانِ گرامی! قرآن کریم کا انداز بیان ملاحظہ کیجئے کس طرح شانِ انبیاء کو بیان کر رہا ہے:۔

وھبنا لہ اسحاق ویعقوب و کلا جعلنا نبیا (سورہ مریم۔ آیت ۴۹)

تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔

اور انہیں ہم نے اپنی خاص رحمت سے عطائیں کیں:۔

و وھبنا لھم من رحمتنا وجعلنا لھم لسان صدق علیا (سورہ مریم۔ آیت ۵۰)

اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے ان کیلئے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کر دی۔

بائبل نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر کیسے کیسے الزامات عائد نہیں کئے۔ کہیں آپ کیلئے یہ کہا کہ آپ نے اپنے باپ کو مے پلائی۔ کہیں آپ نے اپنے باپ کو دھوکا دیا۔ کہیں آپ نے اپنے بھائی کے خلاف سازش کی اور نہ جانے کن کن الزامات سے آپ کے مقدس اور پاکیزہ کردار کو الزام تراشیوں سے داغدار کرنے کی کوشش کی۔

جبکہ قرآن آپ کی عظمت شان کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا کی برکت

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو اذیت پہنچائی اس پر انہوں نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی آپ رب العزت کی بارگاہ میں ہماری مغفرت کی دعا کریں۔ قرآن نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

قالوا یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین قال سوف استغفر لکم ربی

انہ ھو الغفور الرحیم (سورہ یوسف۔ آیت ۹۸،۹۷)

بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگئے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی بیشک ہم ہی قصور وار تھے فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے ربّ سے بیشک وہی غفور رحیم ہے۔

بائبل کے الزامات اور قرآن کریم کا حضرت یعقوب کی شان بیان کرنا کتنا واضح فرق ہے۔ اس کھلے فرق کے بعد بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن بائبل کے قصوں کا مجموعہ ہے۔

اسی بائبل میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے منسوب یہ عجیب وغریب واقعہ بھی ملاحظہ کیجئے:۔

اُس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ لڑائی لڑی اور غالب آیا۔ (تکوین باب 32 آیت 28)

اس کی تفسیر میں پادری میتھیو لکھتا ہے:۔

فرشتہ بڑی ملائمت اور انکساری سے درخواست کرتا ہے کہ مجھے جانے دے جیسے خدا نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تو مجھے اب چھوڑ دے۔ یعقوب اپنی پاکیزہ بلاہٹ پر قائم رہتا ہے جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہیں دوں گا فتح یابی کی خوشی کا فائدہ تب ہی ہوگا جب ساتھ برکت کے تسلی بھی ہوگی۔ یہ برکت مانگ کر وہ اپنی کمتری کا اعتراف کرتا ہے حالانکہ کشتی میں وہ غالب نظر آتا ہے۔ فرشتہ اس کا نام بدل کر اس پر عزت کا ایک دائمی نشان لگاتا ہے فرشتہ کہتا ہے تو ایک بہادر جنگجو مرد ہے دلیرانہ ڈٹ جاتا ہے تیرا نام کیا ہے؟ یعقوب کہتا ہے میرا نام یعقوب یعنی ایڑی پکڑنے والا ہے۔ زور یا چالبازی سے سبقت لے جانے والا۔ فرشتہ کہتا ہے خیر اب سے تو اسرائیل یعنی خدا سے زور آزمائی کرنے والا۔ خدا کا سردار، شہزادہ کہلائے گا۔ یعقوب کو اس میدان میں گویا اعزازی خطاب دیا گیا جو تا ابد قائم رہے گا مگر اتنا ہی نہیں تھا اس نے خدا سے زور آزمائی کی وہ آدمیوں سے بھی زور آزمائی کرے گا۔ (تفسیر الکتاب جلد اوّل صفحہ 126)

قارئین کرام! خود انصاف کیجئے کہ یہ عبارت کیسی ہے اس میں شان بیان ہو رہی ہے یا تنقیص کی جا رہی ہے کہ اس نے خدا سے زور آزمائی کی وہ آدمیوں سے بھی زور آزمائی کرے گا۔ اور خدا تعالیٰ کی شان میں بے ادبی بھی بہت واضح۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اس قدر تحریف کی گئی ہے کہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کی اہانتیں پائی جاتی ہیں اور اس کے برعکس اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو اندازِ بیان سے ہٹ کر ہر نبی کی عظمتِ شان کو بیان کیا جا رہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ بائبل کتاب تکوین کے باب 37 اور 39 سے 50 تک ملتا ہے، اسی میں مذکور ہے کہ اور یوسف نے ان کے باپ کے پاس ان کے بارے میں قبیح افواہ پہنچادی۔ (تکوین باب 37 آیت 2)

اس فقرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام (معاذاللہ) چغلی کیا کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کے بارے میں بائبل کا اندازِ بیان ملاحظہ کیجئے، پھر اس نے اور خواب دیکھا اور اسے اپنے بھائیوں سے بیان کر کے کہا کہ میں نے ایک اور خواب دیکھا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے میرے آگے جھکے اور جب اس نے یہ اپنے باپ اور بھائیوں سے بیان کیا تب اسکے باپ نے اسے جھڑکا اور اسے کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تونے دیکھا ہے؟ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی آئیں گے اور زمین تک تیرے آگے جھکیں گے، پس اس کے بھائیوں نے اس سے حسد کیا لیکن اس کے باپ نے اس بات کو دل میں رکھا۔ (تکوین باب 37 آیت 9 تا 11)

قرآن کریم نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا مگر اس کا حسنِ بیان، اس کی فصاحت وبلاغت کس قدر ممتاز ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ

اذ قال یوسف لابیه یا ابت انی رایت احد عشر کوکبا و الشمس و القمر رایتهم لی ساجدین قال یا بنی لا تقصص رؤیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا ان الشیطٰن للانسان عدو مبین و کذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمته علیک وعلی آل یعقوب کما اتمها علی ابویک من قبل ابراهیم و اسحاق ان ربک علیم حکیم (سورہ یوسف۔ آیت ۴تا۶)

(یاد کرو) جب کہا یوسف نے اپنے والد سے اے میرے (محترم) باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو میں نے انھیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں آپ نے فرمایا اے میرے بچے نہ بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا ربّ اور سکھا دے گا تجھے باتوں کا انجام (یعنی خوابوں کی تعبیر) اور پورا فرمائیگا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر جیسے اس نے پورا فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحٰق پر یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔

قارئین کرام! حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمتِ شان اور اوصاف جس طرح قرآن کریم بیان فرماتا ہے بائبل ان کی شان اور اوصاف بیان کرنے میں ساکت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے بائبل میں یہ واقعہ ملاحظہ کیجئے:۔

اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی بیوی کی آنکھ اس پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو لیکن اس نے انکار کیا اور اپنے آقا کی بیوی سے کہا دیکھ میرے آقا کو کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے خبر نہیں اور اس نے اپنا سب کچھ میرے ہاتھ میں سونپ دیا ہے اور اس گھر میں مجھ سے بڑا کوئی نہیں اور اس نے سوا تیرے چونکہ تو اس کی بیوی ہے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی تو ایسی بڑی بدی اور خدا کا گناہ میں کیوں کروں؟ اور گو وہ اسے روز بروز کہتی تھی مگر اس نے نہ مانا کہ اس کے ساتھ سوئے تا کہ اس سے زنا کرے اتفاق سے ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اپنے کام کیلئے گھر میں آیا اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اس نے اس کا دامن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو وہ اپنا جُبہ اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا جُبہ میرے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس نے اپنے گھر کے لوگوں کو چلا کر بلایا اور کہا دیکھو وہ کیسے عبرانی کو ہمارے پاس لایا کہ وہ ہم سے کھیل کرے وہ اندر آیا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو اور میں بڑے زور سے چلائی جب اس نے سنا کہ میں نے آواز بلند کی اور چلائی تو وہ اپنا جُبہ میرے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا سو اس نے اس کا جُبہ اپنے پاس رکھا جب تک کہ اس کا آقا گھر میں نہ آیا تب اس نے ویسی ہی باتیں اس سے کہیں اور کہا کہ یہ عبرانی غلام جس کو تو ہمارے پاس لایا اندر گھس آیا کہ میرے ساتھ کھیل کرے اور ایسا ہوا کہ جب میں نے آواز بلند کی اور چلا اُٹھی تو وہ اپنا جُبہ میرے پاس چھوڑ کر باہر بھاگ گیا۔ جب اس کے آقا نے یہ باتیں جو اس کی بیوی نے کہیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے یوں کیا سنیں تو اس کا غضب بھڑکا اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑوایا اور اس کو بادشاہ کے قیدیوں کے ساتھ قید خانہ میں بند کروایا پس وہ قید خانہ میں رہا۔ (تکوین باب 39 آیت 7 تا 20)

اب اسی واقعہ کو قرآن کریم میں ملاحظہ کیجئے اور حسن بیان پر عش عش کر اٹھئے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه و غلقت الابواب و قالت هیت لک قال معاذ الله انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظالمون ۔ ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین ۔ واستبقا الباب و قدت قمیصه من دبر و الفیا سیدها لدی الباب قالت ما جزاء من اراد باهلک سوء االا ان یسجن او عذاب الیم ۔ قال هی راودتنی عن نفسی و شهد شاهد من اهلها ان کان قمیصه قد من قبل فصدقت وهو من الکاذبین ۔ وان کان قمیصه قد من دبر فکذبت وهو من الصادقین ۔ فلما رای قمیصه قد من دبر قال انه من کیدکن ان کیدکن عظیم ۔ یوسف اعرض عن هذا و استغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین (سورہ یوسف۔ آیت ۲۳ تا ۲۹)

اور بہلانے پھسلانے لگی انھیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب براری کرے اور (ایک دن) تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی بس آ بھی جا یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل۔ یوں ہوا تا کہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چُن لئے گئے ہیں اور دونوں دوڑ پڑے دروازہ کی طرف اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا ان کا کرتہ پیچھے سے اور (اتفاق ایسا ہوا کہ) ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے خاوند کو دروازے کے پاس جھٹ بول اُٹھی (میرے سرتاج! بتایئے) کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے یا (اسے) دردناک عذاب دیا جائے آپ نے (جواباً) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے بہلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب براری کرے اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا (کہ دیکھو!) اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جھوٹ بولا اور یوسف سچوں میں سے ہے پس جب عزیز نے دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اُٹھا یہ سب تم عورتوں کا فریب ہے بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے اے یوسف (پاکباز) اس بات کو جانے دو اور (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ بیشک تو ہی قصورواروں میں سے ہے۔

اب قرآن کی بائبل کی عبارت سے تقابل کیجیے۔

بائبل میں مذکور ہے کہ عزیزِ مصر نے اپنی بیوی کے کہنے سے آپ کو قید میں ڈال دیا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے اپنے نبی کی برأت بیان فرمائی؟ یہاں بائبل آپ کی بے گناہی کو ثابت کرنے سے قاصر ہے۔

آپ کی عظمت و بے گناہی اور آپ کی عصمت کو قرآن نے بیان فرمایا اور بتایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک گواہ سے گواہی دلوائی اور پھر عزیز مصر نے بھی اپنی بیوی ہی کو ملامت کی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ مصر کی عورتوں نے بھی یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی گواہی دی۔

قال ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسه قلن حاش للہ ما علمنا علیه من سوء

بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا جب تم نے یوسف کو بہلایا تھا اپنی مطلب براری کیلئے

(بیک زبان بولیں) حاشااللہ! نہیں معلوم ہوئی ہمیں اس میں ذرا برائی۔ (سورہ یوسف۔ آیت ۵۱)

یہ سن کر زُلیخا عزیز مصر کی بیوی سے رہا نہ گیا اور اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اور طہارت نفس کی گواہی دی قرآن بیان کرتا ہے:

قالت امراۃ العزیز الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقین ۔ ذلک لیعلم انی لم اخنه بالغیب وان اللہ لا یهدی کید الخائنین ۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم (سورہ یوسف۔ ۵۱ تا ۵۳)

عزیز کی بیوی (گویا رائے ضبط نہ رہا) کہنے لگی اب تو آشکارا ہو گیا حق میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اپنی مطلب براری کیلئے بخدا وہ تو سچا ہے (یوسف نے کہا) یہ میں نے اس لئے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغابازوں کی فریب کاری کو اور میں اپنے نفس کی برأت (کا دعویٰ) نہیں کرتا بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا ربّ رحم فرماوے۔ یقیناً میرا ربّ غفور رحیم ہے۔

کیا قرآن کریم کی اس فصاحت وبلاغت اور عظمت کو دیکھنے کے بعد بھی یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بائبل کے مضامین سُن کر ان کو اپنی زبان میں ڈھال لیا تھا۔

مستشرقین کے نزدیک تو قرآن مجید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تخیل کا نتیجہ ہے، کیا مستشرقین یہ بتا سکتے ہیں جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ موجودہ بائبل اللہ کی کتاب ہے اس کا اندازِ بیان قرآن کے مقابلے میں کم تر کیوں ہے؟ بائبل میں قرآن جیسی فصاحت وبلاغت کیوں نہیں پائی جاتی؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مکہ کے اس معاشرہ میں پیدا ہوئے جہاں بقول مستشرقین انتشار برپا تھا لوگ بے چین وپریشان تھے۔ ذرا یہ تو بتایئے کہ اسی منتشر معاشرے کے ایک شخص نے قرآن مجید جیسی کتاب کیسے لکھ ڈالی جس کا اسلوبِ بیان بائبل سے کئی گنا ارفع واعلیٰ اور فصاحت وبلاغت کا حامل ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام

بائبل میں سب سے زیادہ طویل واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب دین کی دعوت دینے کیلئے بھیجا اس واقعے کو بائبل نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

تب موسیٰ نے جواب میں کہا کہ اگر وہ میرا اعتبار نہ کریں نہ میری بات سنیں بلکہ کہیں کہ خداوند تجھ پر ظاہر نہیں ہوا تو میں ان سے کیا کہوں تب خداوند نے اس سے کہا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ بولا عصا ہے اس نے کہا اسے زمین پر پھینک دے اس نے زمین پر پھینک دیا تو وہ سانپ بن گیا اور موسیٰ اس کے سامنے سے بھاگا تب خداوند نے موسیٰ سے کہا اپنا ہاتھ بڑھا اور اس کو دم سے پکڑ لے اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا وہ اس کے ہاتھوں میں عصا ہو گیا اس نے کہا اس سے وہ اعتبار کرینگے کہ خداوند ان کے باپ دادا کا خدا، ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا تجھ پر ظاہر ہوا پھر خداوند نے اسے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر رکھ تو اس نے اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر رکھا اور جب نکالا تو دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کی مانند مبروص تھا پھر اس نے کہا تو اپنا ہاتھ پھر اپنی چھاتی پر رکھ اس نے پھر رکھا جب باہر نکالا تو وہ اس کے باقی بدن جیسا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اگر وہ تجھ پر ایمان نہ لائیں اور پہلے معجزہ کی آواز کو نہ سنیں تو دوسرے معجزہ کی آواز کو مانیں گے اور اگر وہ ان دونوں معجزوں پر ایمان نہ لائیں اور تیری بات نہ سنیں تو تو دریا کا پانی لے کر زمین پر چھڑک دے اور وہ پانی جو تو دریا سے لے گا زمین پر خون ہو جائے گا۔ تب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے میرے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں میں فصاحت سے بول نہیں سکتا، نہ کل اور نہ اس سے پہلے کیونکہ میں رک رک کر بولتا ہوں اور میری زبان میں لکنت ہے تب خداوند نے کہا کہ آدمی کو منہ کس لئے دیا؟ اور کون گونگا یا بہرہ یا بینا یا اندھا پیدا کرتا ہے؟ کیا میں نہیں کرتا جو خداوند ہوں؟ پس اب تو جا اور میں تیرے منہ کے ساتھ ہوں گا اور جو کچھ تجھے کہنا ہو گا تجھ کو سکھاؤں گا۔ تب اس نے کہا اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ کسی اور کے ہاتھ سے جس کو تو چاہے یہ پیغام بھیج تب خداوند کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا۔

(خروج باب 4 آیت 1 تا 14)

بائبل کی اس عبارت کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بارِ نبوت کو اُٹھانے کیلئے رضامند نہیں تھے اور بہانے کر رہے تھے، اس پر خداوند کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا۔ بائبل کی اسی عبارت سے متعلق بائبل کا مفسر لکھتا ہے:۔

موسیٰ اب بھی اپنی تفویض شدہ خدمت سے پیچھے ہٹ رہا ہے اب ہم اسے اس کی عاجزی اور کم سخنی پر محمول نہیں کر سکتے بلکہ ماننا پڑے گا کہ اس کی وجہ حد سے زیادہ بزدلی، کاہلی اور بے اعتقادی ہے۔ (تفسیر الکتاب جلد اوّل صفحہ 179)

مزید آگے لکھتا ہے:۔

جب اس دلیل کے خلاف فیصلہ سنا دیا گیا اور سارے بہانوں کے جواب دے دیئے گئے تو موسیٰ نے عرض کی اے خداوند! میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج اور مجھے بھیڑ بکریاں چرانے کو مدیان ہی میں رہنے دے۔ خدا کیسی بندہ نوازی سے اس کے سارے بہانوں کے جواب دیتا ہے حالانکہ خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا تو بھی اس سے دلیل بازی کرتا ہے اور آخر اس پر غالب آتا ہے آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا؟ موسیٰ جانتا تھا کہ خدا نے انسان کو بنایا ہے اب اسے یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ خدا نے انسان کا منہ بھی بنایا ہے اور انسان کے سارے قویٰ پر اسی کو قدرت اور اختیار حاصل ہے۔ (ایضاً)

جبکہ قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مساعی تبلیغ کو یوں بیان کرتا ہے:

ثم بعثنا من بعدهم موسیٰ بآیاتنا الی فرعون و ملئه فظلموا بها فانظر کیف کان عاقبة المفسدین

پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے انکار کر دیا ان کا سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۰۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شانِ اعلائے کلمۃ اللہ حق کو یوں بیان کرتا ہے:

و قال موسیٰ یا فرعون انی رسول من رب العالمین حقیق علی ان لا اقول علی اللہ الا الحق قد جئتکم ببینة من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل قال ان کنت جئت بآیة فات بها ان کنت من الصادقین فالقی عصاه فاذا هی ثعبان مبین و نزع یده فاذا هی بیضاء للناظرین (سورہ اعراف۔ آیت ۱۰۴تا۱۰۸)

اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے۔ میں آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیل لیکر تمہارے ربّ کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدھا بن گیا اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کیلئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذھب الی فرعون انه طغی (سورہ طہ۔ آیت ۲۴)

(اب) جایئے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔

بائبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کرتی ہے کہ آپ نے فرعون کے پاس جانے سے گریز کیا اور بہانے بنائے اس پر خداوند غصے سے بھڑکا۔

لیکن قرآن کا اندازِ بیان ملاحظہ کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کیلئے فرعون کی طرف بھیجا تو آپ نے جو جواب دیا قرآن اس کو یوں بیان کرتا ہے:۔

قال رب اشرح لی صدری ۔ ویسرلی امری ۔ واحلل عقدة من لسانی۔ یفقھوا قولی
واجعل لی وزیرا من اھلی ۔ ھارون اخی ۔ اشدد به ازری ۔ واشرکه فی امری
کی نسبحک کثیرا ۔ ونذکرک کثیرا۔ انک کنت بنا بصیرا (سورہ طہ۔ آیت ۲۵ تا ۳۵)

آپ نے دعا مانگی اے میرے پروردگار! کشادہ فرمادے میرے لئے میرا سینہ اور آسان فرمادے میرے لئے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات اور مقرر فرما میرا وزیر میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے مضبوط فرمادے اس سے میری کمر اور شریک کردے اسے میری (اس) مہم میں۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں بیشک تو ہمارے (ظاہر و باطن) کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا ارشاد ہوتا ہے:۔

قال قد اوتیت سؤلک یا موسیٰ (سورہ طہ۔ آیت ۳۶)

جواب ملا منظور کرلی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ!

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں تبلیغ کیلئے پہنچے تو انہوں نے کیا جواب دیا۔

بائبل یہاں خاموش ہے قرآن بیان کرتا ہے:۔

قال ان کنت جئت بآیة فات بھا ان کنت من الصادقین ۔ فالقی عصاه فاذا ھی ثعبان مبین۔ ونزع یده فاذا ھی بیضاء للناظرین۔ قال الملا من قوم فرعون ان ھذا لساحر علیم ۔ یرید ان یخرجکم من ارضکم فماذا تامرون (سورہ اعراف۔ آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰)

فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدھا بن گیا اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کیلئے۔ کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

جادوگروں کا اجتماع

فرعون کے وزیروں نے اس کو مشورہ دیا کہ ملک مصر میں بڑے بڑے جادوگر موجود ہیں ان کو بلایئے اور ان دونوں بھائیوں سے مقابلہ کروایئے تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور مجمع عام کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے کرتبوں کی حقیقت کھل جائے گی، اس تدبیر سے ہم ان دونوں بھائیوں سے نجات پالیں گے۔

قالوا ارجه واخاه وارسل فى المدآئن حاشرين۔ ياتوك بكل ساحر عليم۔ وجاء السحرة فرعون

بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے تا کہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو اور آگئے جادوگر فرعون کے پاس۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۱۱ تا ۱۱۳)

جادوگر فرعون کے دربار میں

پورے ملک سے چوٹی کے نامور جادوگر فرعون کے دربار میں جمع ہو گئے اور انہیں اس بات کا علم تھا کہ فرعون نے اپنے تخت کو سہارا دینے کیلئے ان کا سہارا لیا ہے لہٰذا انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آجائیں تو ہمیں کیا انعام دیا جائے گا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا۔

وجاء السحرة فرعون قالوا ان لنا لاجرا ان كنا نحن الغالبين ۔قال نعم وانكم لمن المقربين

اور آگئے جادوگر فرعون کے پاس جادوگروں نے کہا یقیناً (آج تو) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہئے اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آجائیں۔ فرعون نے کہا بیشک اور (اس کے علاوہ) خاصانِ بارگاہ سے ہو جاؤ گے۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۱۴،۱۱۳)

جادوگروں سے مقابلہ

بائبل نے جادوگروں سے مقابلے کا حال یوں بیان کیا ہے:۔

پس موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے اور جیسا خداوند نے ان سے کہا تھا کیا۔ ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پھینکا تو وہ سانپ بن گیا تب فرعون نے داناؤں اور جادوگروں کو بلایا تو مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا ان میں سے ہر ایک نے اپنا عصا پھینکا تو وہ سانپ بن گئے پر ہارون کا عصا ان کے عصاؤں کو نگل گیا۔ (خروج باب 7 آیت 10 تا 12)

جبکہ قرآن کریم فصاحت وبلاغت کے ساتھ اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے:

قالوا یا موسیٰ اما ان تلقی و اما ان نکون نحن الملقین ۔ قال القوا فلما القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاء وا بسحر عظیم ۔ و اوحینا الی موسیٰ ان الق عصاک فاذا ھی تلقف ما یا فکون ۔ فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون ۔ فغلبوا ہنالک وانقلبوا صاغرین (سورہ اعراف۔ آیت ۱۱۵ تا ۱۱۹)

جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں آپ نے فرمایا تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انھیں اور مظاہرہ کیا انہوں نے بڑے جادو کا اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈالئے اپنا عصا تو وہ فوراً نگلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا حق و باطل جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل وخوار ہو کر۔

ان جادوگروں کا انجام کیا ہوا بائبل اس پر خاموش ہے لیکن قرآن کریم اس واقعہ کو مفصل بیان کرتا ہے:

والقی السحرۃ ساجدین ۔ قالوا آمنا برب العالمین ۔ رب موسیٰ و ھارون ۔ قال فرعون آمنتم بہ قبل ان آذن لکم ان ھذا لمکر مکرتموہ فی المدینۃ لتخرجوا منھا اھلھا فسوف تعلمون ۔ لا قطعن ایدیکم و ارجلکم من خلاف ثم لاصلبنکم اجمعین ۔ قالوا انا الی ربنا منقلبون ۔ وماتنقم منا الا ان آمنا بآیات ربنا لما جاء تنا ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین

اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو ربّ ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون نے کہا تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمہیں اجازت دیتا بیشک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا میں (پہلے) کٹوا دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے پھر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو وہ بولے (پرواہ نہیں) ہم تو اپنے ربّ کی طرف جانے والے ہیں اور تو کیا ناپسند کرتا ہے

ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ آگئیں ہمارے پاس اے ہمارے ربّ! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۲۰تا۱۲۶)

ان واقعات کا بائبل میں ذکر تک نہیں۔

اگر قرآن بائبل ہی سے ماخوذ ہے تو موجودہ بائبل میں قرآن جیسی فصاحت و بلاغت کیوں نہیں پائی جاتی ؟ اس لئے کہ اس میں اس حد درجہ تحریف کی جاچکی ہے اور موجودہ بائبل یہودی وعیسائی علماء کی تخلیقی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں۔

ہمیں بالکل معلوم نہیں کہ اناجیل کس نے لکھی ہیں؟ جب وہ پہلی بار ظہور پذیر ہوئیں تو انہیں گمنام تحریروں کے ذریعے سے پھیلایا گیا۔ بعد میں انہیں رفتہ رفتہ ابتدائی دنوں کے کلیسا کی اہم شخصیتوں سے منسوب کیا جانے لگا۔ ان کے مصنفین وہ 'یہودی عیسائی' تھے جو یونانی زبان میں لکھتے تھے اور وہ رومن ایمپائر کے ان شہروں میں رہتے تھے جو یونانیوں سے منسوب تھے وہ نہ صرف تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنا مخصوص تعصب رکھتا تھا بلکہ وہ کسی تحریر کو قابل اشاعت بنانے کے اس فن میں بھی مہارت رکھتے تھے جس کا مظاہرہ انہوں نے قدیم مواد کی تدوین کاری میں کیا۔ (The Bible The Biography از کیرن ارمسٹرانگ صفحہ 77 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگارشات پبلشرز 2009ء)

اسی کتاب کی ابتداء میں لکھتی ہیں، بائبل میں شروع ہی سے کوئی متحدہ پیغام نہیں تھا جب مرتبین (یہودی عیسائی) عہد نامہ کے صحائف کو یکجا کرنے لگے تو انہوں نے ان کے باہمی طور پر متصادم تصورات کو بھی شامل کر دیا اور انہیں کسی تبصرے کے بغیر پہلو بہ پہلو جوڑ دیا۔ شروع کے مرتبین نے ورثے میں جو کلام پایا انہوں نے اس کے متن پر نظر ثانی کرنے میں خود کو آزاد پایا اور اس آزادی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے بالکل مختلف معنی پہنا دیئے۔ دورِ مابعد کے مفسرین اپنے دور کے مسائل کیلئے بائبل میں سے عمل کے نمونے تلاش کرتے رہے۔ بعض اوقات تو وہ اسے اپنا نظریہ حیات وضع کرنے کیلئے استعمال کرتے اور اسے تبدیل کرنے میں بھی خود کو آزاد سمجھتے۔ (ایضاً صفحہ 18)

Johon C. Dwyer اپنی کتاب Church History میں لکھتا ہے، اناجیل میں وارد مسیح یسوع کے بیشمار الفاظ اور کلام لفظ بلفظ وہ کلام اور الفاظ نہیں جو مسیح نے ادا کئے۔ (Church History از Johon C. Dwyer صفحہ 25 مترجم عمانوایل نیئو مطبوعہ کیتھیکیٹیکل سنٹر کراچی جولائی 1997)

ولیم اوشے اپنی کتاب At Home With GOD' s People میں لکھتا ہے، بائبل مقدس کی پہلی پانچ کتابیں جنہیں یہودی توریت کہتے ہیں ان پانچ کتابوں کو ان کی الہامی کتابوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ پانچ کتابیں تکوین، خروج، احبار، عدد، اور استثنیہ شرع کی کتابیں ہیں ان کتابوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا مصنف موسیٰ ہے لیکن اب انکشاف ہوا ہے کہ پانچ سو سال قبل از مسیح یہ کتابیں اپنی حتمی شکل کو پہنچیں اور یہ عرصہ موسیٰ کی وفات کے بعد کئی صدیوں پر محیط ہے در حقیقت ان کتابوں کو قلمبند کرنے میں کئی لوگوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے مختلف قدیم روایات کو جمع کیا۔ (At Home With GOD' s People از ولیم اوشے / پیٹر گیگن صفحہ 62 مترجم عمانوایل نیئو مطبوعہ کیتھیکیٹیکلسنٹر کراچی دسمبر 1994)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سینکڑوں برس گزرنے کے بعد جس قوم کو یہ انکشاف ہوا کہ عہد نامہ قدیم کے مصنف موسیٰ علیہ السلام نہیں وہ قوم قدیم روایت کے مجموعہ کو کیونکر خدا کا کلام کہہ سکتی ہے۔

توحید یا شرک

بائبل خروج میں ہے، پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے تجھے فرعون کیلئے گویا خدا ٹھہرایا اور تیرے بھائی ہارون کو تیرا پیغمبر۔ (خروج باب 7 آیت 1)

قارئین کرام! اس عبارت پر غور کیجئے کیا توحید کی دعوت اس طرح دی جاتی ہے؟

کیا وحدانیت کا چرچا خدا بن کر کیا جاتا ہے؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا بن سکتا ہے تو خدا کی وحدانیتِ ذات اور وحدانیتِ صفات کیونکر قائم رہ سکتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

لیس کمثلہ شیء (سورہ شوریٰ۔ آیت ۱۱)

کوئی بھی چیز خدا کے مانند نہیں۔

خداوند کی زیارت

بائبل بیان کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کے ستر لوگ طور پر چڑھے اور انہوں نے خدا کو دیکھا۔ بائبل میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

اسرائیل کے بزرگوں میں سے ستر شخص اوپر چڑھ گئے اور انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا اور اس کے پاؤں کے نیچے گویا کہ نیلم کے پتھر کا چبوترا سا تھا جو آسمان کی مانند شفاف تھا اور بنی اسرائیل کے برگزیدوں پر اس نے اپنا ہاتھ نہ بڑھایا پس انہوں نے خدا کو دیکھا اور کھایا اور پیا۔ (خروج باب 24 آیت 10,11)

جبکہ بائبل کی دوسری عبارت اس کتاب خروج کی تردید اس طرح کرتی ہے:۔

تب خداوند نے آگ میں سے تمہارے ساتھ کلام کیا تم نے کلام کیا آواز تو سنی مگر کوئی شکل نہ دیکھی صرف آواز ہی سنی۔ (استثنیہ شرع باب 4 آیت 12)

اور خروج کی اوپر بیان کی گئی عبارت کا رد عہد نامہ جدید میں اس طرح ہے:۔

نہ اسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ (تیمستھیس باب 6 آیت 16)

بائبل کی عبارتیں خود ایک دوسرے کا رد کر رہی ہیں۔

بائبل کی تعلیمات اور حضرت ہارون علیہ السلام

حضرت ہارون علیہ السلام سے متعلق بائبل کا یہ گھڑا ہوا واقعہ ملاحظہ کیجئے:۔

اور لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اُترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اُٹھ ہمارے لئے معبود بنا جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں سرزمین مصر سے باہر نکال لایا ہم نہیں جانتے کہ اس کو کیا ہوا ہارون نے ان سے کہا کہ اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں اور اپنی بیٹیوں کے کانوں کی سونے کی بالیاں اُتارو اور انہیں میرے پاس لاؤ تو سب بنی اسرائیل نے سونے کی بالیاں جو ان کے کانوں میں تھیں اُتاریں اور ہارون کے پاس لے آئے تو اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لیا اور سانچے میں ڈال کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا تو انہوں نے کہا اے اسرائیل! یہ تیرا معبود ہے جو ملکِ مصر سے تجھے باہر نکال لایا اور ہارون نے جب یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور ہارون نے منادی کر کے کہا کہ کل خداوند کیلئے عید ہے اور وہ اگلے دن سویرے اُٹھے اور سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کے ذبیحے گذارنے اور لوگ کھانے اور پینے کو بیٹھے تب کھیلنے کو اُٹھے۔ (خروج باب 32 آیت 1 تا 6)

بائبل کی یہ عبارت اس جلیل القدر معصوم نبی کے بارے میں ہے جس نے فرعون کے دربار میں کلمۂ حق بلند کیا۔ جس نے سرکش فرعون کو دعوتِ توحید دی۔ جس نے توحید کے علم کو مصنوعی خداؤں کے درمیان میں بلند کیا اور ان جھوٹے خداؤں کی تکذیب کی جو پاک جلیل القدر نبی کا بھائی اور خود نبی تھا۔ مسلمانوں میں ایسے افعال کا مرتکب شخص ادنیٰ درجہ کا مسلمان کہلانے کا بھی حق نہیں رکھتا، بائبل کی عبارت اس مقدس ذات پر شرک اور بت سازی کی تہمت لگا رہی ہے۔

قرآن مجید بائبل کی اس عبارت کا رد کر کے حقیقتِ حال کو اس طرح بیان کرتا ہے:

قال فانا قد فتنا قومک من بعدک واضلھم السامری (سورہ طہٰ۔ آیت ۸۵)

ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو
تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے۔

مزید آگے فرمایا:۔

فاخرج لھم عجلا جسدا لہ خوار فقالوا ھذا الھکم والہ موسیٰ فنسی
افلا یرون الا یرجع الیھم قولا ولا یملک لھم ضرا ولا نفعا (سورہ طہٰ۔ آیت ۸۸،۸۹)

پھر سامری نے بنا نکالا ان کیلئے بچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا پھر سامری اور اس کے چیلوں نے کہا (اے فرزندانِ یعقوب) یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کیلئے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا۔

ہارون علیہ السلام کی برأت کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے:۔

و لقد قال لهم هارون من قبل يا قوم انما فتنتم به و ان ربكم الرحمن فاتبعوني و أطيعوا امری

اور بیشک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے اور بلاشبہ تمہارا ربّ تو وہ ہے جو بیحد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ (سورہ طہ۔ آیت ۹۰)

قوم نے حضرت ہارون علیہ السلام کی نصیحت اور خیر خواہی کا کیا جواب دیا:۔

قالوا لن نبرح عليه عاكفين حتى يرجع الينا موسیٰ (سورہ طہ۔ آیت ۹۱)

قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (علیہ السلام)۔

قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون سے پوچھا کہ ان گمراہوں کو انہوں نے کیوں نہیں روکا۔

قال يا هارون ما منعک اذ رايتهم ضلوا (سورہ طہ۔ آیت ۹۲)

موسیٰ نے کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔

اور اس کے جواب میں حضرت ہارون کا جواب بھی بیان فرمایا:۔

قال يا ابن ام لا تاخذ بلحيتي ولا براسی انی خشيت ان تقول
فرقت بين بنی اسرائيل و لم ترقب قولی (سورہ طہ۔ آیت ۹۴)

ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے (بھائی!) نہ پکڑو میری داڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو کہ میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔

مس کیرن آرم اسٹرانگ اور بزمِ مستشرقین کے قلمی شہہ سوارو! تحقیق کے میدان میں بائبل کی حیثیت کے بارے میں کیا کہو گے۔

یہ آپ اور آپ کے اہلِ کتاب اپنے نبی، اپنے پیشوا، اپنے رہبر کو بت ساز اور بت پرستی کی ترغیب دینے والا بتا رہے ہیں۔

قارئین کرام! کیا اب بھی کوئی دانش مند یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کے واقعات بائبل سے ماخوذ ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق بائبل میں لکھا ہے:۔

ایک شام کو ایسا ہوا کہ داؤد اپنے پلنگ سے اُٹھا اور شاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا تو چھت پر سے اس نے ایک عورت کو نہاتے دیکھا اور وہ عورت بڑی خوب صورت تھی تو داؤد نے آدمی بھیج کر اس عورت کی بابت دریافت کیا تو اس سے کہا گیا کہ وہ بتسابع بنت اِلی عام اور یاہ حتّی کی بیوی ہے تو داؤد نے قاصد بھیج کر اس کو منگوایا سو وہ اس کے پاس آئی تب اس نے اس کے ساتھ صحبت کی اور جب وہ اپنی نجاست سے پاک ہوئی تو اپنے گھر چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوئی تو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی اور کہا کہ میں حاملہ ہوں۔(کلام مقدس سموئیل دوم باب 11 آیت 2تا6)

پھر اسی باب میں لکھا ہے کہ داؤد نے اس عورت کے شوہر کو جنگ میں ایسی جگہ بھیجا جہاں وہ مر گیا۔

اسی باب کی آیت ۲۷ میں ہے کہ تو اس نے اپنے شوہر کیلئے ماتم کیا جب اس کے ماتم کے دن پورے ہوئے تو داؤد نے اس کو بلا کر اپنے گھر رکھا اور وہ اس کی بیوی بنی اور اس کیلئے بیٹا پیدا ہوا اور یہ جو داؤد نے کیا خداوند کی نگاہ میں برا تھا۔ (کلام مقدس سموئیل دوم باب 11 آیت 27)

اور انہی واقعات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے پادری میتھیو لکھتا ہے، اس میں زناکاری، جھوٹ، قتل اور آخر میں شادی سب کچھ سے خداوند ناراض تھا خدا اپنے لوگوں میں گناہ دیکھتا اور سخت ناخوش ہوتا ہے بلکہ جو لوگ خدا کے جتنا نزدیک ہوتے ہیں ان کا گناہ خدا کو اتنا ہی زیادہ ناخوش اور ناراض کرتا ہے کوئی شخص داؤد کو نمونہ بنا کر گناہ کرنے کی ہمت نہ کرے کیونکہ گناہ کے باعث جیسے وہ گرا وہ بھی گریں گے۔ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 798)

نہ جانے بائبل کے مصنفین ایسے فحش واقعات کہاں سے لائے ہیں اور اس کے مفسرین بھی اُتنے ہی غلیظ افکار سے مالامال ہیں۔

قرآن مجید حضرت داؤد علیہ السلام کی شان کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

و لقد آتینا داؤد منا فضلا یا جبال اوبی معه والطیر والنا له الحدید (سورہ سبا۔ آیت ۱۰)

بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا نیز ہم نے لوہے کو اس کیلئے نرم کر دیا۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

واذکر عبدنا داوود ذا الاید انه اواب (سورہ ص۔ آیت ۱۷)

اور یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔

مزید آگے فرمایا:۔

انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق ۔ والطیر محشورة کل له اواب

وشددنا ملکه وآتیناه الحکمة و فصل الخطاب (سورہ ص۔ آیت ۱۸تا۲۰)

ہم نے فرماں بردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشا اور اشراق کے وقت اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے سب ان کے فرماں بردار تھے اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔

اور آپ کی خلافت کے بارے میں یوں فرمایا:۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض (سورہ ص۔ آیت ۲۶)

اے داؤد ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین پر۔

خود مستشرقین ہی بتائیں کہ کیا یہ مضامین بائبل میں موجود ہیں۔ آپ کی بائبل میں تو انبیائے کرام سے متعلق ایسے فحش قصے ہیں کہ ان کو لکھتے ہوئے قلم کانپ جاتا ہے۔ اوپر سے آپ کے مفسرین کی اخلاقی گراوٹ (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں بائبل کے مصنفین رقم طراز ہیں:۔

اور جبعون میں خداوند سلیمان پر رات کے وقت خواب میں ظاہر ہوا اور خدا نے کہا مانگ کہ میں تجھے کیا دوں؟ سلیمان نے کہا کہ تو نے اپنے بندے میرے باپ داؤد پر عظیم رحمت کی اسلئے کہ وہ تیرے حضور راستی اور نیکی اور دل کی استقامت سے چلتا رہا اور تو نے اس کیلئے یہ ایک بڑی رحمت رکھ چھوڑی کہ اس کو بیٹا عطا کیا جو اس کے تخت پر بیٹھے جیسا کہ آج کے دن ہے اور اب اے خداوند میرے خدا! تو نے اپنے بندے کو میرے باپ داؤد کی جگہ بادشاہ کیا اور میں چھوٹی عمر کا لڑکا ہوں کہ باہر نکلنا اور اندر آنا نہیں جانتا اور تیرا بندہ تیری قوم کے درمیان ہے جس کو تو نے چن لیا ایک ایسی بڑی قوم جس کا حساب نہیں ہو سکتا اور جو کثرت کے سبب سے شمار نہیں کی جاسکتی پس تو اپنے بندے کو فہیم دل عنایت کر تا کہ وہ تیری قوم کے درمیان انصاف کرے اور نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز کرے کیونکہ تیری اس بڑی قوم کا انصاف کون کر سکتا ہے؟ تو خداوند اس بات سے خوش ہوا کہ سلیمان نے ایسی چیز مانگی خداوند نے اس سے کہا چونکہ تو نے یہ چیز مانگی بلکہ تو نے اپنے لئے عقلمندی مانگی تا کہ انصاف کرنے میں امتیاز کرے پس دیکھ میں نے تیری بات کے مطابق کیا، دیکھ میں نے تجھ کو دانش مند فہیم دل دیا یہاں تک کہ تیری مانند پہلے کوئی نہ ہوا اور نہ تیرے بعد کوئی تیری مثل برپا ہو گا اور جو تو نے نہیں مانگا وہ بھی میں نے تجھے دیا یعنی دولت و حشمت ایسا کہ تیرے دنوں میں بادشاہوں میں سے کوئی تیری مانند نہ ہو گا۔ (اسلاطین باب 3 آیت 5 تا 13)

بائبل کی اس عبارت سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

- سلیمان علیہ السلام نے خدا کا دیدار کیا۔
- سلیمان علیہ السلام کو تخت عطا فرمایا۔
- سلیمان علیہ السلام کو چنا۔
- اپنے بندے سے خوش ہوا۔
- دانش مند دل دیا۔
- سلیمان علیہ السلام پر یہ انعامات بہت کئے ایسے کہ نہ پہلے ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے۔

ان تمام توصیف و مدحت کے بعد بائبل کی یہ عبارت پڑھئے:۔

اور سلیمان فرعون کی بیٹی کے علاوہ اور بہت سی اجنبی عورتوں کو چاہنے لگا جو موآبیوں اور عمونیوں اور ادومیوں اور صیدونیوں اور حتیوں سے تھیں اور ان کی قوموں سے جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان سے نہ ملو اور نہ وہ تم سے ملیں کیونکہ وہ تمہارے دلوں کو اپنے معبودوں کی پیروی کیلئے مائل کرائیں گی۔ اور سلیمان ان کے عشق کے باعث ان سے لپٹا اور اس کی سات سو بیویاں اور تین سو زنان مدخولہ تھیں تو عورتوں نے اس کے دل کو برگشتہ کیا جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو اجنبی معبودوں کی پیروی کی طرف مائل کیا تو اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف کامل نہ رہا جیسا کہ اس کے باپ داؤد کا تھا اور سلیمان نے صیدونیوں کی دیوی عشتارت کی اور بنی عمون کے بت ملکوم کی پرستش کی اور سلیمان نے خداوند کی نگاہ میں بدی کی اور اپنے باپ داؤد کی طرح اس نے خداوند کی پورے طور پر پیروی نہ کی تب سلیمان نے موآب کے بت کموش کیلئے اس پہاڑ پر جو یروشلم کے سامنے ہے اور بنی عمون کے بت ملکوم کیلئے اونچی جگہ بنائی اور ایسا ہی اس نے اپنی سب اجنبی عورتوں کے واسطے کیا جو اپنے معبودوں کے آگے بخور جلاتی اور قربانیاں گذرانتی تھیں۔ تب خداوند سلیمان سے ناراض ہوا۔ (۱سلاطین باب 11 آیت 1 تا 9)

قارئین کرام! غور فرمایئے جس کی مدحت میں بائبل کہتی ہے کہ اللہ نے اسے اپنے دیدار سے نوازا ۔۔۔ جس سے خدا ہم کلام ہوا ۔۔۔ جسے عاقل دل دیا گیا ۔۔۔ جس نے خدا کی عبادت کیلئے بیت المقدس کو تعمیر کرایا ۔۔۔ اس کیلئے یہ کہنا کہ اس نے بت پرستی کی ۔۔۔ وہ اجنبی عورتوں کو چاہنے لگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ بہتان عظیم ہے اور یہ کہ وہ اپنے ربّ سے پھر گیا۔ (معاذ اللہ)

ہرگز ہرگز نہیں۔

قارئین کرام! انبیاء جو بت پرستی مٹانے آتے ہیں، توحید کا ڈنکا بجانے آتے ہیں اُن سے کیا اس بات کی اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ بت پرستی کریں گے؟ بائبل کے اس بیان نے بائبل کے مفسرین کو بھی حیرت میں ڈال دیا اور وہ حیران و پریشان ہو کر لکھتے ہیں:۔

کیسی عجیب بات ہے کہ سلیمان بڑھاپے میں جسم کی خواہشوں، جوانی کی شہوتوں کے پھندے میں پھنس گیا۔ سلیمان جیسا دانا اور حکیم شخص کہ جو اپنی تیز فہمی، سمجھداری اور ٹھوس رائے کیلئے مشہور تھا ایسی بے وقوف عورتوں کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔ وہ شخص جو دوسروں کو بارہا سمجھایا کرتا تھا اور عورتوں کی محبت کے خطرات سے خبردار اور آگاہ کیا کرتا تھا وہ خود اتنی بری طرح ان سے مسحور ہو گیا۔ شرارت کو دیکھنا دوسروں کو دکھانا بہت آسان ہے لیکن خود اس سے دور رہنا مشکل ہے۔ ایک ایسا شخص جو اتنا اچھا اور نیک تھا اور خدا کی عبادت کرنے میں اتنا سرگرم تھا وہ ایسے گناہ میں پڑ جائے۔ ہم ان ساری باتوں کے بارے میں کیا کہیں؟ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 882)

قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے سحر اور کفر سے برأت کو یوں بیان کرتا ہے:۔

وما کفر سلیمان (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۰۲)

اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا۔

اس آیت کے تحت تفسیر ضیاء القرآن میں ہے:۔

سلیمان علیہ السلام پر انہوں نے شرکِ صریح کا یہ الزام لگایا اور دنیا آپ کو یونہی سمجھتی رہی یہاں تک کہ اللہ کا حبیب اور سارے انبیائے ورُسل کی عزت و ناموس کا نگہبان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لایا اور اپنے رب کا یہ فرمان دنیا کو سنایا۔ وما کفر سلیمان یعنی سلیمان علیہ السلام تو جلیل القدر پیغمبر تھا اسے کفر و شرک سے کیا واسطہ پنبہ درگوش یہود و نصاریٰ نے ازراہِ تعصب اس وقت بھی اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا لیکن 1/2 13 صدیاں گزرنے کے بعد انہیں آخر کار وہی تسلیم کرنا پڑا جو خدائے برحق نے اپنے نبی برحق کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کہلوایا تھا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۹۵۲ پر محققین کے قلم کو یہ لکھنا پڑا سلیمان علیہ السلام خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسیحی دنیا کے فضلاء نے انسائیکلوپیڈیا ببلیہ کالم میں انجیل کی ان آیات کے متعلق صراحۃً لکھ دیا کہ یہ غلط ہیں اور بعد میں لوگوں نے ملائی ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام تہمت و شرک سے مبرّا تھے کالم (۴۶۸۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حاملِ قرآن کی اس صفت کا بار بار اعلان فرمایا ہے کہ وہ پہلے انبیاء ورُسل اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کیلئے آیا ہے اور ان تہمتوں اور بہتانوں سے ان کی برأت کرنے کیلئے آیا ہے جو صرف غیروں نے ہی نہیں بلکہ ان کے اپنے ماننے والوں نے ان پر چسپاں کر رکھی تھیں۔ (سبحان من لا الہ الا ھو) (ضیاء القرآن جلد اول صفحہ 79,80)

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت عطا فرمائی، جنوں کو آپ کے تابع کر دیا، ہوا آپ کے تابع کر دی اور دیگر انعامات واختیارات سے نوازا اور اس کے بعد فرمایا:

ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب (سورہ ص۔ آیت ۳۹)

(اے سلیمان) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ۔

وان لہ عندنا لزلفی وحسن مآب (سورہ ص۔ آیت ۴۰)

تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بیشک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بائبل میں کس اہانت کے ساتھ لکھا گیا ہے قرآن کریم نے انبیائے کرام پر لگے بہتانوں کے بارے میں برأت کا اظہار فرمایا اور پھر 1350 سال بعد عیسائی علما کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ہاں بائبل کے یہ واقعات من گھڑت ہیں اور قرآن کے واقعات کی تصدیق کی۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے قرآن بائبل کے قصص کو دہرا رہا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ لوقا کے باب 1 اور 3 اور 7 میں ہے قرآن مجید میں ان کا ذکر سورہٗ مریم و آلِ عمران میں ہے اور بہت اختصار کے ساتھ ہے۔

سورہٗ مریم میں ہے:

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ وآتیناہ الحکم صبیا۔ وحنانا من لدنا وزکاۃ وکان تقیا
وبرا بوالدیہ ولم یکن جبارا عصیا (سورہ مریم۔ آیت ۱۲ تا ۱۴)

اے یحییٰ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی جبکہ وہ بچے تھے نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیز گار تھے اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے۔

سورہٗ آل عمران میں یوں فرمایا:

ان اللہ یبشرک بیحیی مصدقا بکلمۃ من اللہ وسیدا وحصورا ونبیا من الصالحین

بیشک اللہ تعالیٰ کو خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہو گا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہو گا اور نبی ہو گا صالحین سے۔ (سورہ آل عمران۔ آیت ۳۹)

ان آیات میں قرآن نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بارہ صفات کو بیان فرمایا:۔

کتاب (شریعت کو خوب جاننے والا) --- نبوت --- نرم دلی --- پاکیزگی --- خدا ترس --- ماں باپ سے عمدہ سلوک کرنے والا --- ظلم پسند نہیں تھے --- نافرمان نہیں تھے --- کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے تھے --- سردار تھے --- نبی صالحین میں سے تھے۔

یہ تمام صفات لوقا کے مجموعہ میں نہیں ملتیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید باوجود اختصار کے انجیل سے بہت بہت زیادہ بیان کرتا ہے اور یہ غلط ہے کہ کتبِ سابقہ سے اخذ کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ جبکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اس لئے مستشرقین یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کی عبارتیں اناجیل سے ماخوذ ہیں۔

احبابِ من! یہ قرآن کریم ہے جس نے انبیاء کرام پر لگے بہتانوں کو مٹایا۔ حضرت مریم پر یہود نے تہمت لگائی، قرآن کریم نے حضرت مریم کو صدیقہ بتا کر ابنِ مریم کی شان کو بلند فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیغمبر اسلام کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا، لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ وکیل تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (یوحنا باب 16 آیت 7)

عزیزانِ گرامی! قصص الانبیاء کے حوالے سے ہم نے اجمالی جائزہ آپ کے سامنے پیش کیا زندگی بخیر تو ان شاء اللہ جلد قرآن اور بائبل کا تقابلی جائزہ تفصیل سے رقم کریں گے۔

موریس بوکائیے کا یہ انصاف پسند تجزیہ ملاحظہ کیجئے:۔

مغرب میں یہودی' نصرانی اور دہریئے (منکرین خدا) اس بیان پر متفق ہیں (لیکن ذرا سی بھی شبہات کے بغیر) کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بائبل کی تقلید کی اور پیروی میں قرآن لکھایا لکھوایا تھا۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو مذہبی تاریخ کے قصے دیئے ہوئے ہیں وہ بائبل کے قصوں کا خلاصہ ہیں۔ یہ رویہ ایسی نا سمجھی اور بے عقلی کا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ یسوع نے خود اپنے مواعظ کے دوران عہد نامہ قدیم سے تحریک پا کر اپنے ہم عصروں کو اُلو بنایا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ہی ہم حقیقی طور پر دیکھ چکے ہیں متی کی پوری انجیل، عہد نامہ قدیم کے اسی تسلسل پر مبنی ہے۔ کیا تفسیروں کا ماہر اس دلیل سے یسوع کو ان کے پیغمبر خدا ہونے کے مرتبہ سے محروم کرنے کا خواب بھی دیکھ سکتا تھا؟ اس کے باوجود یہی وہ طریقہ ہے جس سے مغرب میں اکثر و بیشتر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبہ کو جانچا جاتا ہے۔ (بائبل، قرآن اور سائنس از موریس بوکائیے مترجم ثناء الحق صدیقی صفحہ 150,151 مطبوعہ آواز اشاعت گھر لاہور)

سائنس اور قرآن کریم

انسان آج سائنس کے بغیر کچھ نہیں اگر زندگی سے ٹیکنالوجی کی حرارت کو نکال دیا جائے تو آج کا انسان مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ آج اس ٹیکنالوجی کے سبب فاصلے سمٹ گئے ہیں ہم دنیا کے ایک کونے میں ہوتے ہوئے بھی ساری دنیا سے منسلک ہوسکتے ہیں، اُن کو دیکھ سکتے ہیں، سن سکتے ہیں، بات کرسکتے ہیں اور کمپیوٹر کی ایجاد نے تو انسانی زندگی کو ایک بالکل نیا رُخ دے دیا۔

قارئین کرام! آج کا انسان تو سائنسی ترقی کے ان مراحل کے بارے میں سوچ سکتا ہے جہاں سائنس نے ابھی تک اپنے قدم نہیں جمائے لیکن آج سے 1400 سال قبل کوئی سائنس کے لفظ سے بھی آگاہ تھا؟ کیا سائنس نے اس دور میں کچھ ترقی کی تھی؟ کیا آج سے چودہ سو سال قبل جہاز ہوا میں اُڑا کرتے تھے؟ کیا آج سے 1400سال قبل ٹیکنالوجی نے اپنے قدم زمین پر رکھے تھے؟ ۔۔۔ یقیناً نہیں۔

اب اگر آج کے کسی غیر جانب دار شخص کے سامنے یہ سوال رکھا جائے کہ آج سائنس نے جو ترقی کی ہے اس کے بارے میں 1400 سال قبل ایک شخص نے وہ انکشافات کئے تھے جو آج سائنس کر رہی ہے اور اس انکشاف کرنے والے نے پورے یقین کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ان انکشافات میں کسی قسم کے شک وشبے کی گنجائش نہیں تو آج وہ غیر جانب دار شخص یقیناً یہی کہے گا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آج سے 1400 سال قبل کوئی شخص قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ وہ اس قسم کے انکشافات کرسکتا۔

پیر کرم شاہ الازہری اس حوالے سے لکھتے ہیں، ہم اس ضمن میں اپنا مقدمہ انسانی ضمیر، انسانی عقل بلکہ خود انسانیت کی عدالت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

چودہ سو سال پہلے مکہ کے شہر میں ایک انسان ظاہر ہوا وہ یتیم بھی تھا، اس کے پاس دولت وثروت کے انبار نہ تھے لیکن خاندانی شرافت اور ذاتی وجاہت میں کوئی اُس کا مدِ مقابل نہ تھا، اُس کی صداقت و امانت کے مظاہرے دیکھ کر اس کے ہم قوم اُسے صادق وامین کا لقب دیتے تھے اور اہم قومی اُمور میں اس کو حکم بنانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ وہ ہر ایک کی آنکھ کا تارا تھا ہر کوئی اُس کی عزت کرتا تھا، اُس کی ذاتی خوبیاں اوجِ کمال پر تھیں لیکن اُس نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا تھا، وہ نہ لکھنا جانتا تھا اور نہ پڑھنا جانتا تھا۔ ایک روز اُس نے اعلان کردیا کہ اسے ربِّ قدوس نے اپنا نبی بنایا ہے اور اس کے پاس فرشتہ آتا ہے جو خدا کی طرف سے ایک کلام لاتا ہے۔ اس کلام میں اُن عقائد و نظریات کی تردید کی گئی تھی جو اس کی قوم میں مروج تھے۔

قوم نے اس کو اس نئے دین کی تبلیغ سے روکنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت کیلئے کچھ نشانیاں دکھائے، اس نے اپنی قوم کو بے شمار نشانیاں دکھائیں لیکن کہا کہ میرا سب سے بڑا معجزہ اور میرے دعویٰ کی صداقت کی سب سے بڑی نشانی وہ کتاب ہے جو میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔ ساتھ ہی اُس نے اپنی قوم کو چیلنج کیا اگر تم میرے دعویٰ میں شک کرتے ہو تو اس کتاب کی ایک سورۃ جیسی سورۃ بنا کر دکھادو۔

اس کی قوم کو اپنی زبان دانی، اپنی فصاحت و بلاغت اور اپنی قادر الکلامی پر ناز تھا لیکن وہ اس چیلنج کو قبول نہ کرسکے۔ اُس کے سب سے بڑے دشمن اُس کے کلام کو چھپ چھپ کر سنتے۔ اُن میں سے اکثر نے اس کلام کی عظمتوں کو دیکھ کر تسلیم کرلیا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ کئی اُس کلام کی ایک یا چند آیتیں سُن کر اس دین میں شامل ہوگئے جس کی طرف یہ کلام دعوت دیتا تھا۔ جو لوگ ابتدا میں ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے وہ بھی اس کی دعوت کے آخری سالوں میں اس کی صداقت کی قوت کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور انہوں نے بھی آخر کار اس دین کے جھنڈے کو اکنافِ عالم میں لہرانے کا عزم مصمم کرلیا۔

اس کے پیروکار نے علاقے فتح کئے، سلطنتیں قائم کیں، دنیا کو علوم و معارف سے بھر دیا اور آج دنیا میں اس کے پیروکاروں کی تعداد ایک ارب کے لگ بھگ ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب آج بھی اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور آج بھی وہ چیلنج کررہی ہے کہ جو شخص اس کتاب کے کلامِ خداوندی ہونے کو تسلیم نہیں کرتا وہ اس کی ایک سورۃ جیسی سورۃ بنانے کے چیلنج کو قبول کرے۔ ساتویں صدی عیسوی کے لوگوں کیلئے اس کا چیلنج ادبی میدان میں تھا اور بیسویں صدی عیسوی کے لوگوں کیلئے اس کا چیلنج علم اور سائنس کی زبان میں ہے۔

سائنس نے بیسویں صدی عیسوی میں جو انکشافات کئے ہیں ساتویں صدی عیسوی میں منظرِ عام پر آنے والی یہ کتاب ان انکشافات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ تخلیقِ کائنات کے متعلق سائنس نے جو کچھ معلوم کیا ہے اور جس کے صحیح ہونے کا اسے یقین ہے وہ اس کتاب میں موجود ہے۔ یہ کتاب بتارہی ہے کہ کائنات کے موجودہ شکل اختیار کرنے سے پہلے دخانی مادہ موجود تھا، زمین و آسمان جڑے ہوئے تھے، ان کو الگ الگ کیا گیا اور ہر زندہ شے کی تخلیق پانی سے ہوئی۔ اس کتاب نے کئی جہانوں کا تصور دیا۔ ایک سے زیادہ زمینوں اور آسمانوں کا تصور دیا اور اس نے شکمِ مادر میں بچے کی تیاری کے مراحل کی تفصیل بیان کی۔ یہ اور اِس قسم کی بے شمار چیزیں وہ ہیں جس کا علم سائنس کو یا تو موجودہ صدی میں ہوا ہے اور یا سائنس ابھی اس حقیقت کو پانے کیلئے مصروفِ جدوجہد ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ کلام اس اُمّی عرب کا نہ تھا بلکہ اس کے علیم و خبیر ربّ کا تھا جس کے علوم سے کائنات کا کوئی ذرّہ مخفی نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو ہم سے زیادہ سائنس کو جانتے ہیں اور جن کو اپنے عالِم ہونے پر ناز ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ کتاب اس شخص نے خود لکھی تھی اور اس کیلئے کچھ معاصرین نے اُس کے ساتھ تعاون کیا تھا یا اُس نے سابقہ سماوی صحف کی نقل کی تھی۔

ہم انسانی عقل اور انسانی ضمیر سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا علومِ کائنات کے اس دائرۃ المعارف کو ساتویں صدی عیسوی کے ایک اُمّی عرب کی تصنیف کہنا زیادہ قرینِ قیاس ہے یا اسے خدائے وحدہ لاشریک کا کلام کہنا صحیح ہے جس نے ہر زمانے میں بنی نوعِ انسان کو ایسے علوم سے بہرہ ور کیا ہے جو انسانی عقل کے احاطۂ ادراک سے ماوراء تھے۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 539 تا 541)

عزیزانِ گرامی! سچ آخر سچ ہوتا ہے وہ اُن لوگوں سے بھی اس کا اعتراف کرا لیتا ہے جو اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ قرآن کے اوّلین مخالفین باوجود ہزار مخالفت کے اس روشنی کو تاریکی نہ کہہ سکے۔ اسلام کے مخالف مستشرقین نے بھی پوری کوشش کی کہ برین واشنگ کے ذریعے اسلام کی فصیلوں کو ڈھا دیں۔ انہوں نے ہر محاذ سے حملے کئے مگر ان تمام کوششوں کے باوجود وہ مکمل طور پر ایسا کرنے میں ناکام ہو گئے اور انہی کی صفوں سے فرانسیسی مستشرق موریس بوکائیے نے ایک کتاب لکھی جس میں اُس نے تمام قرآن مخالف مستشرقین کے دعووں کی قلعی کھول دی اور اپنی کتاب 'The Bible, The Quran and Science' میں قرآن کی حقانیت پر دلائل دیئے۔

ہم یہاں صرف اس کی کتاب کے چند اقتباسات نقل کریں گے۔

موریس بوکائیے اور قرآن

موریس بوکایئے لکھتا ہے، قرآن جہاں ہمیں سائنس کو ترقی دینے کی دعوت دیتا ہے وہاں خود اِس میں قدرتی حوادث سے متعلق بہت سے مشاہدات وشواہد ملتے ہیں اور اس میں ایسی تشریحی تفصیلات موجود ہیں جو جدید سائنسی مواد سے کلی طور پر مطابقت رکھتی ہیں۔ یہودی، عیسائی تنزیل میں اس جیسی کوئی بات نہیں۔ (بائبل، قرآن اور سائنس صفحہ 141,142)

مزید آگے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے:۔

ان سائنسی خیالات نے جو قرآن کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں مجھے بے انتہا محو حیرت کر دیا ہے۔ اس وقت تک میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسی تحریر میں جو تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ پہلے مرتب ہوئی تھی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں میرے لئے یہ ممکن ہو گا کہ میں اتنے بہت سے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا اور یہ سب جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔ شروع میں میرا اسلام پر کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ میں نے ان متون کا کھلے دل سے کلیتاً معروضی طریقہ پر جائزہ لینا شروع کیا۔ اگر میرے ذہن پر اس وقت کوئی چیز اثر انداز تھی بھی تو وہ باتیں تھیں جو نوعمری میں مجھے بتائی گئی تھیں۔ لوگ اس وقت مسلمانوں کے متعلق نہیں بلکہ محمڈنس (اہل یورپ نے اس لفظ کو اتنی شہرت دی کہ خود مسلمان بھی محمڈنس اور مسلمانوں کے فرق کو نہ سمجھ سکے اور وہ بھی ناواقفیت کی بنا پر لفظ محمڈنس کو لفظ 'مسلمانوں' کا مترادف سمجھ کر استعمال کرتے رہے انتہا تو یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو پہلے کالج کی شکل میں قائم ہوئی تھی عرصہٗ دراز تک محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے نام سے موسوم کی جاتی رہی)۔ 'محمدیوں' کے بارے میں گفتگو کرتے تھے جو اس بات کی تصریح کرنے کیلئے ہوتا تھا کہ اس سے ایک مذہب مراد ہے جس کی بنیاد ایک انسان کے ہاتھوں رکھی گئی ہے اور خدا کے اعتبار سے اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ مغرب کے بہت سے لوگوں کی طرح میں خود بھی اسلام کے بارے میں ویسے ہی تصورات قائم کر سکتا تھا۔ آج کل یہ خیالات اس قدر عام ہیں کہ میں درحقیقت بھونچکارہ جاتا ہوں۔

جب کسی ماہر خصوصی کے علاوہ میری کسی اور ایسے شخص سے ملاقات ہو جاتی ہے جو اس موضوع پر روشن خیالی کے ساتھ گفتگو کر لیتا ہے لہٰذا میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس واقعہ سے پہلے کہ جب مجھے اسلام کے بارے میں اس سے مختلف نظریہ معلوم ہوا جو میں نے مغربی ذریعہ سے حاصل کیا تھا میں خود اس بارے میں انتہائی درجہ ناواقف تھا۔

یہ حیرت کا اظہار کوئی مسلمان اسکالر نہیں کر رہا بلکہ ایک مستشرق، سرجن موریس بوکایئے کر رہا ہے۔

مزید آگے رقم طراز ہیں:۔

بات اس نوعیت کے متن میں پہلے پہل سامنے آتی اور قاری کو چونکا دیتی ہے وہاں ان موضوعات کی کثرت ہے۔ یہ موضوعات ہیں تخلیق، فلکیات، زمین سے متعلق۔ بعض مادوں کی تشریح، عالمِ حیوانات و نباتات، انسان کی تولید۔ جبکہ بائبل میں فاحش غلطیاں دیکھنے میں آتی ہیں، قرآن میں ایک غلطی کا بھی پتہ نہیں چلا سکا ہوں۔ میں نے اس موقع پر توقف کر کے خود سے استفسار کیا اگر کوئی بشر قرآن کا مصنف ہوتا تو وہ ساتویں صدی عیسوی میں ایسے حقائق کس طرح بیان کر دیتا جو آج جدید سائنسی معلومات سے پوری طرح مطابقت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں؟ اس بارے میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ قرآن کا جو متن آج ہمارے پاس ہے وہ اگر مجھے ان الفاظ میں گفتگو کرنے کی اجازت دی جائے تو قطعی طور پر اسی زمانہ کا متن ہے (اس کتاب کے موجودہ جز کے دوسرے باب میں اس مسئلہ پر بحث کروں گا) اس مشاہدے کیلئے انسان کے پاس کیا توجیہہ و تاویل ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں اس کیلئے کوئی تاویل ممکن نہیں۔ کوئی خاص دلیل اس سلسلہ میں نہیں ہو سکتی کہ جس زمانہ میں شاہ داگوبرت (629-639ء) فرانس میں حکومت کر رہا تھا اس وقت جزیرۃ العرب کا ایک باشندہ بعض موضوعات پر ایسی سائنسی معلومات رکھتا ہو جو ہمارے زمانہ سے بھی دس صدی بعد کے دَور سے تعلق رکھتی ہو۔ (ایضاً صفحہ 145)

مستشرقین جابجا یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ قرآن کریم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود لکھایا لکھوایا اور قرآن کو بائبل کا خلاصہ کہتے ہیں۔ اس کا رد کرتے ہوئے موریس بوکائیے لکھتا ہے:۔

مغرب میں یہودی' نصرانی اور دہریئے (منکرین خدا) اس بیان پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بائبل کی تقلید کی اور پیروی میں قرآن لکھایا لکھوایا تھا۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو مذہبی تاریخ کے قصے دیئے ہوئے ہیں وہ بائبل کے قصوں کا خلاصہ ہیں۔ یہ رویہ ایسی ناسمجھی اور بے عقلی کا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ یسوع نے خود اپنے مواعظ کے دوران عہد نامہ قدیم سے تحریک پا کر اپنے ہم عصروں کو اُلو بنایا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ہی ہم حقیقی طور پر دیکھ چکے ہیں متی کی پوری انجیل، عہد نامہ قدیم کے اسی تسلسل پر مبنی ہے۔ کیا تفسیروں کا ماہر اس دلیل سے یسوع کو ان کے پیغمبر خدا ہونے کے مرتبہ سے محروم کرنے کا خواب بھی دیکھ سکتا تھا؟ اس کے باوجود یہی وہ طریقہ ہے جس سے مغرب میں اکثر وبیشتر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبہ کو جانچا جاتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 146,147)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

مذکورہ الصدر جائزہ سے ان لوگوں کا نظریہ جو حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قرآن کا مصنف قرار دیتے ہیں بالکل بودا اور کمزور ثابت ہوتا ہے۔ ناخواندہ لوگوں میں ایک شخص ادبی محاسن کے لحاظ سے پورے عربی ادب میں کس طرح سب سے بڑا مصنف بن گیا؟ اس وقت وہ سائنسی نوعیت کے ایسے حقائق کیسے بیان کر سکتا تھا؟ اُس زمانہ میں کسی بھی بشر کیلئے ظاہر کرنا ممکن نہیں تھا اور یہ سب بھی اس طرح کہ اس موضوع پر انکشاف کرنے میں ایک مرتبہ بھی خفیف سی غلطی کا ارتکاب نہ ہوا۔

اس مطالعہ میں پیش کردہ خیالات خالص سائنسی نقطہ نظر سے ظاہر کئے گئے ہیں۔ یہ خیالات اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ کسی بشر کیلئے جو ساتویں صدی عیسوی میں بقید حیات ہو قرآن میں اتنے بہت سے موضوعات پر جو اُس کے زمانہ سے تعلق نہ رکھتے ہوں اور جو باتیں صدیوں بعد منکشف ہونے والی ہوں بیان دے سکے۔ میرے نزدیک قرآن کیلئے کوئی بشری توضیح وتشریح ممکن نہیں ہے۔ (ایضاً صفحہ 150,151)

قارئین کرام! ہم نے یہاں موریس بوکایئے کے چند خیالات نقل کر دیئے۔ قرآن اور سائنس پر ہم اس کتاب میں مفصل بحث نہیں کرینگے کیونکہ یہ اس وقت ہمارا موضوعِ بحث نہیں صرف قرآن کریم کی چند آیات پیش کرینگے۔

نر و مادہ

اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کے نر و مادہ پیدا کئے اور فرمایا:

و من کل شیء خلقنا زوجین (ایضاً صفحہ 151,152)

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے۔

اس آیت کے بارے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:۔

عموماً ایک پھول کے دو حصے ہوتے ہیں نر و مادہ، جب تک مادہ نر سے حاملہ نہ ہو وہ پھل یا بیج کی صورت اختیار نہیں کر سکتی پھول کے نر حصے میں ایک غبار سا ہوتا ہے جسے انگریزی میں پولن (Pollen) اور اردو میں مادۂ منویہ کہتے ہیں اور حصۂ مونث پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ جب مادۂ منویہ کا کوئی ذرّہ اُن بالوں پر گرتا ہے تو اسے یہ پھانس لیتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں مثلاً ہیزل (Hazel) کے ساتھ نر و مادہ پھول علیحدہ علیحدہ لیکن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ نر نیچے کو جھکا ہوا ہوتا ہے اور مونث پھول اوپر کو اُٹھا ہوا، مقصد یہ کہ اگر نر کا مادۂ منویہ گرے تو مادہ محروم نہ رہے۔ بعض ایسے پودے بھی ملتے ہیں جن کے نر و مادہ الگ الگ ہوتے ہیں، نر کا غبار مادہ تک پہنچانے میں شہد کی مکھیاں، بھنورے اور تتلیاں سرانجام دیتی ہیں۔ ان پودوں کے ساتھ نہایت حسین پھول لگتے ہیں جن کی خوشبو اور رنگت ان بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جب یہ نر پر بیٹھتی ہیں تو ان کی ٹانگوں اور پروں کے ساتھ غبارِ منویہ چمٹ جاتا ہے اور پھر جب مادہ پھول پر بیٹھتی ہیں تو اس غبار کا کچھ حصہ وہیں رہ جاتا ہے اور اس طرح یہ پھول حاملہ ہو جاتے ہیں۔

بعض اشجار مثلاً چیل وغیرہ کے پھول نہ تو خوشبودار ہوتے ہیں اور نہ خوبصورت اس لئے وہ تتلیوں اور مکھیوں کو نہیں کھینچ سکتے، اس لئے یہاں ہوا سے کام لیا جاتا ہے۔ ہوا نر درخت کا غبار اُڑا کر مادہ تک پہنچا دیتی ہے۔ چونکہ ہواؤں کا رخ بدلتا رہتا ہے اور اس غبار کی ایک کثیر مقدار ضائع ہو جاتی ہے اس لئے ایسے درختوں پر غبارِ منویہ بہت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ضائع ہونے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہے۔

چیل، دیودار اور دیگر پہاڑی اشجار ہماری معاشرت کا جزوِ اعظم ہیں۔ اگر پہاڑوں پر ہوائیں نہ چلتیں تو مادہ پھول حاملہ نہ ہو سکتے۔ نتیجہ یہ کہ بیج تیار نہ ہوتے اور یہ ہرے بھرے پہاڑ جو آج جنت نظر بنے ہوئے ہیں کھانے کو دوڑتے، غور فرمایئے کہ ہوا کا وسیع و عریض کرّہ انسانی خدمت میں کس انہماک سے مصروف ہے۔ شاعر نے اس سے قاصد کا کام لیا، دہقان نے سقّے کا اور اشجار نے دایہ کا۔ سچ ہے:۔

و ارسلنا الرياح لواقح (سورہ الحجر آیت ۲۲)

ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو غبارِ منویہ سے لدی ہوئی تھیں۔

مغرب کے علمائے نباتات نے صدیوں کی تلاش و جستجو کے بعد نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ قائم کیا اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے 1362 سال پہلے بہ بانگِ دہل اعلان کیا تھا:

ومن کل شیئ ءخلقنا زوجین (سورہ الذاریت آیت ۴۹)

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے۔

قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسولِ عربی فداہ ابی و اُمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اُٹھایا جسے آج جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔
(دو قرآن حصہ اول صفحہ 81)

فولاد کی اہمیت

آج دورِ جدید میں کوئی بھی صنعت بغیر فولاد کے ترقی تو دور کی بات بغیر فولاد کے صنعت کا قیام بھی عمل میں نہیں آسکتا۔ قرآن کریم نے 1400 سال قبل ہی اس فولاد کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا:

وانزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس (سورہ الحدید۔ آیت ۲۵)

اور ہم نے پیدا کیا لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کیلئے۔

آج فولاد کی اہمیت سے کوئی عام انسان بھی انکار نہیں کر سکتا لیکن آج جو پل بنائے جا رہے ہیں' گاڑیاں بنائی جا رہی ہیں' صنعتیں لگائی جا رہی ہیں، ان کا تصور آج سے 1400 سال قبل کیا بھی نہیں جا سکتا۔ اس وقت قرآن نے اس دھات کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

تخلیقِ انسان

اللہ تعالٰی نے انسان کو کیسے تخلیق کیا، اس کے بارے میں سائنسدانوں نے آج کے دورِ جدید میں تحقیق کی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پیغمبر اسلام نے تو اپنے غلاموں کو آج سے 1400 سال قبل ان حقائق سے آگاہ کر دیا تھا۔

کیا مستشرقین دنیا کی کسی کتاب کے بارے میں بتا سکتے ہیں کہ فلاں زمانے میں کوئی کتاب لکھی گئی اور اس نے آئندہ کے سائنسی واقعات کو اس طرح بیان کیا کہ اس میں ذرا بھی شک نہ ہو۔

پیر کرم شاہ الازہری اپنی شہرہ آفاق کتاب ضیاء النبی میں لکھتے ہیں:۔

جس طرح مکہ، مدینہ اور جزیرہ عرب کے فصحاء وبلغاء قرآنِ حکیم کی ایک سورۃ کی مثل بنانے سے قاصر رہے تھے اسی طرح دورِ جدید کے ماہرینِ علومِ جدیدہ بھی اس کی مثل بنانے سے قاصر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک کتاب لکھے اس میں اپنے زمانے میں مروج غلط خیالات و نظریات کا ذکر تک نہ کرے اور اپنی تصنیف کو ان معلومات سے مزین کرے جن کا انکشاف بنی نوع انسان پر کئی صدیاں بعد ہونے والا ہو، وہ کتاب مسلسل کئی صدیاں اپنوں اور بیگانوں کی تنقیدی تحقیق کا نشانہ بنی ہو اور کسی منصف مزاج شخص کو اس کے کسی ایک بیان کو غلط قرار دینے کی جرأت نہ ہوئی ہو۔ سچ ہے:

تنزيل الكتاب لاريب فيه من رب العالمين

اس کتاب کا نزول، اس میں ذرّہ شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

جن لوگوں کے سینوں میں تعصب اور حسد کی آگ شعلہ زن ہے اُن کیلئے تو کوئی بھی دلیل کافی نہیں لیکن وہ لوگ جن کے نزدیک انصاف کی کوئی قیمت ہے وہ گذشتہ صفحات میں بیان کردہ حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد نہ قرآن کو بائبل کی نقل قرار دے سکتے ہیں نہ اسے کسی انسان کی تصنیف قرار دے سکتے ہیں نہ وہ اسے عرب کے ذہنی ماحول کی پیداوار قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اسے کسی انسان کے تخلیقی تخیل کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد کسی منصف مزاج شخص کیلئے اس کتابِ مبین کے کلامِ خداوندی ہونے کا انکار ممکن نہیں ہے۔ (ضیاء النبی جلد اوّل صفحہ 560)

بائبل اور سائنس

بائبل میں سائنس کے حوالے سے کیا کوئی مواد موجود ہے؟ خود مستشرقہ کیرن آرمسٹرانگ یہ اعتراف کرتی ہیں، کیا آج ایک آدمی کا مذہبی رہنا ممکن ہے جبکہ سائنس نے متعدد بائبلی تعلیمات کی بنیاد ہی کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔

(The Bible The Biography از کیرن ارمسٹرانگ صفحہ 17 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگارشات پبلشرز 2009ء)

مزید آگے لکھتی ہیں، یسوع خود ایک معمہ تھا۔ 'تاریخی' یسوع پر پڑے ہوئے پردے کو ہٹانے کیلئے کافی دلچسپ کوششیں ہوئیں۔ یہ کام کسی حد تک عالمانہ وفاضلانہ کاوشوں کا معاملہ بن گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس یسوع کو ہم جانتے ہیں وہ وہ تھا جس کا ذکر عہد نامہ جدید میں ملتا ہے۔ 'اس' یسوع کو حقیقی سائنس تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس کے مشن اور موت کی کوئی عصری روئداد موجود نہیں۔ ہم یہ بات بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اسے کیوں مصلوب کیا گیا تھا؟

(The Bible The Biography از کیرن ارمسٹرانگ صفحہ 65 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگارشات پبلشرز 2009ء)

اختصار سے کام لیتے ہوئے ہم نے دلائل وبراہین (Proofs) جمع کئے ہیں تاکہ قارئین یہ مضامین تھوڑے وقت میں مطالعہ کرلیں اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کر سکیں۔ ورنہ قرآن اور سائنس کے عنوان پر دفتر ناکافی ہیں اکابرین نے سائنسی عنوانات پر مفصل مضامین اور تحقیقی کتب رقم کی ہیں۔

مستشرقین اور سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قرآن کریم کو عام کتاب قرار دینے کی کوشش میں مستشرقین مکمل طور پر ناکام ہو گئے گو کہ انہوں نے آج بھی اس عظیم کتاب کی مخالفت کو اپنا شعار بنا رکھا ہے مگر قرآن کریم کا یہ چیلنج 'قل فاتو بسورة من مثلہ ودعو شھداکم ان کنتم صدقین' نے ان کی راتوں کی نیند کو حرام اور ان کی اسلام دشمنی کے باعث انکے دن کا سکون بھی ختم کر دیا ہے کاش کہ مستشرقین اس حقیقت کو سمجھتے اس سچائی پر ایمان لاتے اور حقانیت کی اس تحریک سے وابستہ ہو کر انسانیت کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی بناتے مگر ان کی اسلام دشمنی اور اندھے تعصب نے ان کی عقل و فکر کے تمام چراغوں کو گل کر دیا اور ان نادانوں نے خاموشی سے بیٹھنے کے بجائے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا شروع کر دیں۔

مستشرقین نے اسلام دشمنی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا انہیں جب قرآن کریم پر تنقید کیلئے کوئی دلیل نہیں مل سکی تو انہوں نے اپنے طعن و تشنیع کے تیروں کا رخ سیرت النبی کی جانب موڑ لیا اور یہاں بھی انہوں نے تخیل کی پرواز پر حقائق کے منہ پر کالک ملنے کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دیا، تعصب نے ان کی عقلوں کو اندھا اور ان کی فکروں کو بانجھ کر دیا۔

مس کیرن آرمسٹرانگ نے بھی تحقیق کو منظر عام پر لانے کے بجائے اپنے پیش رووں کی طرح حقائق کے رخ کو موڑنے کی کوشش کی۔

ہم تمام مستشرقین بالخصوص مس کیرن آرمسٹرانگ کی خدمت میں عرض کریں گے کہ آپ کو اپنا مدعا بیان کرنے کو حق حاصل ہے مگر حقائق کو توڑ مروڑ کر نہیں۔

عزیزانِ گرامی! ہم نے گذشتہ صفحات پر وحی پر اعتراضات کے مفصل جوابات دیئے اور اس میں ہم نے مستشرقین کے موقف کو بغیر کسی کانٹ چھانٹ کے سامنے رکھا۔ اُن کا موقف، اُن کے دلائل کے ساتھ سامنے رکھا۔ اس کے بعد ہم نے اُن کی دلیلوں کا رد کیا، اُن کی خیانت کے پردے کو چاک کیا اور اس کے بعد مسلمانوں کا موقف پیش کیا اور مسلمانوں کے موقف میں دلائلِ قرآن و حدیث، اسلامی تاریخ اور خود یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں اور اُن کی تفاسیر سے اور دیگر مستشرقین کی کتابوں سے پیش کیا۔

عزیزانِ گرامی! ہم مستشرقین کی طرح نہ خود جج بنے اور نہ آئندہ بنیں گے۔ مستشرقین اسلام کے خلاف خود ہی مقدمہ درج کرتے ہیں اپنی ہی عدالت میں اور خود ہی فیصلہ بھی سنا دیتے ہیں اور اسلام کو مجرم ڈیکلیئر کر دیتے ہیں۔ ہم مستشرقین اور اپنا موقف دلائل کے ساتھ قارئین کے سامنے رکھ رہے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ حق اپنے آپ کو خود منوالے گا۔

مس کیرن سیرت النبی پر قلمی جارحیت کا مظاہرہ یوں کرتی ہیں:۔

When the Muslim gathered to pray together in the Haram, Muhammad found himself surrounded by 'the young men and weak people of the city.' Muhammad welcomed them warmly into his little company, but he must have wondered how a movement of such peripheral people could succed.

(Muhammad P# 54)

جب مسلمان حرم میں عبادت کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے خود کو نوجوان اور شہر کے کمزور لوگوں کے درمیان پایا۔ آپ نے انہیں اپنی چھوٹی سی جماعت میں خوش آمدید کہا لیکن یقیناً سوچا ہو گا کہ ان غیر اہم لوگوں کی تحریک کامیاب کیسے ہو سکتی تھی۔ (پیغمبر امن، صفحہ36)

پھر خود اپنی ہی بات کا رد کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:۔

The 'Weak' people were not all down-and-outs, this technical tribal term denoted inferior tribal status rather poverty. Muhammad's most zealous follower at this point was his friend Attiq Ibn Usman who was usually known by his kunya Abu Bakar He was a successful wealthy merchant but like Muhammad he came from a weak clan that had fallen on hard times. Abu Bakar was well liked and of easymanners. (Muhammad P# 55)

سبھی کمزور لوگ پست اور کمتر نہ تھے یہ تیکنیکی قبائلی اصطلاح غربت کی بجائے قبائلی حیثیت کی جانب اشارہ کرتی تھی۔ اس موقعہ پر حضرت محمد کے پرجوش ترین پیروکار اور قریبی رفیق عتیق ابن عثمان تھے جنہیں اُن کی کنیت ابو بکر سے جانا جاتا ہے۔ ابو بکر بارسوخ اور خوش وضع تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ36)

اپنے قلم سے اپنا ہی ردّ ---- اپنے ہی ہاتھوں اپنا ہی قتل ---- مس کیرن پینترا بدل کر ایک نئے انداز میں سیرتِ رسول پر حملہ آور ہوتی ہیں:۔

Muhammad had now given up hope of converting the Mecca establishment and he must concentrate on the disaffected poorer people, who were eager for his message. This was an important turning point, which is recorded poignantly in the Quran. Muhammad had been so absorbed in a discussion with some of the Mecca grandees that he impatiently 'frowned and turned

away' when a blind man approached him with a question. God reproved Muhammad severely: a prophet must approach all members of the community with the same respect. He must move beyond the aristocratic ethos of muruwah: Quran was for rich and poor alike. In brushing the blind man aside as though he did not matter, <u>Muhammad had behaved like a kafir</u>.

(Muhammad P# 77, 78)

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اب مکہ کی اسٹیبلشمنٹ کو نئے مذہب کا پیروکار بنانے کی امید چھوڑ دی اور محسوس کیا کہ ٹھکرائے ہوئے غریب لوگوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو آپ کا پیغام شوق سے سنتے تھے۔ یہ ایک اہم موڑ تھا جو بڑے درد بھرے انداز میں قرآن میں ریکارڈ کیا گیا۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مکہ کے کچھ اکابرین کے ساتھ بحث مباحثہ میں اس حد تک منہمک تھے کہ جب ایک اندھا شخص کوئی سوال پوچھنے آیا تو آپ نے منہ موڑ لیا۔ اللہ نے حضرت محمد کو سخت تنبیہ کی، پیغمبر پر لازم ہے کہ وہ برادری کے تمام افراد کو ایک جیسا احترام دے۔ اسے مروۃ کے ارسٹوکریٹک قواعد سے بالاتر ہونا چاہیے تھا قرآن امیر اور غریب دونوں کیلئے تھا ایک اندھے آدمی سے لاپروائی برتا جانا خدا کو پسند نہ آیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 54)

مس کیرن کی عبارت سے یہ چند نکات سامنے آتے ہیں:۔

- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ کی اسٹیبلشمنٹ کو نئے مذہب کا پیروکار بنانے کی امید چھوڑ دی۔
- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ٹھکرائے ہوئے غریب لوگوں پر توجہ مرکوز کی جائے۔
- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کے اکابرین کے ساتھ بحث ومباحثہ میں منہمک تھے۔
- ایک نابینا شخص آپ سے سوال پوچھنے آیا تو آپ نے منہ موڑ لیا۔
- اللہ نے حضور کو تنبیہ فرمائی کہ تمام افراد سے برابری کا سلوک کرو۔
- قرآن صرف امیروں کیلئے نہیں تھا بلکہ غریبوں کیلئے بھی تھا۔
- اللہ تعالیٰ کو ایک اندھے آدمی سے لاپروائی برتنا پسند نہیں آیا تھا اس لئے حضور کو تنبیہ کی۔

کیرن آرمسٹرانگ کے اس اعتراض کا جواب تو ہم آئندہ دیں گے لیکن ہم یہاں مس کیرن سے درج ذیل سوال کریں گے:۔

۱۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ اسٹیبلشمنٹ سے مایوس ہو چکے تھے تو وہ اُن کے ساتھ بحث ومباحثہ کیوں کر رہے تھے؟

۲۔ جب آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ اب غریبوں کی طرف توجہ ہونی چاہئے تو ایک نابینا کو دھتکار کیوں دیا؟

اس سوال کا جواب تو مس کیرن آرمسٹرانگ پر واجب ہے۔ اب ہم آتے ہیں اُن کے اعتراض کی طرف۔ مس کیرن یہ بتانا چاہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برادری کے تمام افراد سے یکساں سلوک نہیں کرتے تھے۔ غریبوں سے لاپرواہی برتتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پر اس سے زیادہ بھونڈا اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

اصل واقعہ

اصل واقعہ کیا تھا اور قرآن نے اس واقعہ کو کیسے بیان فرمایا ہم اس کو آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ قرآن کریم میں سورہ عبس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عبس و تولی۔ان جاءہ الاعمی ۔ و ما یدریک لعلہ یزک (سورہ عبس۔ آیت ۱تا۳)

وہ تو ترش رو ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا اس پر کہ اُن کے پاس ایک نابینا حاضر ہوئے اور تم کو کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو۔

اس آیت کے بارے میں کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ کہتی ہیں کہ تنبیہ کے طور پر نازل ہوئی کہ آپ امیروں اور غریبوں میں فرق نہ کریں، اندھے آدمی سے لاپرواہی نہ برتیں۔

اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں کہ 'سردارانِ قریش ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کی خواہش یہ تھی کہ ہمارے واسطے علیحدہ مجلسِ وعظ حضور علیہ السلام مقرر فرما دیں جس میں کوئی غریب صحابی شریک نہ ہوں۔ حضور علیہ السلام نے اس کو منظور فرما لیا اس اُمید پر کہ اُن کو ہدایت ہو جائے تو اشاعتِ اسلام ہو۔ ایک مجلسِ تبلیغ مقرر فرمائی جس میں یہ تمام سردارانِ قریش جمع تھے اور حضور علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے۔ اللہ کی شان کہ ایک نابینا صحابی جن کا اسم شریف ہے عبداللہ ابن اُم مکتوم حاضرِ بارگاہ ہوئے۔ چونکہ یہ نابینا تھے اس لئے دیکھ نہ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور بلند آواز سے عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ جو کچھ رب نے آپ کو سکھایا ہے مجھ کو بھی سکھایئے۔ اس وقت میں ان کا حاضر ہونا اور وعظ کے درمیان ان کا بولنا اور اس طرح آواز دینا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ ناگوار گذرا۔ سردارانِ قریش چلے گئے،

حضور علیہ السلام اپنے مکان شریف میں تشریف لے گئے اُن کو کچھ جواب نہ دیا۔ دولت خانہ میں جاتے ہی یہ آیت کریمہ اُتری۔ (شان حبیب الرحمن از مفتی احمد یار خاں نعیمی صفحہ 274 ، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

عزیزانِ گرامی! آیت اور اس کے شان نزول پر غور فرمایئے۔

یہاں قابل غور چند نکات ہیں:۔

۱۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت کیا فریضہ انجام دے رہے تھے؟

۲۔ اگر کوئی شخص اپنی ڈیوٹی انجام دے تو اس سے ناراض ہوا جاتا ہے یا خوش؟

عزیزانِ گرامی! حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً اس وقت اپنا فرضِ منصبی ادا فرما رہے تھے جو ڈیوٹی اُن کے ربّ نے اُن کو تفویض فرمائی تھی، اُس کو ادا فرما رہے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فرض کو کس طرح ادا فرماتے تھے؟ اور کس قدر بے چین رہتے تھے قرآن کی دیگر آیات بیان کرتی ہیں:

پہلی آیت کریمہ:۔

فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا (سورہ کہف۔ آیت ٦)

تو کیا آپ (فرطِ غم سے) تلف کر دینگے اپنی جان کو اُنکے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآنِ کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔

دوسری آیت کریمہ:۔

فان اللہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء فلا تذھب نفسک علیھم حسرات (سورہ فاطر۔ آیت ٨)

بیشک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے پس نہ گھلے آپ کی جان ان کیلئے فرطِ غم سے۔

تیسری آیت کریمہ:

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین (سورہ الشعراء۔ آیت ٣)

(اے جانِ عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔

قارئین کرام! غور فرمایئے! اپنے فرائض منصبی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس قدر مشغول ہیں، کس قدر ربّ کے بندوں کی فلاح کیلئے بے چین ہیں۔

پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں، اِدھر جور و جفا کا یہ حال ہے کہ کسی معقول بات پر بھی غور نہیں کرتے بلکہ اُلٹا مذاق اُڑاتے ہیں اور اُدھر رافت و رحمت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر قیمت پر انھیں ہلاکت کے گرداب میں گرنے سے بچانے کا خیال ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ مسجد حرام کے صحن میں، بازارِ مکہ کی ہنگامہ پرور فضاؤں میں، ان کی نشست گاہوں میں اوراُن کے خلوت کدوں میں جا جا کر انھیں سمجھایا جا رہا ہے۔ وہ بار بار جھڑکتے ہیں ناراض ہوتے ہیں بپھرتے ہیں لیکن اخلاص و محبت کا یہ چشمہ رواں ہی رہتا ہے۔ جب رات کی خاموشی چھا جاتی ہے ساری آنکھیں محوِ خواب ہوتی ہیں تو یہ اُٹھتا ہے اپنا سرِ نیاز بارگاہِ بے نیاز میں جھکاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر ان کی ہدایت کیلئے درد و سوز میں ڈوبی ہوئی التجائیں کرتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہدایت کی روشنی سے محروم رہا تو اس کی جان پر بن آئے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اس بے چینی اور اضطراب کو دیکھتا ہے جس میں کوئی ذاتی منفعت نہیں۔ وہ ان آہوں کے سوز سے واقف ہے، وہ ان آنسوؤں کو جانتا ہے جو اُس کے محبوب کی چشمِ مازاغ کی پلکوں پر جھلملاتے ہیں اور پھر اس کے حضور اس کی رحمت کی بھیک مانگنے کیلئے گر پڑتے ہیں۔ یہ بے خوابیاں، یہ بے تابیاں کن کیلئے ہیں؟ ان کیلئے جو جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دیتے ہیں کہ اتنا غم نہ کیجئے۔ (ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ 11)

حضرت عبداللہ ابن مکتوم کے واقعہ کی حیثیت کیا تھی۔

مفتی احمد یار خان نعیمی اس واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، قرآنِ پاک کا طریقۂ کلام تو دیکھو یہ نہیں فرماتا کہ آپ نے ترش روئی کی بلکہ فرماتا ہے کہ انہوں نے ترش روئی کی یعنی ہمارے ایک محبوب ہیں ان کو آج اپنے نیاز مند غلام سے کسی قدر ناراضگی ہو گئی۔ اے محبوب آپ تبلیغ اسلام میں اس قدر کیوں مشغول ہو جاتے ہیں کہ اگر آپ کی خدمت میں کوئی اپنا غلام آ جائے تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے اس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ معاذاللہ یہ ربّ کی ناراضگی اور عتاب ہے اپنے محبوب علیہ السلام پر لیکن بڑے غور کی بات یہ ہے کہ ناراضی ہوتی ہے کسی قصور پر۔ یہاں یہ بتاؤ کہ حضور علیہ السلام سے معاذاللہ کیا قصور ہوا کہ ناراضی فرمائی جاوے؟ کیونکہ آپ تو تبلیغ کا کام انجام دے رہے تھے جو کہ آپ کا فرضِ منصبی تھا کیا فرض ادا کرنے پر ناراضگی ہوتی ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم سے تین خطائیں ہوئیں درمیان گفتگو میں بولنا، ندا کر کے پکارنا اور کلامِ مصطفیٰ علیہ السلام کو بیچ میں سے کاٹنا۔ اگر یہ آیتِ عتاب تھی تو حضرت عبداللہ کو عتاب ہوتا نہ کہ حضور علیہ السلام کو۔ (شان حبیب الرحمٰن صفحہ 274,275)

مس کیرن آرمسٹرانگ جس واقعہ کو تنبیہ کہہ رہی ہیں اور اپنے تخیل کی بنیاد پر یہ بیان کرنے کی کوشش کررہی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امیروں کو تو توجہ دیتے تھے غریبوں سے لاپرواہی برتتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی۔ اگر وہ ان آیات پر ہی غور کر لیتیں تو اُن کو اس کا جواب مل جاتا۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تند لہجہ اختیار کر کے روسائے مکہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو اُن کی بڑی ضرورت ہے، اُن کے مسلمان ہونے سے اسلام کو چار چاند لگ جائیں گے، پیغمبر اسلام کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوگا، انہیں اسلام کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے جس محفل میں وہ موجود ہوں کسی دوسرے شخص کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں اُن کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ یہاں تو اس کو پذیرائی بخشی جاتی ہے جو خلوص اور طلبِ صادق لے کر حاضر ہوتا ہے خواہ وہ مفلس و کنگال ہی کیوں نہ ہو۔ جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمنڈ ہے، جس کے دل میں جذبۂ صادقہ نہیں اس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ انہیں اسلام کی ضرورت ہے تاکہ اس کی برکتوں اور ضیا پاشیوں سے ان کا تاریک مستقبل درخشاں ہو جائے۔ اسلام کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں اگر وہ اس سے فیض یاب نہ ہوں گے تو کئی دوسرے خوش نصیب اس چشمۂ شیریں سے آکر سیراب ہوں گے۔ قیامت تک آنے والے رئیسوں، دولتمندوں، خاقانوں اور قیصروں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ آیات کے لہجہ میں یہ تندی ایک اہم ضرورت کے پیش نظر اختیار کی گئی۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ 490)

امام فخر الدین رازی یہاں ایک سوال اُٹھاتے ہیں پھر خود ہی جواب دیتے ہیں:۔

سوال یہ ہے کہ غلطی حضرت عبد اللہ سے ہوئی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے انہوں نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی نیز ایک کافر کو دعوتِ اسلام دینا ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم سے مقدم ہے نیز بارگاہِ رسالت کے جو آداب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سکھائے تھے وہ تو یہ تھے کہ عامیانہ انداز میں حجروں سے باہر کھڑے ہو کر حضور کو نہ بلائیں بلکہ حضور کی آمد کا انتظار کریں پھر اس محفل میں انہیں سراپا ادب بن کر بیٹھ رہنا چاہئے تھا یہاں تک کہ حضور تبلیغ سے فارغ ہوتے اور پھر یہ اپنی گذارش کرتے، ان تمام باتوں کے پیش نظر عتاب حضرت عبد اللہ کو ہونا چاہئے تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے۔

رازی فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں بجاہیں اور عتاب کی اس کے بغیر کوئی حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اس وقت حاضر تھے وہ مکہ کے سردار اور دولت مند لوگ تھے انہیں اپنی اس برتری کا احساس بھی تھا اور اس پر انہیں گھمنڈ بھی تھا ان کی موجودگی میں اپنے کسی نیاز مند کے ساتھ یہ بے اعتنائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں بآسانی مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رخی تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی بلکہ محض ان لوگوں کی دولت وثروت اور ان کی ریاست کی وجہ سے ان کی پاسداری کی گئی ہے اور عبداللہ کو محض اس لئے نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ غریب عوام کا ایک فرد ہے اور جس نبی کو اللہ تعالٰی نے بھیجا ہی غریب نواز بنا کر ہو جس کا مقصد اوّلین ہی شکستہ دلوں اور غم زدوں کی دل جوئی اور دل داری ہو اور جو تشریف ہی اس لئے لایا ہو کہ فقراء و مساکین کی عزت افزائی کرے اس ہستی سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے اس کے منصب رفیع کے خلاف کوئی واہمہ پیدا ہو سکے اللہ تعالٰی کو ہر گز گوارا نہیں۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ 491)

ان دلائل سے یقیناً کیرن آرم اسٹرانگ پر حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی ہو گی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عدم برداشت کا الزام

کیرن آرم اسٹرانگ ایک نئے الزام کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے داغ سیرت پر قلمی جارحیت کے ساتھ لکھتی ہیں:۔

In must have been very difficult indeed for the Muslims, brought up in the jahili spirit, to practice hilm and turn the other cheek. Even Muhammad sometime had to struggle to maintain his composure. One of the early surahs expresses his rage against his uncle Abu Lahab and his wife, who used to scatter sharp thorns outside his house. (Muhammad P# 81)

جاہلی روایات کے مطابق پرورش یافتہ مسلمانوں کیلئے حلم سے کام لینا اور طمانچے کیلئے دوسرا گال آگے کردینا یقیناً بہت مشکل رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ حضرت محمد کو بھی کبھی کبھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آئی۔ ابتدائی سورتوں میں سے ایک میں آپ کے چچا ابو لہب اور اس کی بیوی کے خلاف غصے کا اظہار کیا گیا ابو لہب کی بیوی آپ کے گھر کے باہر کانٹے بکھیر دیا کرتی تھی۔ (پیغمبر امن، صفحہ 57)

مس کیرن اس عبارت کے ذریعے یہ کہنا چاہتی ہیں:۔

- جس طرح عیسائی تعلیم ہے کہ ایک گال پر اگر کوئی تھپڑ مارے تو اس کے آگے اپنا دوسرا گال بھی پیش کردو۔
- مسلمانوں کیلئے یہ بڑا مشکل کام تھا۔
- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آتی تھی۔

اور اس کے ثبوت میں یہ دلیل دیتی ہیں کہ آپ نے اپنے چچا کے خلاف ایک سورت میں غصے کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو لہب کی بیوی آپ کے گھر کے باہر کانٹے بکھیر دیتی تھی۔

کیرن آرمسٹرانگ مسیحیت اور اسلام کا تقابل بھی پیش کرنا ضروری سمجھتی ہیں اور انہوں نے غیر محسوس انداز میں اناجیل کا یہ پیغام بھی پہنچانے کی کوشش کی ہے:۔

جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے

اور جو کوئی تیرا چغہ چھین لے اسے کرتا لینے سے بھی منع نہ کر۔ (لوقا باب 6 آیت 29)

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ سیرتِ رسول کے بجائے اگر بائبل کا ہی صحیح مطالعہ کر لیتیں تو انہیں پیغمبر اسلام پر عدم برداشت کا الزام عائد کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

متی کی انجیل میں ہے:۔

یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کراؤں۔ (متی باب 10 آیت 34,35)

لوقا کی انجیل میں ہے:۔

اور جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ اپنا چغہ بیچ کر خریدے۔ (لوقا باب 22 آیت 37)

عزیزانِ گرامی! کیرن آرمسٹرانگ نے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت اور مسلمانوں کا زبردست مطالعہ کرنے کے بعد اگر یہ لکھا ہے تو بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مستشرقین کی پوری جماعت یا تو بصیرت کے افلاس کا شکار ہے یا پھر اندھے تعصب کے شعلوں نے فکر و نظر کی بینائی کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔

قارئین کرام! مسلمانوں کے اندر برداشت کا جو معاملہ رہا ہے تپتی ہوئی دھوپ میں حضرت بلال حبشی کی ننگی پیٹھ ---- حضرت خباب کو دہکتے ہوئے انگاروں کے سپرد کئے جانا ---- حضرت سمیہ کی شہادت ---- شعب ابی گھاٹی میں تین سال اور مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ ---- مدینہ اور حبشہ کی جانب ہجرت ---- قریش اور یہودیوں کا جنگیں مسلط کرنا ---- اور فتح مکہ میں ہر جگہ صبر وضبط ---- حلم و بردباری کا وہ تاج محل نظر آئے گا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی باوجود ہزار جفا کے اس صبر وضبط کی مثالیں دیئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

خود کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Ali's sister Umm Hani' arrived to plead for the lives of two of her relatives who had taken part in the fighting .Even though though 'Ali and Fatima wanted them executed; Muhammad immediately promised that they would be safe. He had no desire for bloody reprisals. Nobody was made to accept Islam nor do they seem to have felt any pressure to do so Reconciliation was still Muhammad's objective. (Muhammad P# 199-200)

حضرت علی کی بہن اُمِّ ہانی آئیں اور اپنے دو عزیزوں کی جان بخشی کی استدعا کی جنہوں نے لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ اگرچہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ انہیں قرار واقعی سزا دلوانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت نے فوراً ان کو تحفظ دینے کا وعدہ کرلیا۔ آپ خونیں انتقام کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے کسی کو بھی زبردستی قبولِ اسلام پر مجبور نہ کیا گیا اور نہ ہی کوئی دباؤ ڈالا گیا، اب بھی مفاہمت اور مصالحت آپ کا اوّلین مقصد تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 147)

'Muhammad issued a general amnesty.' . (Muhammad P# 20)

آنحضرت(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)نے عام معافی کا اعلان کیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 148)

Relatives of Safwan and'Ikrimah begged for their lives; Muhammad promised that, if they accepted his leadership, they were free to enter Mecca. Both decided to return and 'Ikrimah was the first to accept Islam. Muhammad greeted him affectionately and forbade anybody to vilify his father, Abu Jahl. (Muhammad P# 202)

صفوان اور عکرمہ کے رشتہ داروں نے جان کی امان مانگی آنحضرت نے وعدہ کیا کہ اگر وہ آپ کو راہنما تسلیم کر لیں تو انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی دونوں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور عکرمہ نے پہلے اسلام قبول کیا۔ آنحضرت نے مشفق انداز میں اسے مبارک دی اور اس کے باپ ابو جہل کے خلاف برُے کلمات کہنے سے سب کو منع کر دیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 149)

His most hated enemies were not only reinstated but promoted and showered with gifts. (Muhammad P# 204)

آپ نے بدترین دشمنوں کو نہ صرف بحال کیا بلکہ تحائف سے بھی نوازا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 150)

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ کا اپنا قلم اپنا ہی رڈ کر رہا ہے جس بات کو وہ اسلام پیغمبر اسلام کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں دوسری جگہ خود ہی اس کی نفی بھی کرتی ہیں۔

۳۔ کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ نے لکھا کہ

One of the early surahs expresses his rage against his uncle Abu Lahab and his wife, who used to scatter sharp thorns outside his house. (Muhammad P# 81)

ابتدائی سورتوں میں سے ایک میں آپ کے چچا ابولہب اور اس کی بیوی کے خلاف غصے کا اظہار کیا گیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 57

عزیزانِ گرامی! سورہ 'تبت یدا' میں ابولہب کی مذمت بیان ہوئی۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ، مدینہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدخواہوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کی کمی نہ تھی، ایک سے بڑھ کر ایک فتنہ پرور شخص نے آپ کی مخالفت پر کمر کسی ہوئی تھی پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ابولہب کی اس شدت سے مذمت بیان کی گئی۔

پیر کرم شاہ الازہری اس کا جواب یوں دیتے ہیں:۔

جہاں محبت کی توقع ہو وہاں سے اگر نفرت وعداوت کا لاوا پھوٹ نکلے، جہاں سے تائید واعانت کی امید ہو وہاں سے مخاصمت کا طوفان اُمڈنے لگے تو یقیناً یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ابو لہب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا، حضرت عبداللہ اور ابو لہب دونوں حقیقی بھائی تھے اس سے بجا طور پر یہ اُمید کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے سگے بھائی کے یتیم بیٹے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہوگا اور اس کی تائید ونصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرے گا نیز یہ بنی ہاشم کا رئیس تھا عرب کا وہ معاشرہ جس میں ہادیِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اس میں ہر قسم کی مرکزیت قبیلہ کو حاصل تھی قبیلہ کے ہر فرد کی امداد کرنا اس قبیلہ کے سردار کی اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری تھی اگر وہ فرد ظالم بھی ہوتا تو مظلوم کی مدد کے بجائے قبیلہ کے سارے افراد اپنے ظالم بھائی کی مدد کرنا ضروری سمجھتے۔ ابو لہب بنی ہاشم کا رئیس تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے اُس کا یہ فرضِ اوّلین تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک باکمال فرد کی دعوت قبول کرتا اور دعوت کو کامیاب بنانے کیلئے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیتا۔

خونی اور خاندانی قریبی تعلقات کے علاوہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا دونوں مکانوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ پڑوسی کا حق دنیا کے ہر معاشرے میں مسلّم ہے نیز ہمسائیگی کے باعث وہ حضور کے ذاتی اور عائلی ایسے حالات کو بھی جانتا تھا جن سے عموماً دوسرے لوگ واقف نہیں ہوتے۔ ایسی پاکیزہ زندگی، ایسی من موہنی سیرت، ایسے بے داغ کردار کا مشاہدہ وہ شب وروز کرتا اور پھر اس مرقع زیبائی ورعنائی پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہ آتا تھا پھر جس شدت وخست سے وہ اپنی عداوت کا مظاہرہ کیا کرتا اس کی بھی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گھر میں جب مصروفِ عبادت ہوتے تو وہ مردہ جانوروں کی بدبودار اوجھ گلی سڑی آنتیں اُٹھالاتا اور حضور پر پھینک دیتا گھر کے آنگن میں کوڑا کرکٹ ڈالنا اور جہاں ہنڈیا پک رہی ہوتی وہاں غلاظت پھینکنا اس کا روز مرہ کا معمول تھا۔ صرف اسی پر بس نہیں اس کی بدبخت بیوی امارت ووجاہت کے باوصف خود جنگل میں جاتی اور خاردار ٹہنیاں چنتی، ان کا گٹھا اپنے سر پر اُٹھا کر لاتی اور رات کے وقت حضور کی راہ میں ڈال دیتی تا کہ آخر شب جب حضور حرم کی طرف تشریف لے جائیں تو آپ کے نرم ونازک پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ جائے۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ 701)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

دین اسلام اور رسولِ اسلام سے اس کا بغض و عناد اتنا شدید تھا کہ وہ ہر وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے لگا رہتا اور حضور کی تکذیب کرتا۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں تجارتی بازار لگتے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں تشریف لیجاتے اور حاضرین کو دعوتِ توحید دیتے۔ یہ کمبخت ہر ایسے موقع پر پہنچ جاتا اور چلا چلا کر لوگوں کو کہتا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا ہے یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس کے قریب مت جانا، اس کی بات ہرگز نہ سننا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ الغرض اس سے اسلام کی تائید و نصرت کی جتنی توقعات وابستہ کی جاسکتی تھیں وہ ان کے برعکس اتنی شدت سے ہی اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہا کرتا۔ عداوت و مخالفت میں اس کا بڑا نمایاں کردار تھا جو ایک انفرادی حیثیت کا مالک تھا اس لئے قرآن کریم نے اس کا نام لے کر لعنت کی بوچھاڑ کی گئی۔ ابو لہب اس کی کنیت تھی اور اسی سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ عبدالعزیٰ اس کا نام تھا۔ یہ ناپاک نام اس قابل نہ تھا کہ اس کو قرآن میں ذکر کیا جاتا اس لئے اس کے نام کے بجائے اس کی کنیت ابو لہب ذکر کی گئی تا کہ لوگوں کو اس کے دوزخی ہونے کا پتہ چل جائے۔

اس سورت کے مطالعے سے اس امر کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بارگاہِ رسالت میں معمولی سی گستاخی سے جبینِ قدرت پر کس طرح شکن پڑ جاتے ہیں غضبِ خداوندی کے شعلے کس طرح بھڑکتے ہیں۔ اس بدنصیب نے تو ایک انگلی اُٹھا کر اشارہ کیا اور نازیبا الفاظ بکے اس کے جواب میں رحمتِ عالم نے تو اسی حلم اور عفو و درگزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایانِ شان تھا لیکن غیرتِ خداوندی جوش میں آگئی اور 'تبت یدا ابی لہب' فرما کر ہر بے ادب اور ہر گستاخ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم سے کوئی ایسا لفظ یا فعل صادر ہوا جس سے میرے حبیب کی شان میں بے ادبی کا کوئی پہلو نکلے تو یاد رکھو غضب الٰہی کی بجلی کوندے گی اور تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گی۔ (ایضاً صفحہ 702,703)

عزیزانِ گرامی! پیغمبر اسلام نے تو اسی حلم و عفو و درگزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایانِ شان تھا لیکن ربّ العالمین کو ابو لہب کی یہ مخالفت و دشنام طرازی پسند نہ آئی تھی۔ بائبل میں اسی طرز پر لکھا ہوا ہے:۔

خداوند نے میرے خداوند سے کہا کہ میرے دائیں بیٹھ جب تک کہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی نہ کر دوں۔ (مرقس باب 12 آیت 36)

اگر کیرن آرمسٹرانگ مستشرقہ بننے کے بجائے نن ہی رہتیں تو آج ان کی وجہ سے عیسائیت کی بنیادیں نہ لرزتیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اخلاق اور مستشرقین کی شہادتیں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا مستشرقین بھی ہزار مخالفتوں کے باوجود آپ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو اپنے تخیل کی پرواز پر گھٹانے کی ناکام کوششوں کے باوجود آپ کے اخلاق، آپ کے صبر وضبط، آپ کا حلم، آپ کی بردباری کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

منٹگمری واٹ تسلیم کرتا ہے:۔

'...... and established a religious and social framework for the life of a sixth of the human race today. This is not the work of a traitor or a leacher'

(Muhammad at Madina P# 323 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ایک روحانی اور سماجی نظام قائم کیا جو آج کی ترقی یافتہ دنیا کے چھٹے حصے کی راہنمائی کر رہا ہے۔ یہ کام کسی دھوکے باز یا عیاش شخص کا نہیں ہو سکتا۔

'...... and established a religious and social framework for the life of a sixth of the human race today. This is not "He gained men's respect and confidence by the religious basis of his activity and by qualities such as courage, resoluteness, impartiality and firmness inclining to severity but tempered by generosity. In addition to these he had a charm of manner which won their affection and secured their devotion. (Muahmmad prophet and statseman P# 231 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

آپ اپنے مذہبی افعال، جرأت، استقلال، غیر جانب داری اور ثابت قدمی جیسی خصوصیات کے ذریعے لوگوں کا اعتماد حاصل کرتے۔ آپ تشدد کی طرف مائل تھے لیکن آپ کی سخاوت، اس میں توازن پیدا کر دیتی تھی۔ ان کے علاوہ آپ کا حسن اخلاق لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیتا تھا۔

ٹارانڈرائے لکھتا ہے:۔

'This reminds us of the fact that Muhammad himself actually possessed a generous nature, that he was able to let the past be forgotten, and that he often showed an understanding of how to win over former enemies by magnanimity'. (Muhammd the man and his faith P# 71 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بذاتِ خود کریم الطبع تھے آپ ماضی کی تلخیوں کو فراموش کر سکتے تھے۔ آپ کی زندگی میں بعض واقعات ایسے پیش آئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آپ ماضی کے دشمنوں کے دل اپنی عالی ظرفی سے جیت لیتے تھے۔

فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کا جو بے مثال کردار چشمِ فلک نے دیکھا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ٹارانڈرائے لکھتا ہے:۔

'It is rarely that a victor has exploited his victory with greater self-restraint and forbearance then did Mohammad.' (Muhammd the man and his faith P# 166 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی فاتح نے فتح کے وقت اس تحمل اور ضبطِ نفس کا مظاہرہ کیا ہو، جس کا مظاہرہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے کیا تھا۔

'His position as a ruler was strengthened by his generosity, and his ability to set personal opinions and feelings aside in order to reach larger goals'. (Muhammd the man and his faith P# 167 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

حکمران کی حیثیت سے آپ کی پوزیشن اس لئے مضبوط ہوئی کہ آپ سخی تھے اور عظیم تر مقاصد کی خاطر اپنی ذاتی رائے اور احساسات کو قربان کر سکتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کردار کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ٹارانڈرائے لکھتا ہے:۔

'Such moral self-consciousness doubtless presupposes an absence of apparent contradiction between Mohammad's religious ideal of life and his personal conduct.' (Muhammd the man and his faith P# 180 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

اپنی ذات کا یہ اخلاقی شعور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے زندگی کا جو مذہبی نمونہ کامل لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، اس میں اور آپ کے ذاتی کردار میں تضاد نہ تھا۔

یہاں ٹارانڈ رائے وہی بات کر رہا ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہی تھی جب آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ آپ کے اخلاق قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔

ولیم میور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر حملے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا لیکن آپ کی اخلاقی عظمتوں کو وہ بھی ان الفاظ میں سلام کرتا ہے:۔

'In all his dealings he was fair and upright, and as he grew in years his honorable bearing on for him the title of Al-Ameen the faithful'. (Muhammd and Islam P# 9 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) معاملات میں راست باز اور انصاف پسند تھے۔ جب آپ کی عمر زیادہ ہوئی تو آپ کے شریفانہ طرزِ عمل کی وجہ سے قوم نے آپ کو 'الامین' کا لقب دیا۔

عبداللہ بن ابی مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ولیم میور تسلیم کرتا ہے کہ اس کی مسلسل دشمنی کے باوجود حضور نے اس کے ساتھ حلیمانہ سلوک کیا، وہ کہتا ہے:۔

'Considering his persistent opposition, Mahomet had upon the whole treated him throughout with much forebearance.' (Muhammd and Islam P# 205 بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم

عبداللہ بن اُبی کی مسلسل مخالفت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے ساتھ ہمیشہ تحمل اور بردباری سے پیش آئے۔

مستشرقین کی ان عبارات سے ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت وہ سیرت ہے۔۔۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اخلاق وہ اخلاق ہے۔۔۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کردار وہ کردار ہے جسے کل تک کفارِ مکہ خون آشام دشمنی کے باوجود تسلیم کیا کرتے تھے اور جسے آج بھی مستشرقین جیسے متعصب دشمن بھی تسلیم کر رہے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اخلاق و کردار کی عظمت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

پیغمبر اسلام کی ہجرت

پیغمبر اسلام کی ہجرت پر بھی کیرن آرمسٹرانگ نے ایک بودا سا اعتراض کیا۔ لکھتی ہیں:۔

Muhammad's position in Mecca remained dangerously insecure. During the hajj of 620, he again visited the pilgrims who were camping in the valley of Mina ,going from tent to tent in the hope of attracting supportand protection.

(بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم Muhammd P# 101)

مکہ میں آنحضرت کی حیثیت خطرناک حد تک غیر محفوظ ہو گئی تھی۔ 620 کے حج کے دوران آپ ایک مرتبہ پھر منیٰ میں خیمہ زن زائرین سے ملنے گئے اور امداد و تحفظ حاصل کرنے کی غرض سے ایک کے بعد دوسرے خیمے میں گئے۔

(پیغمبر امن، صفحہ 72)

کیرن آرم اسٹرانگ کا یہ گمان انتہائی غلط ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امداد و تحفظ کو حاصل کرنے کی غرض سے ایک کے بعد دوسرے خیمے میں گئے۔

کیرن آرم اسٹرانگ صاحبہ جس کا محافظ خود رب العالمین ہو۔۔۔ جس کا مددگار اللہ تعالیٰ ہو جس کے تمام دشمن جو پیشہ قتل و غارت گری میں کسی سے کم نہ ہوں وہ اسے نقصان نہ پہنچا سکے باوجود ہزار کوششوں کے وہ اس نورِ الٰہی کو بجھا نہ سکے۔ کیا وہ ذات محض دشمنوں کے خوف سے مکّہ کو چھوڑ دے گی۔

احبابِ من! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہجرت سے قبل ہر لمحہ زندگی کا مطالعہ کر ڈالئے آپ دیکھیں گے آپ کی زندگی میں ان گنت مشکلات آئیں، قدم قدم پر دشمنوں نے مصائب وآلام کے پہاڑ حائل کئے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ آپ نے اُن کے تمام ظلم و ستم کو سہا، دشمنانِ اسلام نے آپ کو طائف کے میدان میں زخمی کیا۔ شعب ابی طالب میں محصور کیا۔ مکہ کی گلیوں میں آپ کے غلاموں پر وحشیانہ تشدد کے پہاڑ توڑے مگر کہیں بھی تو آپ خوفزدہ نہیں ہوئے بلکہ ہر جگہ بے مثل و بے مثال شجاعت کا اظہار کیا کہ دشمن بھی حیران رہ گئے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کیوں فرمائی صاحب ضیاء النبی لکھتے ہیں:۔

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کی وجہ یہ تھی کہ مکہ کے ماحول میں جہاں کفر و شرک کے تنگ دل اور سنگدل پرستاروں کو بالادستی حاصل تھی وہاں دعوتِ توحید کا شجر بار آور نہیں ہو سکتا تھا، خاندانی برتری کا بھوت جہاں سروں پر سوار تھا وہاں اسلامی مساوات کا نظریہ کیونکر نشو نما پا سکتا تھا، جہاں دولت اور طاقت کی نخوت کے باعث عظمت انسانی کی ساری قدریں پامال ہوتی رہتی تھیں وہاں اسلامی عدل و احسان کے اصولوں کو کیونکر پذیرائی حاصل ہو سکتی تھی، جہاں سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں نے سارے معاشرہ کو غریب و امیر دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہو وہاں اسلام کے کریمانہ اور فیاضانہ نظامِ معیشت پر عمل کیونکر ممکن تھا، جہاں ہر شخص اپنے قبیلہ کی قوت و طاقت کے بل بوتے پر ہر ظلم روا رکھتا ہو وہاں اسلامی انصاف کے نازک نظام کو کیونکر عملی جامہ پہنایا جا سکتا تھا، جہاں غریبوں اور زیر دستوں کو ستانا اور لوٹنا سیادت کی نشانی ہو، جہاں مے خواری اور قمار بازی دولت و ثروت کی علامت ہو، جہاں فسق و فجور کا ارتکاب متمول خاندانوں کے نوجوانوں کا محبوب ترین مشغلہ ہو، جہاں قحبہ گر عورتوں کے گھروں پر جھنڈے جھولتے ہوں وہاں اسلام کے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور انسانیت پرور نظام حیات کا نفاذ کیونکر ممکن تھا۔

اس لئے ضروری تھا کہ رہبر نوع انسانی ایک ایسے مقام کو اپنی رہائش کیلئے اختیار کرے جہاں کی آزاد فضا میں اسلام اپنے تمام عقائد، قوانین، اخلاقی ضوابط اور سیاسی عادلانہ اصولوں کو بآسانی نافذ کر سکے۔ (ضیاء النبی جلد سوم صفحہ 44)

پیغمبر اسلام کی ازدواجی زندگی

پیغمبر اسلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی وہ زندگی جس نے زندگی کو رموزِ زندگی عطا کئے، آپ کا کردار وہ کردار کہ کردار کی اعلیٰ قدریں آپ کے کردار پر فدا ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ ایسا جاوداں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خوں آشام دشمن بھی آپ کے کردار کی گواہی دیتے، صداقت وامانت کے نعرے بلند کرتے، آپ کی پاکیزہ زندگی کی مثالیں پیش کرتے۔

مگر آج اندھے تعصب نے ۔۔۔ اسلام دشمنی نے ۔۔۔ اُجالوں کے دشمنوں نے ۔۔۔ تحقیق کے لبادے اوڑھ کر علم کی مسندوں پر بیٹھ کر اسلام کے خلاف اور پیغمبر اسلام کے خلاف دل کھول کر زہر اگل رہے ہیں۔ آدھے سچ اور آدھے جھوٹ کو میکاولی سیاست کے پیروکار، ایک خدا کے تین بتانے والے نام نہاد موحد جنہیں اسلام اپنا سب سے بڑا دشمن نظر آرہا ہے تحقیق کے لبادے میں پیغمبر اسلام کی سیرت پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مستشرقین نے آپ کی ازدواجی زندگی پر بڑے کریہ اعتراضات کئے جنہیں میں یہاں نقل کرنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اپنے پیش روں کی طرح حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے کیرن آرمسٹرانگ نے بھی ایک نیا مگر عیارانہ اسلوب اپنایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر عیارانہ انداز میں وار کئے۔

مستشرقہ کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Muhammad was emotionally and physically drined by the strain of the last few years. He had always been emotionally dependent upon his women and this made him vulnerable. When he decided to tack another wife ,tongues started to wag again. Zaynab bint jahsh had always been close to Muhammad; she was his cousin, but she was also the wife of Zayd, his adopted son. Muhammad had arranged the match himself shortly after the hijrah Zaynab had for from enthusiastic: Zayd was not physically repossessing and she may even then have been interested in Muhammad himself .

Zaynab was now in her last thirties, but, despite the harsh climate and condition of Arabia, sea was still extremely beautiful. A pious woman, she was a skilled leather-worker and gave all the proceeds of her craft to the poor. Muhammad seems to have seen her with new eyes and to have fallen in love quite suddenly when he had called at her hous one afternoon to speak to Zayd, who happened to be out. Not expecting any visitors, Zaynab had come to the door in dishabille, more revealingly dressed than usual, and Muhammad had averted his eyes hastily, muttering 'praise be to Allah, who changes men's hearts!' shortly afterwards, Zaynab and Zayad were divorced. The marriage had even been happy Zayd was glad to release her. (Muhammmd P# 167)

گذشتہ چند برس کے ذہنی دباؤ نے جذباتی اور جسمانی لحاظ سے آنحضرت کو بہت متاثر کیا تھا۔ آپ جذباتی لحاظ سے ہمیشہ اپنی ازدواج پر منحصر رہے تھے اس چیز نے آپ کو زد پذیر بنا دیا۔ جب آپ نے ایک اور خاتون کو زوجہ بنانے کا فیصلہ کیا تو زبانیں دوبارہ حرکت میں آئیں حضرت زینب بنت جحش ہمیشہ سے آپ کے قریب رہی تھیں وہ آپ کی کزن لیکن آپ کے منہ بولے بیٹے زید کی بیوی تھیں آپ نے یہ رشتہ ہجرت کے کچھ ہی عرصہ بعد خود کروایا تھا حالانکہ حضرت زینب اس رشتے کے معاملے میں زیادہ مشتاق نہ تھیں زید جسمانی اعتبار سے پرکشش نہ تھے تب حضرت زینب کی عمر تیس دہائی کے آخر میں پہنچ چکی تھی لیکن عرب کی شدید آب وہوا اور حالات کے باوجود آپ اب بھی حسین و جمیل تھیں۔ وہ پرہیز گار اور چمڑے کی مصنوعات بنانے میں ماہر تھیں وہ اپنی ساری آمدنی غریبوں میں بانٹ دیتی۔ ایک روز آنحضرت زید سے کوئی بات کرنے ان کے گھر گئے لیکن وہ موجود نہ تھے حضرت زینب لاعلمی میں بے حجاب دروازے سے باہر آئیں تو آنحضرت نے فوراً اپنی نظریں دوسری طرف کرلیں اور فرمایا تعریف اس اللہ کی جو انسانوں کے دل موڑ دیتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ بعد حضرت زینب کو حضرت زید نے طلاق دے دی ان کی ازدواجی زندگی کبھی بھی خوشگوار نہیں رہی تھی اور زید نے بخوشی انہیں آزاد کردیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 123)

قلم کی آوارگی کا عجب حال ہے۔ مادر پدر آزاد معاشرے کی ایک آزاد خاتون جو نن بھی رہ چکی ہوں اور تحقیق کے نام پر تنقیص کے محاذ پر سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حملہ کر رہی ہوں ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی کیونکہ جس معاشرے سے ان کا تعلق ہے وہاں لوگوں کو نہ اپنے والد کا نام معلوم ہو اور نہ ہی رشتوں کا تقدس۔ انکے زبان و قلم اگر ہذیان نہ بکیں تو کیا کریں۔

قارئین کرام! حضرت زینب بنت جحش وہ واحد ام المومنین ہیں جن سے شادی کرنے پر کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور مستشرقین نے سب سے زیادہ اعتراضات کئے۔

اور اس تاثر کو تقویت دینے کی کوشش کی گئی کہ (معاذاللہ ثم معاذاللہ) پیغمبر اسلام کی یہ تمام شادیاں نفس کی خواہش پر مبنی تھی۔

عزیزانِ گرامی! اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا کوئی جرم ہے تو اس کا الزام صرف پیغمبر اسلام پر ہی کیوں؟ اگر یہ جرم ہے تو ان تمام محترم اور پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں کیرن آرمسٹرانگ کیا کہیں گی جنہوں نے بیک وقت کئی سو بیویاں رکھیں اور ان تمام انبیائ پر یہود و نصاریٰ ایمان بھی لاتے ہیں۔ اُن کا تذکرہ بائبل میں بھی ملتا ہے۔

انبیائے کرام کی ازدواجی زندگی بائبل کی روشنی میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام

عیسائی حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے قائل ہیں اور ان کو اللہ کا خلیل مانتے ہیں۔ بائبل میں ہے:

ابراہیم خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کیلئے صداقت محسوب ہوا اور وہ خلیل اللہ کہلایا۔ (کلام مقدس از یعقوب باب 2 آیت 23)

انہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج کے متعلق بائبل میں ہے کہ آپ نے تین شادیاں کیں۔

۱۔ حضرت ہاجرہ:۔

اور ابرام کیلئے ہاجرہ سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا اور جب ابرام چھیاسی برس کا تھا جب ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوا۔ (تکوین باب 16 آیت 15,16)

۲۔ حضرت سارہ سے اولاد:۔

بائبل میں حضرت باراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی سے اولاد کے بارے میں ہے:۔

اگلے سال میں اس موسم میں تیرے پاس پھر آؤں گا اور سارہ سے بیٹا ہوگا۔ (تکوین باب 18 آیت 14)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی کے متعلق بائبل میں ہے:۔

اور ابراہیم نے ایک اور بیوی کی جس کا نام قطورہ تھا اور اس سے زمران اور یقشان اور مدان اور مدیان اور یشباق اور شوح پیدا ہوئے۔ (تکوین باب 25 آیت 1,2)

مستشرقین کیا کہیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعدادِ ازواج کے متعلق کیا اُن کی زبانیں ویسے ہی ہذیان بکیں گی جیسی کہ وہ پیغمبر اسلام کے خلاف ننگی ہو جاتی ہیں؟ اگر نہیں تو ہم ان سے یہی عرض کریں گے کہ وہ پیغمبر اسلام کی شانِ مبارک میں بھی گستاخانہ لفظ کہنے سے اسی طرح رک جائیں جس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے سامنے خاموش ہو جاتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

یہود و نصاریٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کی عظمت کے بھی قائل ہیں۔ جیسا کہ بائبل میں ہے:

اور جہان کے تمام اقدام تیرے اور تیری نسل کے وسیلے سے برکت پائیں گی۔ (تکوین باب 28 آیت 14)

اسی محترم و مکرم نبی نے بھی چار شادیاں کیں جیسا کہ بائبل میں ہے:۔

۱۔ پہلی زوجہ لیاہ:

تب لابن نے سب لوگوں کو بلا کر شادی کی ضیافت کی اور رات کے وقت اس نے اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس بھیجا اور وہ اس کے پاس گیا۔ (تکوین باب 29 آیت 22)

۲۔ دوسری زوجہ زِلفہ:

اور لابن نے اپنی لونڈی زلفہ اپنی بیٹی لیاہ کے ساتھ دی تاکہ اس کی لونڈی ہو۔ (تکوین باب 29 آیت 24)

۳۔ تیسری زوجہ راحیل:

یعقوب نے ایسا ہی کیا اور اس کا ہفتہ پورا کیا تب اس نے اپنی بیٹی راحیل کو بھی اسے بیاہ دیا۔ (تکوین باب 29 آیت 26)

۴۔ چوتھی زوجہ بِلہہ:

اور لابن نے اپنی لونڈی بلہہ اپنی بیٹی راحیل کو دی کہ اس کی لونڈی ہو۔ (تکوین باب 29 آیت 30)

مستشرقین ان شادیوں کے متعلق یقیناً کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم اُن سے یہی گزارش کریں گے کہ اگر آپ پیغمبر اسلام کی شادیوں کو دشنام طرازی کا نشانہ بنائیں گے تو از خود یہودیت و عیسائیت کی بنیادیں لرز اُٹھیں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے بائبل اس طرح شان بیان کرتی ہے:۔

اور بعد ازاں اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند نہ اٹھا جس کو خداوند نے روبرو جانا۔ (استثنیہ شرع باب 34 آیت 10)

حضرتِ کلیم نے بھی چار شادیاں کیں جیسا کہ بائبل میں مذکور ہے:

پہلی زوجہ صفورہ:

تب موسیٰ اس مرد کے گھر میں رہنے کیلئے رضامند ہوا اور
اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو بیاہ دی۔ (خروج باب 2 آیت 21)

دوسری زوجہ جیشیہ:

تیسری زوجہ قینی:

تیسری زوجہ کے باپ کا نام قینی تھا۔ (قاضیون باب 1 آیت 16)

چوتھی زوجہ حباب:

ایک اور بیوی جس کے باپ کا نام حباب تھا۔ (قاضیون باب 4 آیت 16)

بائبل میں لاتعداد بیویوں کی اجازت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں لاتعداد بیویوں کی بھی اجازت ہے جیسا کہ بائبل میں ہے:۔

جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کیلئے خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے حوالے کردے اور تو انہیں اسیر کرلائے اور تو اسیروں میں کوئی خوبصورت عورت دیکھے اور تیری خواہش ہو کہ تو اسے اپنی بیوی بنائے تو تو اس کو اپنے گھر میں لا اس کا سر منڈوا اور اس کے ناخن کٹوا اور وہ اپنی اسیری کے کپڑے اتارے اور تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ اپنے باپ اور ماں کیلئے ماتم کرے بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر اور اس کا شوہر بن اور وہ تیری بیوی بنے۔ (استثنیہ شرع باب 21 آیت 10 تا 13)

ایک سے زائد شادیوں کے بارے میں خود پادری میتھیو لکھتا ہے:۔

موسیٰ کی شریعت اس سے روکتی نہیں۔ (تفسیر الکتاب جلد اوّل صفحہ 452)

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بائبل کہتی ہے:۔

دیکھ میں نے تجھ کو دانشمند فہیم دل دیا یہاں تک کہ تیری مانند پہلے کوئی نہ ہوا اور نہ تیرے بعد کوئی تیری مثل برپا ہو گا اور جو تو نے نہیں مانگا وہ بھی میں نے تجھے دیا یعنی دولت و حشمت ایسا کہ تیرے دنوں میں بادشاہوں میں سے کوئی تیری مانند نہ ہو گا۔ (املوک باب 3 آیت 12,13)

اسی پاکیزہ اور معصوم نبی کے بارے میں ہے کہ آپ نے سات سو شادیاں کیں۔ بائبل میں ہے:

اور اس کی سات سو بیویاں اور سو زنانِ مدخولہ (لونڈیاں) تھیں۔ (املوک باب 11 آیت 3)

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک سے زائد ازواج تھیں اور ان انبیائے کرام کی ایک سے زیادہ ازواج پر کبھی بھی اعتراض نہیں کیا گیا اور ان کی ایک سے زیادہ شادیوں کے باوجود ان کی تقدیس میں کوئی فرق نہیں آیا۔

قارئین کرام! ان تمام انبیاء پر یہود و نصاریٰ ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ایک سے زائد شادیاں کرنے پر ان محترم و مکرم شخصیتوں پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا تو پیغمبر اسلام کی ایک سے زائد شادیوں پر کیونکر اعتراض کیا جا سکتا ہے؟

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کو معیارِ نبوت پر پرکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ آپ کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا منہاجِ نبوت کے عین مطابق تھا۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 473)

احباب من! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے ہر لمحہ میں نور و نکہت کی معصومیت چھلکتی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادیوں پر مستشرقین اپنی زبانِ طعن دراز کرتے ہیں ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے سیرتِ پیغمبر اسلام کا بغور مطالعہ کیا ہے؟ یقیناً انہوں نے سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گہرا مطالعہ کیا ہے مگر اسلام اور پیغمبر اسلام کے بغض کے کینسر میں یہ اتنی بری طرح مبتلا ہیں کہ انہیں حق نظر ہی نہیں آتا، اندھی عصبیت نے ان کی بینائی سلب کر لی ہے۔

پیغمبر اسلام کی ازدواجی زندگی

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو ہم اہلِ انصاف کی عدالت میں پیش کرتے ہیں:۔

- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس معاشرے میں جوان ہوئے جہاں قحبہ گری عام تھی مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن بھی آپ کی حیاو عصمت کی قسم کھاتے نظر آتے ہیں۔
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن وسیرت اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے کئی خواتین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کی آرزومند تھیں۔
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی۔
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس خاتون کو سب سے پہلے زوجیت کا شرف بخشا وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں شادی کے وقت اُن کی عمر چالیس سال تھی اور عرب جیسے گرم ملک میں جہاں شباب نسواں جلد ڈھل جاتا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسی خاتون سے شادی کی جو اس سے قبل دو خاوندوں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ اُن کو یاد رکھا۔ کیا اب بھی کوئی پیغمبر اسلام کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ اس شادی کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستارانِ حُسن کی شادیوں میں پائی جاتی ہے۔
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے پچیس سال اسی واحد خاتون کے ساتھ گزارے۔ اپنی عمر کے پچاس سال تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے ہمراہ رہے اور اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پینسٹھ سال ہو چکی تھی۔ جب تک حضرت خدیجہ حیات رہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔
- دوسری شادی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد کی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوسری زوجہ محترمہ ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ کے علاوہ کوئی بھی زوجہ کنواری نہیں تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ کے علاوہ تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ تھیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے مقاصد بہت زیادہ بلند تھے اور ان مقاصد تک مستشرقین کی تعصبانہ نگاہ پہنچ نہیں سکتی۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرات 55 سے 59 سال کی مدت میں آباد ہوئے لہٰذا اس کے خاص خاص اسباب کیا تھے؟ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی موجود ہے:

مالی فی النساء من حاجة

مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔

(رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ 128 بحوالہ درامی بروایت سہیل بن سعد مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور 1968)

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادی سے قبل اپنا دورِ شباب ایسا گزارا کہ حیا کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور عصمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت پر ناز کرتی نظر آتی ہے اور پھر پچیس سال کی عمر میں پہلی شادی کی اور پچاس سال کی عمر تک دوسری شادی نہیں کی، شباب کا پورا زمانہ ایک ہی خاتون کے ساتھ گزارا اور اس پورے طویل دور میں نہ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامنِ عصمت پر کوئی داغ ہے اور نہ ہی اس دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرے نکاح کا سوچا۔ کیا اس پاکیزہ ہستی کے بارے میں یہ کہنا درست ہوگا کہ پچپن سال کی عمر میں آپ کی خواہشات اچانک بڑھ جائیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگ صادق و امین کے لقب سے پکارتے تھے۔ ہزاروں لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان ہونے کیلئے تیار رہتے تھے۔ ہر نامور شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ مصاہرت کو اپنے لئے بڑی سعادت اور باعثِ فخر سمجھتا تھا۔

کفارِ مکہ آپ کو خوبصورت ترین دوشیزہ اور بادشاہت کی پیش کش کر رہے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں۔ جس شخصیت کو اپنے شباب کے عروج پر اس قسم کی پیشکش ہوں وہ اپنی زوجیت کیلئے حسین ترین دوشیزہ کا انتخاب کرے گا یا اس کی نگاہِ انتخاب بیوہ اور معمر خواتین پر پڑے گی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادی کے مقاصد وہ نہیں تھے جسے مستشرقین اپنے تخیل کی بنیاد پر ہوا دیتے ہیں۔

(پیر کرم شاہ الازہری نے ان مقاصد پر اپنی کتاب ضیاء النبی کی آخری جلد میں ان مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے تفصیلات کیلئے دیکھئے: ضیاء النبی جلد ہفتم)

کیرن آرمسٹرانگ نے حضرت زینب سے متعلق لکھا ہے:۔

Zaynab was now in her last thirties, but, despite the harsh climate and condition of Arabia, sea was still extremely beautiful. (Muhammd P# 167)

حضرت زینب کی عمر تیس دہائی کے آخر میں پہنچ چکی تھی لیکن عرب کی شدید آب وہوا اور حالات کے باوجود آپ اب بھی حسین وجمیل تھیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 123)

مزید آگے اپنے اس تخیل کی بنیاد پر پیغمبر اسلام کیلیے لکھتی ہیں:۔

Muhammad seems to have seen her with new eyes and to have fallen in love quite suddenly when he had called at her house one afternoon to speak to Zayd, who happened to be out. Not expecting any visitors, Zaynab had come to the door in dishabille, more revealingly dressed than usual, and Muhammad had averted his eyes hastily, muttering 'praise be to Allah, who changes men's hearts!' shortly afterwards, Zaynab and Zayad were divorced. The marriage had even been happy Zayd was glad to release her. (Muhammd P# 167)

ایک روز آنحضرت زید سے کوئی بات کرنے ان کے گھر گئے لیکن وہ موجود نہ تھے۔ حضرت زینب لاعلمی میں بے حجاب دروازے سے باہر آگئیں تو آنحضرت نے فوراً اپنی نظریں دوسری طرف کرلیں اور فرمایا تعریف اس اللہ کی جو انسانوں کے دل موڑدیتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ بعد حضرت زینب کو حضرت زید نے طلاق دے دی۔ ان کی ازدواجی زندگی کبھی بھی خوشگوار نہیں رہی تھی اور زید نے بخوشی انہیں آزاد کردیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 123)

کیرن آرمسٹرانگ کا یہ اعتراض کہ حضرت زینب لاعلمی میں بے حجاب دروازے سے باہر آگئیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً اپنی نظریں دوسری طرف کرلیں اور فرمایا تعریف اس اللہ کی جو انسانوں کے دلوں کو موڑتا ہے۔

یہ بالکل وہی افسانوی طرز کے بھونڈے اعتراضات ہیں جو ولیم میور یہ نے کئے ہیں۔

کیرن آرمسٹرانگ کے اس افسانوی تحقیق (جو کہ خود اُن ہی کی ایجاد کردہ ہے) کا رڈ خود مستشرقین کرچکے ہیں۔ منٹگمری واٹ جو خود اسلام اور پیغمبر اسلام کو تعصب کی عینک لگا کر دیکھتا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعدادِ زوجیت پر اعتراض کے بجائے دفاع کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

'The last feature to be noted about Muhammad's marriages is that he used both his own and those of the closest companions to further political ends. This was doubtless a continuation of older Arabian Practice. All Muhammad's own marriages can be seen to have a tendency to promote friendly relations in the political sphere .Khadijah brought him wealth and the beginning of influence in Meccan politics .In the case of Sowdah, whom he married at Mecca, the Chief aim may have been to provide for the widow of a faithful Muslim, as also in the later marriage with Zaynab bint Khuzaymah; but Sawdah's husband was the brother of a man whom Muhammad perhaps wanted to keep from becoming an extreme opponent; and Zaynab's husband belonged to the clan of al-Muttalib, for which Muhammad had a special responsibility, while he was also cultivating good relation with her own tribe of Amir bin Sasaah. His first wives at Medina, Aishah and Hafsah, were the daughters of the men on whom he leaned most, Abu Bakr and Umar; and Umar also married Muhammad's grand-daughter, umm Kulthum bint Ali. Umm Salamah was not merely a deserving widow, but a close relative of the leading men of the Meccan clan of Mukhzam. Juwayriyah was the daughter of the chief of the tribe of al-Mustaliq, with whom Muhammad had been having special trouble. Zaynab bint Jahsh, besides being Muhammad's cousin, was a confederate of the Meccan clan of Abd Shams, but a social motive may have outweighed the political one in her case to demonstrate that Muhammad had broken with old taboos nevertheless the clan of Abd Shams and Abu Sufyan b. Harb in particular ,were in his thouhts for abu sufyan had a muslim daughter umm Habibah ,married to a brother of Zaynab bint jahsh; and when the husband died in Abyssinia , Muhammad sent a messenger thre to arrange a marriage with her the marriage with Maymunah would similarly help to cement relations with her brother in law Muhammad's uncle ,al Abbas there may also have been political motives in the unions with the Jewesses , Safiyah and Rayhanah .

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شادیوں کے بارے میں جس آخری بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے قریبی ساتھیوں کی شادیوں کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی رسم تھی جو عربوں میں پہلے سے جاری تھی۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اپنی تمام شادیوں میں سیاسی تعلقات میں اضافے کا مقصد کارفرما نظر آتا ہے۔ خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیساتھ شادی سے آپ کو دولت ملی اور مکی سیاست میں آپ کے اثر کا آغاز بھی اسی شادی سے ہوا۔ سودہ اور زینب بنت خزیمہ سے شادی کا سب سے بڑا مقصد مخلص مسلمانوں کی بیواؤں کو باوقار پناہ مہیا کرنا تھا لیکن سودہ کے خاوند کا بھائی ایک ایسا شخص تھا جس کے متعلق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کھل کر آپ کے مدِمقابل آجائے اور زینب کے خاوند کا تعلق قبیلہ بنو مطلب سے تھا جن کے متعلق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خصوصی ذمہ داریاں تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) زینب کے اپنے قبیلے 'عامر بن صعصعہ' کیساتھ بھی اچھے تعلقات بنا رہے تھے مدینہ میں آپ کی پہلی دو بیویاں عائشہ اور حفصہ، ابوبکر اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی صاحبزادیاں تھیں جن کے ساتھ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا خصوصی تعلق تھا۔ اُم سلمہ صرف ایک مستحق بیوہ ہی نہ تھیں بلکہ وہ مکی قبیلہ بنو مخزوم کے سردار کی رشتہ دار بھی تھیں۔ جویریہ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں جن کے ساتھ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے تعلقات خصوصی طور پر بہت خراب تھے۔ زینب بنت جحش محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پھوپھی زاد ہونے کے علاوہ قبیلہ بنو عبد شمس کے حلیف قبیلے کی فرد بھی تھیں لیکن ان کے معاملے میں سماجی محرکات، سیاسی محرکات پر فوقیت لے گئے کیونکہ اس شادی کے ذریعے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ آپ نے پرانی رسموں سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ مکی قبیلہ عبد شمس اور ابوسفیان بن حرب خصوصی طور پر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نظر میں تھے۔ ابوسفیان کی ایک بیٹی اُم حبیبہ تھی جو مسلمان تھی اور اس کی شادی زینب بنت جحش کے ایک بھائی سے ہوئی تھی۔ ان کا خاوند جب حبشہ میں فوت ہو گیا تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ایک قاصد حبشہ اس لئے بھیجا کہ اُم حبیبہ سے آپ کی شادی کے انتظامات کو آخری شکل دی جائے۔ میمونہ سے شادی بھی حضرت عباس سے آپ کے تعلقات کو مضبوط کرنے میں مدد دے سکتی تھی جو میمونہ کے برادرِ نسبتی اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے چچا تھے۔ یہودی الاصل عورتوں صفیہ اور ریحانہ سے آپ کے تعلق کے مقاصد بھی سیاسی ہوسکتے ہیں۔ (بحوالہ ضیاء النبی جلد ہفتم Muhammad at Madina P# 287, 288)

کیرن آرمسٹرانگ کا یہ اعتراض کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زینب کو بغیر حجاب کے دیکھ کر ان کے حسن سے مسحور ہوگئے، یہ انتہائی درجہ کا گھٹیا اعتراض ہے۔

احباب من! ہم یہاں مستشرقین کے سامنے چند سوالات رکھتے ہیں:۔

ا۔ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو پہلی بار دیکھا تھا؟

۲۔ کیا حضرت زینب پیغمبر اسلام کیلئے اجنبی تھیں؟ ــــ نہیں ہر گز نہیں!

حضرت زینب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے اجنبی نہیں تھیں بلکہ آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بچپن سے دیکھا تھا اور یہ شادی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے کرائی تھی اور جس وقت حضرت زینب کی عمر 36 سال تھی اس وقت تک حجاب سے متعلق حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا۔

۳۔ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زینب سے شادی کرنا چاہتے تو کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت زید سے کردی۔

ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اچانک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کا حسن دیکھ کر اُن کی محبت میں مبتلا ہوگئے، کہاں کا انصاف ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ اپنے تخیل کو مزید آگے یوں بیان کرتی ہیں:۔

Aisha, who was always prone to jealousy, happened to be with Muhammad when he received this divine message. How very convenient! She remarked tartly, 'Truly thy Lord makes haste to do thy bidding!' As usual, tensions in the harem reflected divisions in the community as a whole: Muhammmad's marriage to one of his own cousins would further the politicals ends of the Prophet's family, advancing the cause of the ahl al-beit. Because of the scandal, Muhammad insisted that the entire community attend the wedding celebrations. The courtyard was crowded with guest, many of them hostile to the Prophet, and the atmosphere would not have been pleasant. Eventually the party began to break up. (Muhammd P# 168)

تیز مزاج حضرت عائشہ بھی یہ وحی وصول ہونے کے وقت آپ کے پاس موجود تھیں۔ انہوں نے فرمایا آپ کا خدا آپ کو کتنی جلدی اجازت دے دیتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر حرم کے اندرونی تناؤ نے بحیثیت مجموعی اُمت کے تناؤ کی عکاسی کی۔ اپنی ایک کزن کے ساتھ حضرت محمد کی شادی نے آپ کے خاندان کے سیاسی مقاصد کو آگے بڑھایا اور اہل بیت کے نصب العین کی حمایت کی۔ اسکینڈل کی وجہ سے حضرت محمد نے اصرار کیا کہ ساری اُمت شادی کی تقریبات میں شریک ہو صحن مہمانوں سے بھرا ہوا تھا جن میں آپ کے کئی دشمن بھی شامل تھے ماحول خوشگوار نہیں ہو سکتا تھا انجام کار اُمت میں رخنے پیدا ہونے لگے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 123,124)

نہ جانے تخیل کی یہ عیارانہ کاریگری کے خالق کس ادارے سے تربیت پاتے ہیں کہ عقل و دانش کو کرائے پر دے کر تحقیق کی ریڑھی پر حقائق کو مسخ کرنے کا مکروہ دھندا شروع کر دیتے ہیں۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، ہم یہاں مستشرقین سے صرف ایک سوال کرنا چاہتے ہیں وہ ہمیں یہ بتائیں کہ انہوں نے حضور کی حضرت زینب سے محبت کا جو افسانہ تراشا ہے کیا اس قسم کے افسانے کے مرکزی کردار سے زندگی میں کسی عظیم کارنامے کی توقع کی جاسکتی ہے؟ جو شخص ساٹھ سال کی عمر میں بھی اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں کر سکتا، صنف نازک کی کشش سے وہ رشتوں کے تقدس کو بھی بھول جاتا ہے، اپنی شہرت اور اپنے وقار کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے ایسے کام کرتا ہے جو خود اس کے اُصولوں کے بھی خلاف ہوں اور اس کے وقار کیلئے بھی تباہ کن ہوں کیا یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص جب عنفوانِ شباب میں تھا تو اُس وقت اُس کے جذبات کنٹرول میں ہوں گے اور وہ جذبات سے آزاد ہو کر انسانیت کی خدمت میں مگن ہو گا؟ اس بات کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی انسانی تجربہ۔ ساٹھ سال کی عمر جذبات کی طغیانی کی عمر نہیں اس عمر میں انسان کی عقل اس کے جذبات پر غالب ہوتی ہے۔ جس شخص کی حالت ساٹھ سال کی عمر میں یہ ہو لا محالہ وہ اپنے دورِ شباب میں اپنی خواہشات کے ہاتھوں ایک کھلونا ہو گا اور ایسے شخص سے کسی عظیم کام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لیکن مستشرقین جس ہستی کو اس افسانے کا مرکزی کردار بتاتے ہیں اس کے کارناموں کا انکار کرنے کی جرأت کوئی دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

یہ ہستی وہ ہے جس نے تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا، جس نے زمانے کی نس نس میں رچی ہوئی رسموں کے بت ریزہ ریزہ کر دیئے تھے جس کی تاریخ اور زندگی کے کارناموں کا مطالعہ کرنے کیلئے لاکھوں یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں۔ جس کی لائی ہوئی کتاب کے یورپی زبانوں میں سینکڑوں ترجمے اس کے دشمنوں نے کئے ہیں، جس نے قیصر و قصریٰ کی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دی تھیں۔

اب ایک غیر جانب دار محقق کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو اس ہستی کے ان کارناموں کا انکار کر دے جو تاریخ کے ایک ایک صفحے پر بکھرے پڑے ہیں اور یا پھر یہ فیصلہ کرے کہ جن لوگوں نے مذکورہ افسانے کے ذریعے اس عظیم ہستی کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے وہ پرلے درجے کے بدنیت ہیں۔ تاریخ کا انکار کرنے کی کس میں جرأت نہیں اسلئے یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ مستشرقین نے اس افسانے کے ذریعے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس رنگ میں دکھانے کی کوشش کی ہے آپ کا دامن اس سے پاک ہے۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 534,535)

پیغمبر اسلام کی تمام شادیاں عظیم مقاصد کیلئے ہوئیں۔ حضرت زینب بنت جحش سے شادی کا مقصد بھی انہی اہم مقاصد میں سے ایک تھا۔

حضرت زینب بنت جحش سے شادی کا مقصد

حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا۔

یہ زید بن حارثہ کون تھے؟

یہ شام کے باشندے تھے۔ ابھی یہ کمسن ہی تھے کہ انہیں پکڑ کر کسی نے فروخت کر دیا۔ حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں خرید کر اپنی پھوپھی کو تحفۃً دے دیا۔

حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کو پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور اب یہ زید بن محمد کہلاتے تھے۔ یہ واقعہ بعثتِ نبوی سے پہلے کا ہے۔

عربوں میں یہ دستور ہے کہ منہ بولے بیٹے کو وہی حقوق حاصل ہوتے جو سگے بیٹے کے ہوتے۔ اس منہ بولے بیٹے کو بھی وہی مراعات حاصل ہوتیں، جو حقیقی بیٹے کیلئے ہوتیں، منہ بولا بیٹا وراثت میں حصے دار بنتا جس کی وجہ سے باقی وارثین کی حق تلفی ہوتی۔ اس کی بیوی متبنّٰی بنانے والے پر حرام ہو جاتی، گھر کی خواتین کے ساتھ اس کا خلط ملط حقیقی بیٹے کی طرح بے حجابانہ اور آزادنہ ہوتا۔ اس بے تکی رسم سے جو اخلاقی مسائل جنم لیتے اس کی ہولناکیاں معاشرے میں کس طرح سانحات لیتی انسان سوچ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

اور یہ قبیح رسم سینکڑوں سال سے چلی آرہی تھی۔ اس کی جڑیں وہاں کے معاشرے میں بڑی گہری ہو چکی تھیں لہٰذا اس کا تدارک بھی ضروری تھا۔ اسلام زمانہ جاہلیت کی تمام غلط اور ضرر رساں رسم و رواج کو ختم کرنے کیلئے آیا ہے۔ اسلام نے حکم دیا کہ ہر شخص کو اس کے حقیقی باپ کے نام سے یاد کیا جائے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:۔

ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ (سورہ احزاب۔ آیت ۵)

بلایا کرو ان کے باپوں کی نسبت سے یہ زیادہ قریں انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔

حضرت زید بن حارثہ کی شادی

حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں ہم بتا چکے کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی عمیمـــــہ کی صاحبزادی اور حضرت عبدالمطلب کی نواسی خاندان بنوہاشم کی معزز خاتون حضرت زینب بنت جحش کو اپنے آزاد کردہ غلام کیلئے شادی کا پیغام بھیجا۔ حضرت زینب اور اُن کے بھائی عبداللہ نے اس پیغام کو قبول نہ کیا، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:۔

وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة

من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (سورہ احزاب۔ آیت ۳۶)

نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرمادے اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اس معاملہ میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

جب یہ ارشاد حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ نے سنا تو وہ فوراً اس شادی کیلئے رضامند ہو گئے۔

اسلام نے قبیلوں کی بنیاد پر تفاخر کی رسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ ایک شخص جو غلام ہو کر بکا تھا اور مولیٰ کہہ کر پکارا جاتا تھا اللہ و رسول کے نزدیک وہ اتنا محترم تھا کہ بنوہاشم کے معزز گھرانے میں شادی کر سکے۔

آج بھی اہلِ مغرب نسلی تفاخر کے کینسر سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ آج بھی گوری چمڑی کے فخر میں مبتلا ہیں اور اسی نسلی تفاخر میں یہودی بھی مبتلا ہیں جو ہمہ وقت یہی سوچتے رہتے ہیں کہ وہ خدا کی لاڈلی اور چہیتی مخلوق ہیں۔ اسلام اس معاشرتی بیماری کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسلام نے نسل، علاقے، زبان، وطن کے بتوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا اور تقویٰ کو انسانی عظمت کی بنیاد قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر (سورہ الحجرات۔ آیت ۱۳)

اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنادیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔

احباب من! غور فرمایئے اسلام نے کن رسم ورواج کا خاتمہ فرمایا:۔

- منہ بولے بیٹے کو اسی کے باپ کے نام سے پکارا جائے۔ منہ بولے باپ کے نام سے پکارنے کی رسم کا خاتمہ کیا گیا۔
- نسلی وقبائلی عصبیت کے بت ریزہ ریزہ ہوگئے اور اس نکاح کے ذریعے یہ بتادیا کہ نسلی تفاخر کچھ بھی نہیں ہے۔ غلام انسانی عظمتوں سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

لیکن ابھی ایک انتہائی قبیح رسم باقی تھی۔ وہ رسم یہ تھی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی جیسا مقام حاصل تھا جیسے حقیقی بیٹے کی مطلقہ سے نکاح نہیں ہوسکتا تھا اسی طرح منہ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح اس جاہل معاشرے میں جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔

یہ رسم بے شمار مسائل پیدا کرتی تھی اور یہ رسم ان کے معاشرے میں پوری طرح سے ان کی زندگیوں میں رچ بس چکی تھی اور جو رسمیں کسی بھی معاشرے میں رچ بس گئی ہوں اس کا قلع قمع کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ عوام اندھی تقلید کے سبب ان رسموں کو چھوڑنے کیلئے آمادہ نہیں اور دانشور معاشرتی نظام کی تباہی اور اپنی ذات کو تنقید سے بچانے کیلئے اس پرائے پھڈے میں ٹانگ نہ اڑانے کے قائل ہوتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس رسم ورواج کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرے اور اُن کی اصلاح کی کوشش کرے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

احباب من! حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب کے درمیان ازدواجی تعلقات اُس طرح پروان نہ چڑھ سکے جس طرح باہمی محبت والفت میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے لہٰذا کچھ دنوں کے بعد حضرت زید اور حضرت زینب کے درمیان طلاق ہوگئی۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم خداوندی کے مطابق حضرت زینب سے نکاح فرمایا۔ اس نکاح کے ذریعے پیغمبر اسلام نے اس قبیح رسم کا خاتمہ فرمایا جس کے مطابق منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ ان کے معاشرے میں نکاح حرام تھا۔

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح فرمایا تو مخالفین کی جانب سے ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوگیا لیکن حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی آفتاب سے تابندہ تر زندگی اور پاکیزہ وباکردار زندگی کے سامنے وہ فتنہ اپنی موت آپ مرگیا۔

حضرت اُم سلمہ سے شادی کے حوالے سے کیرن آرم اسٹرانگ صاحبہ لکھتی ہیں جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پیام بھیجا تو اُم سلمہ نے معذرت کی اور اس کے تین سبب بیان کئے:۔

(۱) معمر ہوں (۲) یتیم بچوں کی ماں ہوں (۳) اور میرے جذبات میں رقابت ہے۔

اس پر کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ لکھتی ہیں:۔

Muhammad smiled ---- he had a smile of great sweetness, which almost everybody found disarming. (Muhammd P# 153)

آنحضرت یہ بات سن کر مسکرا دیئے وہی عظیم میٹھی مسکراہٹ جو ہر کسی کو پسپا کر دیتی تھی۔ (پیغمبر امن، صفحہ 112)

کیرن آرمسٹرانگ یہاں بھی تخیل کی عیارانہ کاریگری کا عملی مظاہرہ کر رہی ہیں۔

حضرت اُم سلمہ کون تھیں؟ اُن کے شوہر حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ حضرت اُم سلمہ اور ابو سلمہ نے اسلام کی خاطر بڑے مصائب جھیلے۔

غزوۂ اُحد میں حضرت ابو سلمہ شدید زخمی ہوئے۔ اُن کا یہ زخم تو مندمل ہو گیا مگر کچھ عرصے کے بعد ایک اور مہم میں یہ زخم دوبارہ کھل گیا اور آپ انتقال فرما گئے۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بیوہ اور چار یتیم بچے چھوڑ کو اس دنیا سے رُخصت ہوئے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر سے خاوند کا سایہ اُٹھ گیا تھا اور چار معصوم بچوں کی کفالت کا بوجھ اُن کے کندھوں پر آپڑا تھا۔ ایسے حالات میں ایک مشرقی عورت جس کرب والم سے گزرتی ہے اس کا اندازہ شاید وہ اہل مغرب نہ کر سکیں جن کی حکومتیں بچوں کو انکے والدین کے مظالم سے بچانے کیلئے خصوصی محکمے قائم کرنے پر مجبور ہیں۔ اپنے رضاعی بھائی کی بیوہ اور اس کے بچوں کا کسمپرسی کی حالت میں دیکھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شفیق دل پر شاق گزرا اور آپ نے ان کو اپنی رحمۃ للعالمینی کی چادر میں چھپانے کا فیصلہ کر لیا۔ عدت گزرنے کے بعد آپ نے حضرت اُم سلمہ کو پیغام نکاح بھیجا لیکن انہوں نے معذرت کی اور اس کے تین سبب بتائے۔ پہلا سبب یہ بتایا کہ میں معمر ہوں۔ دوسرا یہ کہ میں یتیم بچوں کی ماں ہوں اور تیسرا یہ کہ میرے جذبات رقابت بہت شدید ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں کہلا بھیجا کہ تمہارے یتیم بچوں کو میں اپنے بچوں کی طرح رکھوں گا اور خدا سے دعا کروں گا کہ تمہارے جذباتِ رقابت کی شدت کم ہو جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی عمر زیادہ ہونے کی بھی پروانہ کی اور ان سے نکاح کر لیا۔ اس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رضاعی بھائی کے یتیم بچوں کی کفالت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور ان کی بیوہ کے اس گہرے زخم پر مرہم رکھا جو انہیں ابو سلمہ جیسے عظیم خاوند کی جدائی سے لگا تھا۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 507,508)

کیااب بھی کوئی انصاف پسند شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار بچوں کی کفالت کی ذمہ داری، بیوہ اور معمر خاتون سے نکاح اُن کی دلجوئی کے علاوہ کسی اور مقصد سے کیا تھا۔

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

سترہ سالہ خوبصورت دوشیزہ حضرت صفیہ اسلام میں بخوشی داخل نہ ہوئی تھیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 141)

یہ اتنا بھونڈا افسانہ گھڑا ہے کیرن آرمسٹرانگ نے کہ اس کے جواب میں کیا کہا جائے۔ اگر ایسا ہی تھا تو حضرت صفیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد واپس اپنے خاندان کی جانب کیوں نہیں لوٹ گئیں؟

اسلام کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیوں نہیں کیا؟

اور اس جبری اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیوں نہیں کیا؟

اور سب سے اہم بات یہ کہ غزوۂ خیبر میں آپ المومنین حضرت صفیہ کے باپ چچا اور خاوند ہلاک ہوئے تھے اوپر سے یہ جبری نکاح، آپ نے کبھی انتقام لینے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیرن آرمسٹرانگ نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے۔

عزیزانِ گرامی! حضرت صفیہ بنت اخطب یہودی قبیلے نضیر کے سردار کی بیٹی تھیں جنگ خیبر میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اس موقع پر مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی یہ تعلیم راسخ ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کا کام کسی انسان کو ذلیل کرنا نہیں بلکہ ذلت کی پستیوں میں گرے ہوئے لوگوں کو اُٹھا کر رفعتیں اور عظمتیں عطا کرنا ہے۔ حضرت صفیہ جنگ میں قیدی ہو کر لونڈی بنی تھیں لیکن وہ حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور اس سے پہلے سالم بن مسکم اور کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ یہ سب یہودیوں کے سردار تھے مسلمانوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ صفیہ کے نسبی مقام کا تقاضا ہے کہ آپ خود ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا لیکن پہلے ان کو اختیار دیا کہ اگر تم دین یہودیت پر قائم رہنا چاہو تو میں تمہیں آزاد کر دیتا ہوں اور تمہیں تمہارے قبیلے والوں کے پاس واپس بھیج دیتا ہوں اور اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں آزاد کر کے تمہارے ساتھ نکاح کرنے کیلئے تیار ہوں۔ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین پر اسلام کو ترجیح دی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 515)

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک روز صفیہ اپنے پہلے خاوند (کنانہ بن ابی الحقیق جو غزوۂ خیبر میں ہلاک ہو گیا تھا) کے پاس بیٹھی تھیں تو آپ نے اسے اپنا ایک خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے جب اُس نے یہ خواب سنا تو غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیری تمنا یہ ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ملکہ بنے۔ اُس نے غصہ سے اُن کے چہرہ پر تھپڑ رسید کیا اس سے ان کی آنکھ سبز ہو گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شبِ زفاف جب حاضر ہوئیں تو حضور نے دریافت کیا سبز داغ کیا ہے تو انہوں نے سارا واقعہ عرض کیا۔ (تاریخ ابن کثیر حصہ چہارم صفحہ 681 مطبوعہ دارلاشاعت کراچی)

پیغمبر اسلام کی شادیوں کے خلاف مستشرقین نے بہت منفی پروپیگنڈہ کیا۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہے کہ انہی لوگوں سے اپنے محبوب کی شان بیان کرواتا ہے اور یہی مستشرقین اپنے سے پہلے مستشرقین کا رڈ کر رہے ہوتے ہیں جبکہ مستشرقین کے خلاف اسلام اور اہلِ اسلام کچھ دفاعی حکمت عملی بھی نہیں اپنا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ مستشرقین خود ہی اپنے پیش رووں کا رڈ کر رہے ہوتے ہیں۔

خود کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Muhammad's harem has excited a deal of prurient and ill-natured speculation in the West, but in Arabia, where polygamy was more common than the monogamous married that Muhammad had enjoyed with khadijah, it would have been commonplace. These marriages were not romantic or sexual loved affairs but were undertaken largely for practical ends.

(Muhammd P# 140, 105)

مغرب نے حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حرم کے متعلق کافی گستاخانہ آراء دی ہیں لیکن عربیہ میں جہاں کثیر الازدواجی عام تھی یہ معمول کا معاملہ تھا۔ آپ کی شادیاں رومانوی یا جنسی معاملات نہیں بلکہ عملی مقاصد کے تحت تھیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 75)

حضرت اُم صفیہ کی مقصدِ شادی کے حوالے سے لکھتی ہیں:۔

The marriage expressed the attitude of reconciliation and forgiveness that he was trying to promote. (Muhammd P# 192)

اس شادی نے مصالحت اور درگزر کا رویہ ظاہر کیا جسے فروغ دینا آپ کا مشن تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 141)

جہاد اور تشدد

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے قبل جنگ کا کوئی قانون تھا اور نہ کوئی اُصول، جس کی لاٹھی اُس کی بھینس، جو طاقتور ہے وہی حق پر ہے جو کمزور ہے وہی باطل ہے کا تصور انسانیت کو اپنے وحشی افکار کے پنجوں سے نوچ کھسوٹ رہا تھا۔

دوسرے کے مال و دولت پر حریصانہ نظروں کا یہ عالم تھا کہ سرِعام طاقت کے زور پر اسے لوٹ لیا جاتا ہے اور مزاحمت کی صورت میں قتل وغارت گری میں وحشیوں کو بھی مات دے دیتے۔

جہاں دشمن کے گھروں کی دوشیزاؤں کو دیکھتے اپنی ہوس مٹانے کیلئے اس صنف نازک کو بھنبھوڑ ڈالتے اور اس طرح جنگ میں اپنی فتح کا جشن مناتے۔ ان کے ہاتھ نہ عورتوں کو قتل کرنے سے رکتے اور نہ ہی بچوں کو۔ جو سامنے آیا تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کی گردن اُڑادی خواہ جوان ہو یا بوڑھا۔

یہ حال افریقہ کے کسی جنگل میں رہنے والے کسی وحشی قبیلے کا نہیں تھا بلکہ یہ حال اس وقت کی تہذیب وتمدن سے روشناس کرانے والے عیسائی حکمرانوں اور آتش پرستوں کا تھا۔ قیصر و کسریٰ کی خون آشام داستانیں آج بھی تاریخ کے صفحات پر اپنے آنسو بہا رہی ہیں۔

مستشرقین جو زیادہ تر یہودی یا عیسائی ہیں جن کی پوری تاریخ کشت وخون سے بھری پڑی ہے۔ جن کے یہاں مظلوموں پر تشدد اُن کا آبائی حق تسلیم کیا جاتا ہے، جو نسلی تفاخر کے مرض میں اس بری طرح مبتلا ہیں کہ ان کے سامنے انسانیت کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی وقعت۔

جب یہ لوگ اپنی تاریخ کو پسِ پشت ڈال کر مذہبِ مہذب اسلام پر انگشت نمائی کرتے ہیں تو ہر انصاف پسند شخص کو ان کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پر حیرت ہوتی ہے۔

عزیزانِ گرامی! جس ہستی نے اس دنیا میں امن کا پرچار کیا اُس پر تشدد کا الزام تاریخی حقائق کو مسخ کرنا نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

جس نے انسانیت کو احترامِ انسانیت سے آگاہ کیا اُس پر جنگ وجدل کا بہتان اندھا تعصب نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

جس نے لوگوں کو خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو جنگ میں قتل کرنے سے روکا اُس پر امن پسند نہ ہونے کی تہمت اگر سنگ دِلی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

قارئین کرام! سیرت نبی کے ہر گوشے کو ملاحظہ کیجئے۔ تاریخ کا ہر صفحہ گواہی دیگا جیسا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امن قائم فرمایا اور جیسی پیغمبر اسلام نے مذہب اسلام کے ماننے والوں کو اپنی تعلیمات سے نوازا ایسا کسی بھی مذہب میں نظر نہیں آتا۔

افسوس اور صد افسوس! کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح ایک نئے انداز میں سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جملوں کے تیر برسا کر اور اپنی عصبیت کو تحقیق کے لبادے میں چھپانے کے باوجود چھپا نہ سکیں اور کھل کر اپنے بغض وحسد کا اظہار کیا۔

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ نے درج ذیل الزامات اسلام اور پیغمبر اسلام پر عائد کئے:۔

۱۔ ڈاکہ زنی کا الزام۔

۲۔ یہود کے خلاف کارروائی کا الزام۔

۳۔ عدم برداشت، تشدد پسندی کا الزام۔

(۱) ڈاکہ زنی کا الزام

کیرن آرمسٹرانگ اسلام اور پیغمبر اسلام پر ڈاکہ زنی کے حوالے سے الزامات عائد کرنے سے قبل اپنے تخیل کی بنیاد پر جھوٹ کی عمارت اس طرح تعمیر کرتی ہیں:۔

They had defied the might of the Qurraysh by taking the migrants in because they expected some material advantage, and here too ,Muhammad had to deliver. At the very least, he had to ensure that the emigrants did not become a drain upon the economy. But it was difficult for them to earn a living.

(Muhammad P# 126)

انہوں نے مہاجرین کو قبول کر کے قریش کی طاقت کو مسترد کیا تھا کیونکہ وہ کوئی مادی فائدہ چاہتے تھے اور یہاں بھی حضرت محمد انہیں یہ فائدہ دلاسکتے تھے۔ اور کچھ نہیں تو آپ کو انہیں یہ یقین دہانی کروانا تھی کہ مہاجرین معیشت پر بوجھ نہیں بنیں گے، لیکن ان کیلئے روزی کمانا ایک مسئلہ تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 91)

یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ یہ جھوٹ بولنے والے کوئی عام متشدد عیسائی یا جاہل صیہونی نہیں بلکہ ایک سابقہ نن اور موجودہ مستشرقہ کے الفاظ ہیں۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ طاقتور قریش کو چھوڑ کر مظلوم مسلمانوں سے مادی فوائد کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ! دنیا چڑھتے سورج کی پرستش کرتی ہے اور دوڑتے گھوڑے پر شرط لگاتی ہے۔ اگر مدینے کے مسلمانوں کو مادی فوائد چاہئے ہوتے تو وہ مظلوم مسلمانوں کے بجائے قریش کا ساتھ دیتے لیکن یہ تو حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے ایسے سرشار تھے کہ جب پیغمبر اسلام اور آپ کے جانثار صحابہ کرام ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو انہوں نے اپنی جائیداد آدھی آدھی تقسیم کردی، اگر کسی کی دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک کو طلاق دے دی تاکہ دوسرا مسلمان بھائی اُس کی اس بیوی سے شادی کرلے، اگر دو باغ تھے تو ایک باغ اپنے مسلمان بھائی کو دے دیا۔

مزید آگے اپنے اسی الزام کو تقویت دیتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

Medina was well placed to attack the Meccan caravans on their way to and from Syria, and shortly after Muhammad had arrived in Medina, he had started to send bands of Emigrants on raiding expedition .Their aim was not to shed blood, but to secure an income by capturing camels ,merchandise, and prisoners. (Muhammad P# 126, 127)

مدینہ ایسی موزوں جگہ پر واقع تھا کہ شام جاتے اور واپس آتے ہوئے مکہ تجارتی قافلوں پر بہ آسانی حملہ کیا جاسکتا تھا۔ آنحضرت نے مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد مہاجرین کے دستوں کو حملے کی مہمات پر بھیجنا شروع کردیا۔ ان کا مقصد خونریزی نہیں بلکہ اونٹ، مال تجارت اور قیدی حاصل کرنے کا ذریعہ آمدنی پیدا کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 91)

مزید آگے اپنے قلبی بغض وعداوت کو یوں بیان کرتی ہیں:

The women made another demand :since raiding was so crucial to the economy, why could the not bear arms, too? (Muhammad P# 157)

عورتوں نے ایک اور مطالبہ کیا چونکہ لوٹ مار کی مہم معیشت کیلئے نہایت ضروری تھی اس لئے وہ بھی ہتھیار کیوں نہ اٹھائیں؟ (پیغمبر امن، صفحہ 115)

مزید آگے ایک اور جھوٹ کے سہارے اپنے تخیل کو یوں بیان کرتی ہیں:۔

Many of the pilgrims ----- Helpers and Emigrants alike ----- continued to feel cheated and resentful. How, the Emigrants asked, were they supposed to earn a living if they could no longer attack the Meccan caravans? Muhammad knew that he could not allow this discontent to fester; somehow he had to find a way of compensating them without damaging the truce, so after Hudaybiyah, he directed the Muslims' attention to the north, away from Mecca. (Muhammad P# 191)

انصار و مہاجرین بدستور خود کو فریب زدہ محسوس کرتے رہے۔ مہاجرین نے پوچھا کہ اگر اب وہ مکی تجارتی قافلوں پر حملے نہ کر سکے تو اپنا پیٹ کیسے پالیں گے؟ آنحضرت جانتے تھے کہ آپ اس بے چینی کو بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتے، آپ کو کوئی نہ کوئی ایسی راہ تلاش کرنی تھی کہ معاہدے کی خلاف ورزی کئے بغیر انہیں روزی مہیا کر سکیں۔ لہٰذا حدیبیہ کے بعد آپ نے مسلمانوں کی توجہ مکہ سے پرے شمال کی جانب مبذول کروائی۔ (پیغمبر امن، صفحہ 140,141)

بائبل کی تعلیم دیتے دیتے غالباً مس کیرن آرمسٹرانگ یہ سمجھتی رہیں کہ وہ کتاب لکھنے کے بجائے کسی چرچ میں درس دے رہی ہیں۔

جناب والا! نہ تو مسلمان ڈاکے ڈالتے تھے اور نہ ڈاکہ ڈالنے کو پسند کرتے تھے بلکہ اسلام میں تو ڈاکے کی سزا بھی اتنی سخت ہے کہ پورا مغرب اتنی سخت سزا پر شور مچاتا ہے۔ مسلمانوں پر ڈاکہ زنی کے الزامات عائد کرنے والے مستشرقین بائبل کی ان آیات پر کیا کہیں گے۔

بلکہ ایک عورت اپنی پڑوسن سے اور اس سے جو اس کے گھر میں رہتی ہے چاندی اور سونے کے برتن اور لباس مانگ لے گی اور تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو لوٹو گے۔ (خروج باب 3 آیت 22)

مهاجرین وانصار کا پیشہ

مستشرقین غزوات و سرایا کو ڈاکے کا نام دینے کی عجیب بچگانہ سی کوشش کرتے ہیں۔ مس کیرن آرمسٹرانگ برائے مہربانی آپ اپنے قارئین کو یہ بھی بتایئے کہ اہلِ مدینہ اسلام قبول کرنے سے قبل کون سے پیشے سے وابستہ تھے؟

اور مہاجرین کا پیشہ کیا تھا؟

تو مس کیرن آرمسٹرانگ ہمارے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

Some of its inhabitants engaged in trade, but most were farmers, making a living out of their dates, palm orchards, and arable fields. Unlike the Qurraysh, they were not wholly depended upon commerce. (Muhammad P# 101)

کچھ ایک باشندے تجارت سے وابستہ تھے لیکن زیادہ تر کا پیشہ زراعت تھا وہ اپنی کھجوروں، باغات اور قابلِ کاشت کھیتوں سے ذرائع زندگی حاصل کرتے، قریش کے برعکس ان کا دارومدار محض تجارت پر نہیں تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 73)

گویا مدینے کے باشندوں کا پیشہ زراعت اور مہاجرین کا پیشہ تجارت تھا۔

اب ہم قارئین کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ جن لوگوں کا پیشہ تجارت اور زراعت ہو اُن کے آباءواجداد بھی اسی پیشے سے وابستہ ہوں، ان میں ایثارو قربانی کا جذبہ بھی ہو اور وہ ڈاکہ بھی ڈالتے ہوں یہ ایک سفید جھوٹ اور سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

ڈاکہ زنی کا الزام عائد کرتے ہوئے مستشرقین کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیۓ کہ مدینہ میں مسلمانوں کیلیۓ حالات سازگار ہرگز نہیں تھے، ایک طرف یہودی اپنی حاسدانہ طبیعت کے باعث پھن پھیلائے بیٹھے تھے، دوسری جانب مارہائے آستین منافقین کی بھی کمی نہ تھی۔

مکہ کی نسبت مدینہ میں حالات زیادہ خراب تھے۔ مکہ میں دشمنی کا سبب جہالت تھا اور یہ دشمنی جہالت پر مبنی تھی جب کہ مدینہ میں دشمنی کا سبب حسد تھا اور جہالت کی دشمنی کے مقابلے میں حسد کی دشمنی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ یہودی اس بات کیلیۓ ہرگز تیار نہیں تھے کہ منصبِ نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو جائے۔ مدینہ کے اس ماحول میں مسلمانوں کی کوشش یہ تھی کہ امن قائم رہے فساد برپا نہ ہو۔

اگر مسلمان ڈاکے ڈالتے یا ڈاکہ ڈالنے کیلیۓ جن قبائل پر حملہ کرتے تو کیا مسلمان انتقامی کاروائی کا نشانہ نہ بنتے اور مسلمانوں کا شکار بننے والے قبائل مل کر مدینہ پر حملہ نہیں کر دیتے؟ دشمن پر ڈاکہ ڈالنے کے انجام سے وہ لوگ باخوبی

واقف تھے لہٰذا یہ کہنا کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ انصار و مہاجرین نے ڈاکے ڈالے اور اسی مقصد کیلئے انصار نے پیغمبر اسلام کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔

کیرن آرمسٹرانگ فکری صحرا میں اسلام دشمنی کے سبب اس حد تک بھٹک جاتی ہیں کہ جہاں وہ اسلام کے خلاف کوئی بات کہتی ہیں تھوڑی دیر بعد اس کا رڈ بھی خود ہی کر دیتی ہیں۔

مثلاً کہتی ہیں:۔

Their aim was not to shed blood, but to secure an income by capturing camels, merchandise, and prisoners. (Muhammad P# 136, 127)

اُن کا مقصد خونریزی نہیں، بلکہ اونٹ، مال تجارت اور قیدی حاصل کرنے کے ذریعے آمدنی پیدا کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 91)

پھر خود ہی اس لوٹ مار کی تردید کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

Even though the Emigrants desperately needed an income, plunder was not his primary object. (Muhammad P# 127)

اگرچہ مہاجرین آمدنی حاصل کرنے کے شدید خواہش مند تھے لیکن لوٹ مار بنیادی مقصد نہیں تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 92)

کیرن آرمسٹرانگ کا یہ اعتراض کہ 'مہاجرین آمدنی حاصل کرنے کے شدید خواہش مند تھے' اتنا بودہ ہے کہ اس کا جواب دیتے ہوئے ایک عام آدمی کو بھی شرم آتی ہے مگر نہ جانے کیرن صاحبہ نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ یہ اعتراض کرلیا، ہمیں اس پر حیرت ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اپنی جائیدادوں کو مکہ میں چھوڑ دیا، اپنی دولت کو کفارِ مکہ جیسے دشمنوں کے حوالے کردیا لیکن دولتِ ایمان کو بچالیا کیا وہ لوگ دولت کے خواہش مند ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں۔

مستشرقین کا یہ کہنا کہ مدینے میں مسلمانوں کا کوئی معاش نہیں تھا اسلئے وہ ڈاکے ڈالنے پر مجبور تھے، ایک اور بہتان ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، یہ اس بنا پر غلط ہے کہ ان میں سے متعدد مہمیں مختلف قبائل کے ساتھ معاہدوں پر منتج ہوئیں اور جو لوگ ڈاکہ ڈالنے کیلئے جاتے ہیں وہ اپنے شکار سے معاہدہ کر کے اپنے گھر واپس نہیں لوٹ آتے۔ اس کے علاوہ جن غزوات اور سرایا میں مسلمانوں کے ہاتھ کافروں کا مال لگا تھا اُن کی تعداد بالکل معمولی ہے۔ سریہ نخلہ میں پہلی بار مسلمانوں کے ہاتھ کافروں کا مال لگا تھا۔ یہ واقعہ ہجرت کے سترہ ماہ بعد پیش آیا تھا۔ اگر مستشرقین کی منطق کو تسلیم کرلیا جائے تو سوچنا پڑے گا کہ اگر ڈاکوں پر ہی مسلمانوں کی نان شبینہ کا انحصار تھا تو وہ سترہ ماہ تک کیسے زندہ رہے تھے۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 592,593)

خود کیرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب Muhammad A Biography Of The Prophet میں اعتراف کرتی ہیں۔

بحیرۂ احمر کے ساحلی علاقے (جو ترجیحی گزر گاہ تھے) پر رہنے والے بدو قبائل مسلمانوں کی دلیری اور ہمت سے بہت متاثر ہوئے۔ اگرچہ ان کاروانوں پر ابتدائی حملے ناکام رہے لیکن مسلمانوں نے شاہراہ کے ساتھ واقع جنگی اہمیت کے مقامات پر آباد مختلف قبیلوں کے ساتھ معاہدے کر لئے۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 230 مترجم نعیم اللہ ملک مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور)

یقیناً اپنے اس اعتراف کے بعد کیرن صاحبہ کو تشفی ہو گئی ہو گی کہ یہ حملے ایک جنگی حکمت عملی کے تحت تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ انصار کی بے پناہ قربانیوں کے سبب مسلمانوں کی زندگی اچھی گزر رہی تھی اور وہ تجارتی قافلوں کے مال پر نگاہ نہیں رکھے ہوئے تھے بلکہ تجارت کر کے اپنے اہل و عیال کی ذمے داریوں کو پورا کر رہے تھے۔

مسلمانوں کی فوجی مہم

مسلمانوں کی فوجی مہم (جس میں تجارتی قافلوں پر حملے بھی شامل تھے) کی حقیقت اور اُن کے اسباب کیا تھے؟

- قریش مسلسل مسلمانوں کے خلاف بر سرِ پیکار تھے وہ کبھی مدینہ کے یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے اور کبھی مدینہ کے منافقین کو اسلام اور پیغمبر اسلام کو نکالنے کیلئے دھمکیاں دیتے۔
- کفارِ مکہ نے نہ صرف مسلمانوں کو اُن کے وطن سے دور کیا بلکہ اُن کے مال و اسباب پر بھی قبضہ کر لیا۔ حضرت صہیب رومی کی تمام جائیدادو دولت ہتھیالی جس مسلمان سے وہ جو کچھ لوٹ سکتے تھے اس سے لوٹ لیا۔
- کفار مستقل مسلمانوں سے جنگ کی حالت میں تھے۔

پیر کرم شاہ الازہری صاحب چھاپہ مارنے کی مہموں کے حوالے سے لکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریشِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ حالتِ حرب میں تھے۔ وہ مسلمانوں کو مسلسل دھمکیاں دیتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مال واسباب پر قبضہ کرر کھا تھا اُن کی تجارت بھی مسلمانوں کیلئے ایک خطرہ تھی کیونکہ یہ بات ظاہر تھی کہ وہ لوگ تجارتی منافع کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں کیلئے استعمال کریں گے اس لئے ان کے تجارتی کاروانوں پر مسلمانوں کے حملے اس جنگ ہی کا حصہ تھے جو کفارِ مکہ نے خود مسلمانوں کے خلاف کئی سالوں سے شروع کرر کھی تھی۔ اگر مسلمانوں کو عزت سے زندہ رہنا تھا تو ان کیلئے ضروری تھا کہ وہ قریش کو احساس دلائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ مسلسل جنگ انہیں مہنگی پڑے گی۔ اس مقصد کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکّی کاروانوں پر چھاپے مارنے کیلئے مہمیں بھیجیں اور ان کیلئے صرف مہاجرین کو منتخب فرمایا اور انصار کو ان میں شرکت کی دعوت نہ دی کیونکہ ابھی تک صرف مہاجرین ہی قریش مکہ کی ستم رانیوں کا نشانہ بنے تھے۔

کفارِ مکہ کے علاوہ دیگر قبائل کی طرف جو مہمیں بھیجی گئیں ان کے متعدد مقاصد تھے۔ یہ مہمیں یا تو دعوتِ اسلام کی خاطر تھیں یا قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے کرنے کی خاطر یا کسی قبیلے کو اس کی اسلام دشمنی کی سزا دینے کی خاطر تھیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قبائل کے خلاف اکثر مہمیں یہی مقاصد حاصل کر کے مدینہ طیبہ واپس آئیں۔ ابتدائی مہموں میں شریک مجاہدین کی تعداد کو دیکھا جائے اور اس کا موازنہ اُن کے مدمقابل لشکر کی تعداد سے کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان مہموں کا مقصد حالات سے باخبر رہنا یا دشمن کو احساس دلانا تھا کہ مسلمان ہر حال میں ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ان مہموں میں مسلح مڈبھیڑ مسلمانوں کے مفاد میں نہ تھی رمضان 1ھ میں جو پہلی مہم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں بھیجی گئی اس میں مسلمان مجاہدین کی تعداد

صرف تیس تھی اور قریش کے جس قافلہ پر چھاپہ مارنے کیلئے یہ مہم روانہ کی گئی تھی اس کی حفاظت کیلئے ابو جہل کی سر کردگی میں تین سو مسلح قریش تھے۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سر کردگی میں جو مہم بھیجی گئی اس میں مجاہدین کی تعداد صرف ساٹھ تھی اور ابو سفیان کی قیادت میں قریش کے جس دستے سے ان کا آمنا سامنا ہوا تھا اس کی تعداد دو سو تھی۔ سریہ نخلہ جو رجب 2ھ میں پیش آیا اس میں صرف بارہ مسلمان شریک تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حقیقت کا علم تھا کہ قریش اپنے قافلوں کے ساتھ بڑی تعداد میں مسلح محافظ بھیجتے ہیں اگر ان مہموں کا مقصد صرف ان قافلوں پر حملہ کرنا ہی ہوتا تو ان مہموں میں شامل مجاہدین کی تعداد یقیناً زیادہ ہوتی۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 591,592)

مس کیرن آرمسٹرانگ! اگر مسلمان ڈاکو ہوتے یا ان کا پیشہ ڈاکہ ڈالنا ہوتا تو کیا وہ بنو نضیر کو اس شان سے جلاوطن ہونے دیتے جس طریقے سے وہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

خود کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

So Nadir packed up their possessions, even taking down the lintels of their doors rather than leave them to Muhammad, and left Medina in a proud procession, as though they were in trump. The women dressed in all their jewels and finery, beating tambourines and singing to the accompaniment of pipes and drums. (Muhammad P# 150-151)

لٰہذا بنو نضیر نے اپنا اسباب باندھا اور اپنے گھروں کے چھتیر (Lintels) تک اُتار کرلے گئے۔ انہوں نے ایک فخر مند جلوس کی صورت میں مدینہ کو خیر باد کہا کہ جیسے فتح پا کر آئے ہوں۔ اُن کی عورتیں زیور اور عمدہ لباس سے آراستہ ہو کر طنبوروں اور نفیریوں کی دُھن پر گیت گا رہی تھیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 110)

کیا وہ لوگ جن کا پیشہ لوٹ مار ہوتی ہو وہ اپنے دشمنوں کو اس طریقے سے اس شان سے جانے دیتے۔

احباب من! آج یہ لوٹ مار کی بات وہ قوم کر رہی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے قبل تاریک دور میں رہا کرتی تھی اور آج تحریف شدہ مذہب اور اسلام سے اندھے بغض کے سبب اُن کا یہ حال ہو گیا کہ تیل کے حصول کیلئے ہزاروں لوگوں کی جانیں لے لیتی ہیں اور بڑے فخر سے اس کو 'صلیبی جنگ' کہتے ہیں۔

کیا کیرن آرمسٹرانگ ان مہذب درندوں کو ڈاکو اور عیسائیت کو وحشت و بربریت کا مذہب ماننے کیلئے تیار ہوں گی جنھوں نے نہ صرف لوگوں کو برباد کیا بلکہ لوٹ مار کے اس بازار کو گرم کیا کہ اگر ان کا ماضی کی تمام قوموں سے لوٹ مار کا تقابل کیا جائے تو ان کا پلڑا وزنی نکلے گا مگر انہیں نہ کوئی ڈاکو کہتا ہے نہ یہ لٹیرے قرار پاتے ہیں نہ ان کو وحشی کہا جا سکتا ہے اور نہ اُن کو قاتل قرار دیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ایم اے سلومی اپنی کتاب Innocent Victims in the Global War on Terror میں لکھتے ہیں:۔

کسی اور مذہبی عقیدے کے لوگ بھیانک وارداتیں کرتے ہیں تو ان کے مذہب کا نام شاذونادر ہی آتا ہے کوسوو کے البانوی باشندوں کا قتل عام ہوا تو خبروں میں ایسٹرن آرتھوڈکس سربوں کا بطور قاتل کبھی ذکر نہیں آیا۔ برمی قتل ہوئے تو بدھ مت کے پیروکاروں کا نام ہی نہیں لیا گیا۔ اسی طرح فلسطینی قتل ہوتے ہیں تو یہودیوں کا ذکر کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ مظالم ڈھانے والوں کو ایک روٹین کے مطابق ان کی قومیت کے حوالے سے شناخت کیا جاتا ہے، ان کے مذہبی حوالے کا تذکرہ گول کردیا جاتا ہے مگر مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک استثنائی اور امتیازی ہوتا ہے۔ پر تشدد کاروائیاں کرنے والے عیسائیوں سے کوئی نہیں کہتا کہ تم عیسائیت کو بدنام کررہے ہو لیکن کوئی مسلمان کسی غلط حرکت کا مرتکب پایا جائے تو خبروں میں لامحالہ امریکہ کیلئے 'اسلامی خطرے' کا ذکر ہوتا ہے۔ جب ہم تھوڑی دیر کیلئے رُک کر اسرائیلی ریاست کے زہریلے پن پر غور کرتے ہیں تو اسرائیل کیا کیا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ بے دھڑک لبنان پر حملہ آور ہوتا، ہزاروں کو قتل کرتا، فلسطینیوں کے گھروں پر بمباری کرتا اور انہیں ان کا آبائی وطن ترک کرنے پر مجبور کرتا دکھائی دیتا ہے، اس وقت ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہودیت میں تعصب اور عدم رواداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یہاں ایک بڑا واضح دہرا معیار پایا جاتا ہے۔ یہودیوں کی طرف سے آنکھیں بند رکھی جاتی ہیں اور اسلام کو بین الاقوامی مناقشوں کا ذمہ دار ٹھہرادیا جاتا ہے۔ (ڈاکٹر ایم اے سلومی Innocent Victims in the Global War on Terror

مترجم محمد یحییٰ خان صفحہ 236,237 مطبعہ نگارشات لاہور 2008)

(۲) یہود کے خلاف کارروائی

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ آمد سے قبل یہود کی ایک اکثریت رہا کرتی تھی۔ اسلام جب مدینہ پہنچا تو اس نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ وہاں کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کیا جس میں یہود، قریش اور اوس و خزرج کو برابر کے حقوق دیئے گئے تھے لیکن یہودیوں نے مسلمانوں کو دغا دیا، صرف دغا نہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان لینے کی کوشش بھی کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ بھی کیا۔

خود کیرن صاحبہ لکھتی ہیں:۔

When he called upon the Jewish tribe of Nadir to collect the blood money for' Amir, he narrowly escaped an assassination attempt: some members of Nadir had planned to drop a boulder on the Prophet from a nearby roof top.
(Muhammad P# 142)

جب آپ نے یہودی قبیلے بنونضیر کو عامر کیلئے قصاص کی رقم جمع کرنے کو کہا تو ایک قاتلانہ حملے میں بال بال بچے بنونضیر کے کچھ افراد نے ایک قریبی مکان کی چھت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت بڑا پتھر گرانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ110)

یہودی بغض و حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ وہ اُس نبی میں نبی آخر الزماں کی تمام نشانیاں دیکھ چکے تھے مگر صرف اس حسد میں مبتلا تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے بنو اسمٰعیل میں کیسے منتقل ہوگئی۔ اسی حسد کے سبب وہ مسلمانوں کے خلاف درپردہ سازشوں کے تاروپود بھی بنتے رہے۔ انہی سازشی اور اسلام دشمن یہودیوں کی وکالت کرتے ہوئے اور اسلام دشمنی سے لبریز کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

But Muhammad was caught in tragic moral dilemma: the justification for the jihad against the Qurraysh had been exclusion from their native city, which was condemned by the Qur'an as a great evil. Now, trapped in the aggressive conventions of Arabia. He was compelled to eject another people from their home land. (Muhammad P# 142)

لیکن مسلمان ایک المناک اخلاقی اُلجھن سے دوچار ہوئے۔ قریش کے خلاف جہاد کا جواز مسلمانوں کو اُن کے آبائی شہر سے نکالا جانا تھا جسے قرآن نے ایک عظیم برائی قرار دیا۔ اب عرب کی جارحیت پسندانہ دساتیر میں پھنسے ہوئے مسلمان ایک اور قبیلے کو ان کے وطن سے نکالنے پر مجبور ہوئے۔ (پیغمبر امن، صفحہ103,104)

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ ایک طرف یہود کی مظلومیت پر آنسو بہارہی ہیں دوسری طرف مسلمانوں کے ضمیر کی عکاسی بطور ظالم وجابر کررہی ہیں۔ یہ اُن کا اپنا خیال ہے کہ مسلمان بنو نضیر کے حوالے سے کسی اخلاقی الجھن کا شکار ہوئے۔

مسلمان تو وہ تھے جنہیں پیغمبر اسلام حکم دیتے کہ سمندر میں کود جاؤ تو وہ اس کی وجہ دریافت نہیں کرتے سمندر میں کود پڑتے، مسلمان تو وہ تھے جنہوں نے حق کی راہ میں اپنے خونی رشتے داروں کی پرواہ نہیں کی، جنہوں نے حبِّ رسول میں اپنے سروں کو کٹا دیا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے سروں کا بوجھ اُن کے کندھوں سے اتار دیا۔

اگر بنو نضیر اور بنو قینقاع کا فیصلہ حضرت سعد کرتے تو ان کا انجام بنو قریظہ سے مختلف نہ ہوتا۔

اور یہ اخلاقی الجھن کا تنقیص آمیز تخیل اس قدر بھونڈا ہے کہ اس پر کسی انصاف پسند شخص کو یقین آ ہی نہیں سکتا۔

ہم مستشرقین سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ ذرا بتایئے مسلمانوں نے کن حالات میں اور کیسے ہجرت کی تھی؟

اور یہودی قبیلہ بنو قینقاع نے کیوں اور کیسے ہجرت کی؟

یہودی قبیلے کی ہجرت کے اسباب کیا تھے؟

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ یہ جانتی ہیں اور یقیناً وہ جانتی ہیں کہ اصل اسباب کیا تھے مگر اسلام دشمنی پر مبنی اندھی عصبیت نے فکر کے چراغوں کو گل کر کے انہیں تاریک راہوں میں بھٹکنے کیلئے چھوڑ دیا ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ کا یہ کہنا کہ مسلمان ایک المناک اخلاقی الجھن سے دوچار ہوئے۔ جیسا ان کے ساتھ قریش نے کیا تھا بالکل ویسے ہی وہ یہودیوں کیساتھ کر رہے تھے۔ مس کیرن کا یہ بیان ایک بہت بڑا بہتان، ایک بہت بڑا جھوٹ اور تحقیق کے چہرے پر طمانچے کے مترادف ہے۔

مسلمانوں کی مدینہ کی جانب ہجرت کے اسباب کیا تھے؟

مسلمانوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کیوں فرمائی؟

- کیا مسلمانوں نے قریش کے ساتھ کوئی بدعہدی کی تھی؟
- کیا مسلمانوں نے قریش کی عورتوں کے ساتھ بدتمیزی کی تھی؟
- کیا مسلمانوں نے قریش سے معاہدے کے باوجود اُن کو للکارا تھا؟

اگر ایسا کچھ نہیں تھا اور یقیناً ایسا کچھ نہیں تھا تو پھر ہجرت کا سبب کیا تھا۔ سوائے اس کے کہ قریش اس دین حق کے پیروکاروں پر ہر قسم کا تشدد روا رکھتے تھے۔ ان پر تو ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی اور مسلمانوں کی ہجرت دونوں کے اسباب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ اپنی ایک اور کتاب میں یہودیوں کے یار غار رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے حوالے سے لکھتی ہیں:۔

وہ (ابن ابی) جانتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عرب روایات کے مطابق یہودیوں کے پورے قبیلے کو قتل کر دیتے تو وہ حق پر ہوتے۔

مزید آگے بنو قینقاع کے یہودیوں کے حوالے سے لکھتی ہیں:۔

انہیں (بنو قینقاع) کو معلوم تھا کہ وہ خوش قسمت ہیں کہ جانیں بچا کر جا رہے ہیں۔

آگے مسلمانوں کی رواداری کو اپنے گھٹے ہوئے لہجے میں یوں بیان کرتی ہیں:۔

اہل مغرب کیلئے یہ بہت ہی مشکل ہے کہ وہ مدینے کے یہودیوں سے حضرت محمد کے برتاؤ کا ادراک کر سکیں کیونکہ اس سے خود ہماری ماضی کی بہت سی شرمناک کرتوتوں کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ لیکن مدینہ کے تین یہودی قبیلوں کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جد وجہد اس نسلی اور مذہبی منافرت سے بالکل مختلف تھی جس کی بدولت مسیحی یورپ میں مخالفین کو منظم انداز میں قتل کرانے کا رجحان کوئی ایک ہزار برس تک برقرار رہا ہے۔ عیسائیوں کی دہشت گردی کا آخری مظاہرہ ہٹلر کی طرف سے یہودیوں کے خلاف سیکولر صلیبی جنگ کے اعلان کی صورت میں ہوا لیکن حضرت محمد کو یہودیوں سے اس قسم کا خطرہ نہیں تھا، نہ ہی آپ کی یہ خواہش تھی کہ یہود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ (اگرچہ یہود نے اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ بدایونی) آپ نازی جرمنی کی طرح مدینے سے یہودیوں کی صفائی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ بنی قینقاع کے یہودیوں کے ساتھ آپ کا تنازع خالصتاً سیاسی تھا اور اس کا مدینے میں آباد یہودیوں کے ان چھوٹے قبیلوں پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ طے پائے جانے والے معاہدوں کی پاسداری کرتے ہوئے امن سے مسلمانوں کے شانہ بشانہ رہتے تھے۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 249 مترجم نعیم اللہ ملک مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور)

اسی کتاب میں مزید آگے لکھتی ہیں:۔

خود رسول اللہ کے زمانے میں یہودیوں کے چھوٹے گروپ ۶۲۷ عیسوی کے بعد مدینہ میں بدستور موجود رہے، انہیں امن وسکون کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی اور ان کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہ کی گئی۔

مزید آگے اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

اسلامی سلطنت میں عیسائیوں کی طرح یہودیوں کو بھی مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور ہماری موجودہ صدی میں اسرائیل کی ریاست کے قیام تک وہ امن و آشتی کے ساتھ رہتے رہے ہیں اسلامی عہد میں یہودیوں کو وہ مصیبتیں نہیں اٹھانا پڑی تھیں جن کا سامنا انہیں عیسائیت کے دور میں کرنا پڑا تھا۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet

از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 281 مترجم نعیم اللہ ملک مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور)

اس سے قبل کہ ہم کیرن آرمسٹرانگ کے اس اعتراض کا جواب دیں کیرن آرمسٹرانگ کا ایک اور استشراقی وسوسہ ملاحظہ کیجئے:۔

They surrendered begging only that their live be spared .Muhammad agreed, on condition that they left the oasis immediately, taking with them only those goods that they could carry on their camels. (Muhammad P# 150)

انہوں (بنونضیر) نے ہتھیار ڈال دیئے اور جانوں کی سلامتی چاہی، حضرت محمد نے اس شرط پر انہیں معاف کر دیا کہ وہ فورا نخلستان سے چلے جائیں اور جتنا مال اسباب اونٹوں پر لاد سکتے ہیں ساتھ لے جائیں۔ (پیغمبر امن،، صفحہ 110)

بنونضیر نے مدینہ سے جلاوطنی کیسے کی؟ کس طرح یہ عہد شکن مدینہ سے روانہ ہوئے؟ کس طرح یہ سازشی جنہوں نے پیغمبر اسلام کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مدینہ سے جلاوطن ہوئے؟

کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

So Nadir packed up their possessions ,even taking down the lintels of their doors rather than leave them to Muhammad ,and left Medina in a proud procession, as though they were in trump. The women dressed in all their jewels and finery, beating tambourines and singing to the accompaniment of pipes and drums. (Muhammad P# 150, 151(

لہٰذا بنونضیر نے اپنا اسباب باندھا اور اپنے گھروں کے چھتیر (Lintels) تک اُتار کر لے گئے۔انہوں نے ایک فخر مند جلوس کی صورت میں مدینہ کو خیر باد کہا کہ جیسے فتح پا کر آئے ہوں۔اُن کی عورتیں زیور اور عمدہ لباس سے آراستہ ہو کر طنبوروں اور نفیریوں کی دُھن پر گیت گا رہی تھیں۔ (پیغمبر امن،، صفحہ 110)

اس کے بعد مزید آگے لکھتی ہیں:۔

In the space of two short years, Muhammad had expelled two powerful tribes from Medina. (Muhammad P# 151)

دو سال کے مختصر عرصے میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے دو طاقتور قبیلوں کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 110)

بنو نضیر، اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف قاتلانہ سازش اور معاہدے کی خلاف ورزی کے باوجود کس طرح مدینہ سے جلاوطن ہوئے۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کیا دیگر اونٹوں پر جو قیمتی سامان لادا جاسکتا تھا وہ لادا یہاں تک کہ انہوں نے دیواریں گرا گرا کر دروازے کھڑکیاں بھی نکال کر لادلیں۔ جب ان کا قبیلہ روانہ ہوا تو ان پر کسی قسم کی افسردگی، پریشانی یا ندامت کے آثار نمایاں نہ تھے۔ انہوں نے ہر طرح سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ انہیں اس جلاوطنی پر کوئی رنج نہیں۔ وہ پہلے بلحارث بن خزرج کے علاقہ سے گزرے پھر جبلہ یہ سے گزرتے ہوئے جسر کو عبور کیا یہاں تک کہ عید گاہ تک پہنچے پھر ان کا گزر مدینہ منورہ کے بازار کے درمیان سے ہوا۔ لوگ دورویہ کھڑے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے ان کی عورتیں ہودجوں میں بیٹھی تھیں انہوں نے مخمل، زربفت، دیباج اور ریشم کے لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، سبز اور سرخ ریشمی چادریں انہوں نے اپنے اوپر ڈالی ہوئی تھیں، سونے اور چاندی کے زیورات اور جواہرات سے وہ لدی ہوئی تھیں۔ لوگوں کے سامنے اپنی دولت وثروت کا یہ مظاہرہ کر کے ابورافع نے بلند آواز سے کہا یہ قیمتی ملبوسات، یہ بیش بہا زیورات اور جواہرات ہم نے انہیں زندگی کے انہی نشیب وفراز کا مقابلہ کرنے کیلئے اکٹھا کر رکھا ہے۔ باقی رہے ہمارے نخلستان، جن کو ہم یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں ان کی ہمیں ذرا پروا نہیں۔ خیبر میں ان سے بھی بڑے نخلستان ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر کسی اور قوم سے ان لوگوں کا پالا پڑا ہوتا تو زیب وزینت کے سارے سامان ان سے چھین لئے گئے ہوتے۔ شائد انہیں اور انکی عورتوں کو تن ڈھانپنے کیلئے چیتھڑا بھی نصیب نہ ہوتا لیکن ان کا معاملہ غلامانِ حبیب کبریا سے تھا جو سیر چشمی اور استغنا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے یہودی عورتوں کی اس ساری سج دھج کو دیکھا، دولت وثروت کی اس خیرہ کن نمائش کو دیکھا لیکن اُن کی نیتوں میں ذرا فتور نہیں آیا۔

وہ خدامست اور خود آگاہ درویش اس انقلاب میں قدرت وحکمتِ الٰہی کے گوناگوں جلوے دیکھنے میں منہمک رہے۔

سرکارِ مدینہ کے شہر کے کوچہ و بازار سے عہد شکنوں، وعدہ خلافی کرنے والوں، اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں، رحمتِ عالم کی حیاتِ طیبہ کے خلاف مکرو فریب کے جال بننے والوں کا قافلہ عجیب شان سے گزر رہا تھا۔ شہنائیاں بجائی جارہی تھیں، آلاتِ موسیقی پر نغمے الاپے جارہے تھے۔ اُن کی لونڈیاں اشتعال انگیز اشعار گارہی تھیں اور رقص کررہی تھیں۔ یہ ساری باتیں اُن کی شجاعت یا عالی ظرفی کی علامتیں نہ تھیں بلکہ اُن کی کم ظرفی اور شہدے پن کی نشانیاں تھیں۔ (ضیاء النبی، جلد سوم صفحہ 608,609)

عزیزانِ گرامی! اُن کو انتہائی شرمسار ہو کر مدینہ سے نکلنا چاہئے تھا کہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی مگر انہوں نے نکلتے ہوئے ایسا سماں بنانے کی کوشش کی کہ گویا وہ فاتح بن کر جارہے ہوں اور مدینہ کی سرزمین کو انہوں نے فتح کرلیا ہو، کامیابی وکامرانی نے ان کے قدم چوم لئے ہوں۔

آفرین ہے پیغمبر اسلام کے پیروکاروں پر جنہوں نے اُن کی اشتعال انگیزیوں کا ذرا بھی اثر قبول نہیں کیا۔ یہودی طوفانِ بدتمیزی مچاتے گئے مگر پیغمبر اسلام کے کسی بھی غلام نے اُن کی طرف انگلی اُٹھا کر اشارہ تک نہیں کیا۔ یہ حسنِ تربیت تھی پیغمبر اسلام کی۔ اگر ان کا واسطہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور مذہب کے ماننے والوں سے پڑتا تو انہیں اس اشتعال انگیزی کا ویسا ہی جواب ملتا جیسا کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو اندلس میں دیا تھا۔

جیسا کہ خود کیرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب مقدس جنگ میں لکھتی ہیں:۔

فرڈیننڈ اور ازبیلا نے 1483 میں خفیہ یہودیوں کا شکار کرنے کیلئے اسپینی قومی احتسابی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے اہلکار میرانو عیسائیوں میں سے مشکوک لوگوں کو گرفتار کرکے ان پر ہولناک تشدد کرتے اور انہیں یہ اعتراف کرنے پر مجبور کرتے کہ وہ خفیہ طور پر یہودیت پر کاربند ہیں۔ وہ انہیں دوسرے خفیہ یہودیوں کی نشاندہی کرنے پر بھی مجبور کرتے۔ بارہ سال کے عرصے میں تیرہ ہزار افراد، جن میں بیشتر یہودی تھے اس احتساب کے نتیجے میں ہلاک ہوگئے۔
(Holy War صفحہ 248)

ایک اور جگہ صلیبی دہشت گردوں کی تشدد پسندی کو اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

صلیبی جنگجوئی کا ایک شرمناک پہلو مغربی دنیا میں یہودیوں سے نفرت کا فروغ تھا۔ یہیں ہمیں مشرقِ وسطیٰ اور جدید زمانے میں ہونے والی کشمکش کے درمیان رابطہ دکھائی دیتا ہے۔ یہودیوں اور اس کیلئے ہر مقدس شے کا دشمن تصور کیا گیا۔ اس تعصب کے المناک نتائج رونما ہوئے۔ ہٹلر نے یہودیوں کو نیست ونابود کرنے کی جو کوشش کی تھی اسکو صلیبی جنگوں نے مہمیز کیا تھا جیسا کہ میں آئندہ ابواب میں ذکر کروں گی۔ صلیبی جنگجوؤں نے مشرق کی طرف ایک نئی ذات کی طرف سفر کے شروع میں فرانس اور جرمنی میں یہودیوں کا قتل عام کیا۔ یہ یورپ میں اوّلین منظم نسل کشی تھی۔ (ایضاً، ص 96)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

یہ بات اہم ہے کہ یہودیوں کا ایسا قتل عام دیکھ کر چرچ بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ (Holy War صفحہ 96)

قارئین کرام! اندازہ لگایئے کہ دشمن کے قتل کا فاتح جشن مناتا ہے نہ کہ خوفزدہ ہو جائے، خوفزدہ ہونے کا مقصد سوائے اس کے کیا ہے کہ وحشت و بربریت کی ایسی ہولی کھیلی گئی کہ چرچ بھی دہل گیا۔

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

صلیبی جنگجوؤں نے تورات کے نسخوں کو جلا دیا، سیناگوگوں کو مسمار کر دیا اور یہودی مردوں، عورتوں اور بچوں کو دھمکایا کہ یا تو عیسائی ہو جائیں یا موت قبول کر لیں۔ (ایضاً)

مسلمانوں کی امن پسندی کے بارے میں اپنی ایک اور کتاب The Battle For God میں لکھتی ہیں:۔

اسلامی دنیا میں یہودیوں کو اس انداز سے محدود نہیں رکھا گیا تھا بلکہ انہیں عیسائیوں کی طرح ذمیوں کا درجہ حاصل تھا جس سے انہیں شہری اور عسکری تحفظ مل گیا تھا باشرطیہ کہ وہ اسلامی ریاست کی حاکیت اور قوانین کا احترام کرتے رہیں۔ مسلمانوں نے یہودیوں پر ظلم وستم نہیں ڈھائے، اسلامی دنیا میں سامیت دشمنی کی کوئی روایت نہیں تھی۔

(The Battle for God صفحہ 56 از کیرن آرمسٹرانگ مترجم محمد احسن بٹ مطبوعہ نگارشات لاہور 2006)

ایک اور جگہ لکھتی ہیں:۔

مسلمان گرجا گھروں اور سیناگوگوں کا اسی طرح احترام کیا کرتے تھے جس طرح مسجدوں کا۔ نورالدین زنگی کا جہاد اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف واپسی اور اپنے دفاع کیلئے تھا قرآن مسلمانوں کو جنگ شروع کرنے سے منع کرتا ہے تاہم جبر و استبداد کو روکنے کا حکم دیتا ہے۔ فرینک پچاس برس سے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے وہ انہیں ان کے گھروں سے نکال رہے تھے حالانکہ مسلمانوں نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا تھا جو اس مغربی جارحیت کا جواز بنتا ایک مسلم رہنما کا فرض تھا کہ وہ مسلمانوں کو ایسے دشمن سے محفوظ رکھے۔ (Holy War صفحہ 194)

ٹیری جونز مسلمانوں کی رواداری کے بارے میں لکھتا ہے:۔

آنے والے سالوں میں مؤرخ جب مسلمانوں کے یروشلم پر قبضہ اور بعد میں عیسائیوں کے یروشلم پر دوبارہ قبضہ کی داستان رقم کرے گا اور ان دونوں عسکری مہمات کا موازنہ کرے گا تو اسے ایک واضح فرق نظر آئے گا۔ ایک نے مذہب کے نام پر رواداری کی ایک ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور دوسرے نے مذہب کے نام پر ظلم وستم، درندگی اور بربریت کا وہ بدترین نمونہ پیش کیا جو اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب یروشلم فتح ہوا اور آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں کی عیسائی آبادی کو یقین دلایا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں۔ ان کے مذہبی مقامات مکمل طور پر محفوظ ہیں اور انہیں کچھ بھی نہ کہا جائے گا اور ایسا ہی ہوا ایک بھی عیسائی نہ مارا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مذہبی مقامات کا دورہ کیا اور جب انہیں کہا گیا کہ کلیسا میں دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کریں تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آج میں اگر گرجا میں دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں تو کل آنے والے پورے گرجا پر قبضہ کر لیں گے۔ (صلیبی جنگیں، صفحہ 52،53)

اب درج ذیل حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ مسلمان کتنے امن پسند تھے۔

قارئین کرام! بنو نضیر اور بنو قینقاع نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی جس کے سبب سے انہیں مدینہ سے نکلنا پڑا۔ وہ معاہدہ کیا تھا جو پیغمبر اسلام نے یہودیوں سے کیا تھا۔ کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

A covenant was drawn up between the prophet and Arab and Jewish tribes of Medina, who agreed to live peaceably beside the Muslims and promised not to make a separate treaty with Mecca. (Muhammad P# 137)

حضرت محمد اور مدینہ کے عرب و یہودی قبائل کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ یہودی مسلمانوں کے ساتھ پُرامن طور پر رہنا چاہتے تھے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ مکّہ کے ساتھ الگ سے کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 100)

معاہدۂ یہود کی دفعات

اس دستور کی اہم دفعات کیا تھیں ڈاکٹر نثار احمد صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

مندرجہ بالا منشور کو سمجھنے کیلئے اور آئندہ حوالوں کیلئے مناسب یہ ہے کہ مندرجہ بالا دستاویز کا مطلب حسب سابق قوسین میں دینے کے بجائے دفعات کی صورت میں لکھا جائے، چنانچہ اسے ہم یوں ترتیب دے سکتے ہیں:۔

- یہ تحریری دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قریش، یثرب کے اہلِ ایمان اور ان لوگوں کے باب میں ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔
- یہ (تمام گروہ) دنیا کے (دوسرے) لوگوں سے ممتاز و ممیز ایک علیحدہ (سیاسی) وحدت متصور ہوں گے۔
- مہاجرین جو قریش میں سے ہیں علی حالہ دیتوں اور خون بہا وغیرہ کے معاملات میں اپنے قبیلہ کے طے شدہ رواج پر عمل کریں گے۔ اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کریں گے۔
- اور بنو عوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسب سابق قائم رہے گا۔ ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- اور بنو حارث بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسب دستور سابق رہے گا۔ ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- اور بنو ساعدہ بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسب دستور سابق رہے گا۔ ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- اور بنو جُشَم، اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا مل کر ادا کرینگے۔ ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- اور بنو نجار اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسب دستورِ سابق اپنا خون بہا مل کر ادا کرینگے۔ ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- اور بنو عمرو بن عوف، اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ اُن میں حسب سابق جاری رہے گا اور ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

- اور بنوالنبیت، اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا حسب سابق مل کر ادا کرینگے اور ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- بنوالاوس، اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ اُن میں حسب سابق قائم رہے گا اور ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- اور اہلِ ایمان اپنے کسی زیر بار قرض دار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدہ کے مطابق فدیہ دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔
- اور کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو کوئی مومن حلیف نہ بنائے گا۔
- اور یہ کہ تمام تقویٰ شعار مومنین، متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی کرے، ظلم، گناہ اور تعدی کے ہتھکنڈوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اُٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔
- کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کریگا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کریگا۔
- اور اللہ کا ذمہ (اور پناہ سب کیلئے یکساں) ایک ہے ادنیٰ ترین مسلمان بھی کافر کو پناہ دے سکتا ہے اہلِ ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں باہم بھائی بھائی اور مددگار و کارساز ہیں۔
- یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا اتباع کریگا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی اور ان یہود پر نہ تو ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی دشمن کی مدد کی جائے گی۔
- تمام اہلِ ایمان کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی مومن قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا اور اسے مسلمانوں کے درمیان عدل و مساوات کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔
- جو لشکر ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہو گا اس کے افراد آپس میں باری باری ایک دوسرے کی جانشینی کرینگے۔
- اہلِ ایمان، کفار سے انتقام لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
- تمام تقویٰ شعار مسلمان، اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔
- اور مدینہ کا کوئی مشرک (غیر مسلم اقلیت) قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کا پناہ نہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلہ پر اس (قریشی) کی حمایت و مدد کرے گا۔

❖ اور جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اُسے مقتول کے عوض بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ الا یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضامند ہو جائے اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔

❖ کسی ایمان والے کیلئے جو اس دستور العمل کے مندرجات کی تعمیل کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات نکال کر فتنہ انگیزی کے ذمہ دار کی حمایت کرے یا اسے پناہ دے۔ جو ایسے کسی (مجرم) کی حمایت اور نصرت کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اُس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور جہاں اس کی نہ تو توبہ قبول کی جائے گی نہ (عذاب کے بدلہ) کوئی فدیہ لیا جائے گا۔

❖ جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازعہ ہو گا تو اسے اللہ اور اُس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

❖ اور یہ کہ جب تک جنگ رہے یہودی اس وقت تم مومن کے ساتھ مل کر مصارف اُٹھائیں گے۔

❖ اور یہود بنی عوف، اور ان کے اپنے حلفائی و موالی، سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت (فریق) متصور ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر (رہنے کے مجاز) ہوں گے اور مومن اپنے دین پر کاربند رہیں گے۔ البتہ جس نے ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو وہ محض اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

❖ اور بنی نجار کے یہودیوں کیلئے بھی وہی کچھ مراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہیں۔

❖ اور بنی حارث کے یہودیوں کیلئے وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہے۔

❖ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کیلئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہے۔

❖ بنی جُشم کے یہودیوں کیلئے بھی وہی ہے جو یہود بنی عوف کیلئے ہے۔

❖ بنی الاوس کے یہودیوں کیلئے وہی کچھ ہے جو یہود بنی عوف کیلئے ہے۔

❖ بنی ثعلبہ کے یہودیوں کیلئے وہی کچھ ہے جو یہود بنی عوف کیلئے ہے۔ البتہ جو ظلم اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

❖ اور جفنہ (جو قبیلہ) ثعلبہ کی شاخ ہے اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔

❖ اور بنی الشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بن عوف کیلئے ہیں۔ اور ہر ایک پر اس دستاویز کی وفاشعاری لازم ہے نہ کہ عہد شکنی۔

- اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کیلئے ہیں۔
- اور یہود قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے ہیں۔
- اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا۔
- اور کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان میں جو فرد یا جماعت قتل ناحق اور خونریزی کا ارتکاب کرے تو اس کا وبال اور ذمہ داری اسکی ذات اور اس کے اہل وعیال پر ہوگی ورنہ ظلم ہوگا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس سے بری الذمہ ہے۔
- اور یہودیوں پر اُن کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر اُن کے مصارف کا۔
- اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ نیز خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی اور ہر مظلوم کی بہر حال حمایت اور مدد کی جائے گی۔
- اور یہ کہ جب تک جنگ رہے یہودی اُس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اُٹھائیں گے۔
- اور اس صحیفہ والوں کیلئے حدودِ یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ (جوف) حرم کی حیثیت رکھے گا۔
- پناہ گزین، پناہ دہندہ کی مانند ہے نہ کوئی اس کو ضرر پہنچائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کر کے گناہ گار بنے۔
- اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔
- اور اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی نئی بات پیدا ہو (جس کا ذکر اس دستاویز میں نہیں) یا کوئی اور جھگڑا جس سے کسی نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو اس متنازعہ فیہ امر میں فیصلہ کیلئے اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اللہ کی تائید اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاشعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔
- اور قریش (مکہ) اور اس کے حامیوں کو کوئی پناہ نہ دی جائے گی۔
- اور یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ میں یہ سب (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

❖ ان مسلمانوں میں جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کیلئے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کرلیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی صلح کی دعوت دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کرلیں گے۔ الا یہ کہ کوئی دین ومذہب کیلئے جنگ کرے۔

❖ اور تمام لوگ (فریق) اپنی اپنی جانب کے علاقہ کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

❖ اور قبیلہ اوس کے یہود کو، خواہ موالی ہوں یا اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس تحریر کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔ اور وہ بھی اس صحیفہ والوں کے ساتھ خالص وفاشعاری کا برتاؤ کریں گے۔ نیز قرارداد کی پابندی کی جائے گی نہ کہ عہد شکنی۔ ہر کام کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ زیادتی کرنے والا اپنے نفس پر زیادتی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور وفاشعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

❖ یہ نوشتہ، کسی ظالم یا مجرم (کو اس کے جرم کے عواقب سے بچانے کیلئے) آڑے نہ آئے گا۔ جو جنگ کیلئے نکلے (کسی اور جگہ نقل مکانی کرے) وہ بھی اور جو گھر (مدینہ) میں بیٹھا رہے (سکونت رکھے) وہ بھی امن کا حقدار ہوگا۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں البتہ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں اور جو اس نوشتہ کی وفاشعاری اور احتیاط سے تعمیل کرے گا۔ تو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس کے نگہبان اور خیر اندیش ہیں۔ (نقوش رسول نمبر جلد 5 مقالہ ڈاکٹر نثار احمد)

احبابِ من! یہ دستاویز بتا رہی ہے کہ مسلمان کتنے امن پسند لوگ تھے، صرف امن سے رہنا ہی نہیں بلکہ پُرامن معاشرے کے بھی خواہ تھے۔ دستاویز میں موجود دفعات بتا رہی ہیں کہ یہ خود یہودیوں کے حقوق کی ضمانت دے رہی ہیں مگر یہود نے اس امن پسندی کو شاید مسلمانوں کی بزدلی جانا اور اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جیسا کہ کیرن آرمسٹرانگ رقم طراز ہیں:۔

The fear of an imminent Meccan attack was a welling the opposition party in Medina. Ibn Ubayy and his supporters were backed by three of the largest Jewish tribes-Nadir, Qurayzah and Qaynuqa'- who depended upon their commercial links with the Qurraysh and wanted no part in any war against Mecca. A third column was opening up in the. Oasis .About ten week after Badar, Abu Sufyan let a token ghazu of two hundred men to the field outside Medina, and under cover of night slipped into the territory of Nadir, where he was entertained by its chief, Sallam Ibn Mishkan according to Ibn Ishaq, 'given him secret information about the Muslims. (Muhammad P# 140)

اہلِ مکہ کی جانب سے جوابی حملے کا واضح خطرہ مدینہ میں مخالف پارٹی کو مشتعل کر رہا تھا ابن ابیجہ (رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی) اور اس کے حامیوں کو تین سب سے بڑے قبائل نضیر، قریظہ اور قینقاع کی حمایت حاصل تھی جن کا دارومدار قریش کے ساتھ تجارتی تعلقات پر تھا اور جو مکہ کے خلاف کسی بھی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ نخلستان میں ایک تیسرا دھڑا بھی ابھر رہا تھا، واقعہ بدر کے کوئی دس ہفتے بعد ابو سفیان دو سو آدمیوں کا ایک برائے نام دستہ لیکر مدینہ سے باہر کھیتوں میں گیا اور رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھا کر نضیر کے علاقے میں جا پہنچا جہاں سردار اسلام ابن مِشکان نے اس کی خاطر مدارت کی۔ ابن اسحق کے مطابق اس نے ابو سفیان کو مسلمانوں کے متعلق خفیہ معلومات فراہم کیں۔ (پیغبر امن، صفحہ 102)

اس طرح معاہدے کی صرف خلاف ورزی ہی نہیں مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ سازش کر کے قریشِ مکہ کو مسلط کرنے کی کوشش کی گئی اور کفارِ مکہ کا ساتھ دیا گیا۔

بنو قینقاع نے کس طرح کا رویہ اپنایا، خود لکھتی ہیں:۔

اے محمد لگتا ہے کہ تم ہمیں اپنی اُمت میں شامل سمجھتے ہو۔ خود کو دھوکے میں نہ رکھو، کیونکہ (بدر میں) تمہارا مقابلہ ایک ایسے قبیلے سے ہوا جو فنِ حرب نہیں جانتا تھا اور تمہارا پلّہ بھاری رہا۔ اللہ کی قسم، اگر ہمارے ساتھ تمہاری لڑائی ہوئی تو تم ہمیں حقیقی مرد پاؤ گے۔ (پیغبر امن، صفحہ 103)

اس اشتعال انگیز اور بد تمیزانہ گفتگو کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی قسم کا انتقام یا کسی بھی قسم کی شدت کو نہیں اپنایا بلکہ درگزر سے ہی کام لیا۔ یہود کا یہ معاندانہ رویہ، معاہدے کی خلاف ورزی اور اس پر حضور علیہ السلام کا صبر و تحمل۔۔۔ کیا اب بھی اسلام اور پیغمبر اسلام پر تشدد پسندی کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے ایسا لطف و کرم ایسا صبر و حلم کیا کسی اور ذات میں پایا جاتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! اگر کیرن آرمسٹرانگ صرف یہودیوں کے اس رویے پر غور کریں جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیا۔ اگر یہی رویہ وہ عیسائیوں کے ساتھ اختیار کرتے تو عیسائی اُن کا کیا حشر کرتے۔ ازابیلا اور فرڈی نینڈ نے بغیر کسی وجہ کے اُن پر مظالم ڈھائے، چرچ اُن کے قتل سے خوفزدہ ہو گیا۔ اگر بغیر جرم کے ان کو ایسی سزا دی گئی تھی اگر یہ جرم بغاوت جو انہوں نے ریاست مدینہ میں کیا اگر کسی عیسائی ریاست میں کرتے تو عیسائی اُن کا کیا حشر کرتے۔

بنو قریظہ

مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبیلوں میں سے صرف بنو قریظہ مدینہ میں رہ گئے تھے باقی دونوں قبیلے اپنی عہد شکنی کے سبب مدینہ سے جلاوطن ہو چکے تھے۔ تعصب حسد میں یہ قبیلہ بھی بنو نضیر اور بنو قینقاع سے کسی بھی طرح کم نہیں تھا جنگِ بدر میں اسی قبیلے نے اسلحہ سے قریشِ مکہ کی مدد کی مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی اس بھیانک اور خوفناک غلطی کو معاف فرمادیا۔ لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر جب ایک طرف خیبر کے یہودی (جن میں بنو نضیر و قینقاع بھی شامل تھے) کفارِ مکہ اور عرب کے دیگر بدو قبائل نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا تھا لیکن ان دشمنانِ خدا کے درمیان میں خندقیں حائل ہو گئیں ورنہ انہوں نے تو مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ جب کفارِ مکہ اور خیبر کے یہودی جنگ کیلئے آئے تو انہوں نے اتنی چوڑی اور گہری خندقیں دیکھیں، وہ مسلمانوں کی حکمتِ عملی دیکھ کر حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ اور سوچنے لگے کہ اب کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے۔ انہوں نے بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب سے کہا کہ تم ایسا کرو کہ بنو قریظہ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ وہ پیچھے سے حملہ کردیں اور اِس طرف سے ہم حملہ کردیں تاکہ مسلمان چکی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جائیں۔ حیی بن اخطب یہ رائے لے کر بنو قریظہ کے سردار کے پاس پہنچا ابتداء میں تو قریظہ کے سردار نے حیی بن اخطب کے کہنے پر معاہدہ توڑنے سے انکار کردیا لیکن جب اُس نے صورتِ حال دیکھی کہ ایک طرف تو کفار نے انہیں گھیرا ہوا ہے اگر اندر سے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کردیا تو مسلمان واقعی چکی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اس وقت محاذِ جنگ پر تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خبر کی تحقیق کیلئے سعد بن معاذ کو بھیجا۔ حضرت سعد بن معاذ جب قریظہ کی آبادی میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تلواروں کو زہر میں بجھایا جارہا ہے۔۔۔۔ نیزوں کی انیاں چمکائی جارہی ہیں۔۔۔۔ تیر کمان اور ڈھالیں نکالی جارہی ہیں ہر قسم کا اسلحہ یہودی نوجوانوں میں تقسیم کیا جارہا ہے تاکہ یہ مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دے اور دوسری طرف کفارِ مکہ ان کے سینوں کو نیزوں اور تیروں سے چھلنی کردے اور دنیا سے مسلمانوں کا نام تک مٹ جائے۔

حضرت سعد جن سے اُن کے تعلقات بہت اچھے تھے اُسے کہا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ سے معاہدہ کیا ہوا ہے اور ایک ایسے وقت میں جب وہ ایک طرف دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں تم ایسے کمزور لمحوں کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے غداری کرنے جا رہے ہو۔ اس طرح پیار و محبت سے انہیں سمجھایا ہوگا۔

لیکن انہوں نے اس پیار و محبت کے جواب میں کہا: 'مـــن رســـول اللہ' کون رسول؟ ہم کسی کو نہیں جانتے۔ ہمارے درمیان اور اُن کے درمیان کسی قسم کا عہد نہیں۔ (ضیاء النبی، جلد چہارم صفحہ 70)

عزیزانِ گرامی! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی کے سبب ان یہودیوں اور قریش مکہ میں پھوٹ پڑ گئی اور ذلت و رسوائی اُن کا مقدر بن گئی۔

غزوۂ خندق سے واپسی پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو یہ لڑنے کیلئے آمادہ ہوگئے۔ جواباً مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ پچیس دِن جاری رہا یہاں تک کہ قریظہ کو اپنی شکست کا یقین ہوگیا۔ لیکن انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم بنانے کے بجائے اپنے دیرینہ حلیف حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنایا حضرت سعد جو جنگوں اور جنگی جرائم کی شدت سے بخوبی آگاہ تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے جنگجو مردوں کو قتل کردیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے مال و دولت کو تقسیم کردیا جائے۔

لہٰذا اسی فیصلے کے مطابق عمل درآمد ہوا۔ اس واقعے کے متعلق کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

The tragedy of Qurayzah may have seemed expedient to the Arabs of Muhammad's time, but is not acceptable to us today. Nor was it what Muhammad had set out to do. His original aim had been to end the violence of jahiliyah, but he was now behaving like an ordinary Arab chieftain.

(Muhammad P# 163)

بنو قریظہ کا المناک انجام عہد پیغمبر کے عربوں کو ناگزیر معلوم ہوا ہوگا لیکن آج یہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ مسلمانوں کا اصل مقصد جاہلیہ کا خاتمہ کرنا تھا لیکن اب وہ کسی عام عرب سردار کی طرح ہی رویہ اپنائے ہوئے تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ 120)

مس کیرن آرمسٹرانگ کا یہ کہنا کہ یہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ جو نتیجہ یہود، کفارِ مکہ اور اسلام دشمن قوتیں دیکھنا چاہتی تھیں وہ تو ہو ہی نہیں سکا۔ کیونکہ اگر یہ پانسہ یوں نہ پلٹتا تو مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا۔ کیا مسلمان نام کی قوم آج موجود بھی ہوتی۔ مسلمانوں اور اُن کے بیوی بچوں پر کیا گزرتی، یہود و نصاریٰ کی خون آشامی کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔

اس واقعے کی مخالفت کرنے والے ذرا یہ تو بتائیں کہ عین لڑائی کے وقت معاہدہ توڑ دینا کیا دغا دینے اور جنگی جرم کے مترادف نہیں۔

بنو قریظہ اپنی تلواروں کی دھار کو تیز کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا جاسکے۔ ایسے جنگی مجرموں کو آج عہدِ جدید میں کیا سزا دی جاتی، کیرن صاحبہ خود فیصلہ کرلیں۔ اُن کیلئے پھر یہ سب کچھ قابلِ قبول ہو جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج عیسائیت مسلم ممالک پر لاکھوں ٹن بارود برسا رہی ہے۔ اسپتالوں، اسکولوں تک پر بم گرائے جارہے ہیں۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں، بیماروں سے صرفِ نگاہ کرکے بارود کی آتش میں ان کو بھونا جا رہا ہے۔ عراق و افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجائی جاچکی ہے۔ مسلمانوں کا خون سستا ہوچکا ہے۔ عافیہ صدیقی جیسی نہ جانے کتنی دوشیزاؤں کو عیسائیت کی اس صلیبی جنگ نے نگل لیا ہے۔

مگر تہذیبِ مغرب کی عَلم بردار مستشرقہ کے نزدیک بنو قریظہ کے جنگی مجرموں کے ساتھ ایسا سلوک ان کیلئے قابلِ قبول نہیں۔ موجودہ صلیبی جنگوں جن کا اعلان 9/11 کے بعد صدر بش نے کیا تھا۔ ذرا اسکی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:۔

عراق کی ایک جیل میں قید عراقیوں نے امریکی فوجیوں پر الزام عائد کیا ہے انہیں قید کے دوران شیروں کے پنجرے میں ڈال دیا گیا تھا۔ ۲۰۰۳ء میں بغداد کے ایک محل میں قیدیوں کے تشدد کی جانے کی یہ بدترین مثال ہے۔

رہائی پانے والے ایک قیدی طٰہٰ محمد نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ امریکی فوجی غصے سے چیختے ہوئے اور مجھے بے دردی سے مارتے ہوئے پنجرے کے پاس لے گئے۔ اُن میں سے ایک فوجی نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور دو فوجیوں نے مجھے پنجرے میں دھکیل دیا۔ جب شیر میرے اوپر دوڑے تو انہوں نے دروازہ کھول کر مجھے باہر کھینچ لیا اور پنجرے کا دروازہ بند کر دیا، خوف کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

واشنگٹن میں انٹرویو دیتے ہوئے طٰہٰ نے اس واقعے کی تفصیل بتائی:۔

طٰہٰ اور خالد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا ہمیں جولائی ۲۰۰۳ء کا وہ منحوس دن یاد ہے جب بندوق بردار امریکی سپاہی بکتر بند گاڑیوں میں انہیں گرفتار کرنے آئے۔ انہیں پلاسٹک کے ٹوپے پہنا دیئے گئے اور بٹوں سے مارا گیا۔ جب بھی وہ بولنے کی کوشش کرتے انہیں مارا جاتا۔ انہوں نے بتایا کہ دوسرے قیدیوں کو بھی شیروں کے پنجرے میں لیجایا جاتا تھا۔ جب وہ پنجرے کے پیچھے کھڑے تھے تو انہوں نے دوسرے قیدیوں کے چیخنے اور پنجرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی۔

خالد نے بتایا کہ وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ صدام کہاں ہے اور وسیع تباہی کے ہتھیار کہاں ہیں۔ میں ہنسنے لگا کہ یہ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نہیں بتاؤں گا تو وہ شیروں کے آگے ڈال دیں گے میرے ہنسنے پر انہوں نے مجھے مارا اور تین بار شیروں کے پنجرے میں ڈالا۔ (جنگ سنڈے میگزین 4 دسمبر 2005)

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد امریکی سی آئی اے نے مسلمان قیدیوں کو طیاروں کے ذریعے یورپ میں قائم مختلف خفیہ جیلوں میں منتقل کیا۔ یورپ میں قائم ان خفیہ جیلوں میں قیدیوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

یورپ میں امریکی خفیہ جیلوں کے خلاف شدید احتجاج کے بعد امریکہ میں پولینڈ اور رومانیہ میں واقع سی آئی اے کے عقوبت خانے بند کر دیئے ہیں۔ اے بی سی نیوز کے مطابق دہشت گردی میں ملوث ان لوگوں کو اب شمالی افریقہ منتقل کیا جا رہا ہے۔ (جنگ سنڈے میگزین 18 دسمبر 2005)

عزیزانِ گرامی! تہذیب و شائستگی کے دعوے داروں سے جنہوں نے ہزاروں لوگوں کو، جن میں بچے، بوڑھے، خواتین سب شامل ہیں عراق و افغانستان میں لاکھوں ٹن بارود برسا کر ہلاک کر دیا۔ امنِ عالم کے داعی اور ٹھیکیدار جنہوں نے ہیروشیما پر بم گرا کر دہشت گردی کی نئی تاریخ رقم کی تھی۔

کیا اُن سے یہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے صرف پنجرے میں ڈال کر نکال لیا ہوگا۔

نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں!

معلوم نہیں کتنے ہی افراد اُن کی درندگی کا شکار ہوئے ہوں اور اُن کے ہاتھوں کتنے ہی شیروں کی غذا بنے ہوں۔

این ایچ تمکین لکھتے ہیں:۔

مسلم علماء کی تنظیم نے جو گرافک تصویریں جاری کی ہیں ان میں نظر بند افراد کو بری طرح زخمی دکھایا گیا ہے اُن کے جسموں پر زخموں کے نشانات ہیں۔ ایک نظر بند شخص کا بازو جلا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے اس پر (صرف) شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔

سی این این نے بھی نظر بندوں پر پولیس کے ہاتھوں تشدد دکھایا ہے جو اگست سے شروع ہو گیا تھا۔ ٹی وی چینل نے تین چار آدمیوں کا گروپ دکھایا جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی ہے قیدیوں کی کمر پر شدید ضربات کے نشانات ہیں۔ ایک دو قیدی تو مفلوج ہو گئے۔ کچھ کی کھالیں کھینچ لی گئی تھیں۔ (جنگ سنڈے میگزین 4 دسمبر 2005)

یہودی ڈاکٹر گولڈ اسٹائن کی دہشت گردی

۲۵ نومبر کو ہیبرون میں باروک اسٹائن نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جس کی کہانی بڑی مشہور ہے۔ گولڈ اسٹائن نے ایک مسجد میں داخل ہو کر نمازیوں پر پیچھے سے فائرنگ کی۔ جس سے بچوں سمیت ۲۹/ افراد ہلاک اور بے شمار زخمی ہو گئے۔

یہودی دانشور اسرائیل شحاک اپنی کتاب اسرئیل میں یہودی بنیاد پرستی میں لکھتا ہے:۔

قتل عام کی ارادی نوعیت کے باوجود گولڈ اسٹائن کا جنازہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اُٹھانے کیلئے حکومت نے انتظامات کئے تھے۔ اسٹیبلشمنٹ نے یہ اقدام ایک ایسی وجہ کے تحت کیا تھا جس کی خبریں عبرانی پریس میں تو نمایاں طور پر شائع ہوئی تھیں۔ تاہم بہت کم غیر ملکی اخبارات نے اسے شائع کیا تھا۔ وہ وجہ یہ تھی قتل عام کے بعد دو ہی دن کے اندر یروشلم و دیگر مذہبی علاقوں کی دیواریں ایسے پوسٹروں سے بھر گئی تھیں جن میں گولڈ اسٹائن کے کارنامے کو سراہا گیا تھا اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ زیادہ عربوں کو قتل نہیں کر سکا۔ (Jewish Fundamentalism In Israel از Israel Shahak & Norton Mezvisky صفحہ 134 مترجم محمد احسن بٹ مطبوعہ جمہوری پبلی کیشنز لاہور)

مزید آگے لکھتا ہے:۔

قتل عام کے فوری بعد ہی کچھ اسرائیل گروپوں نے گولڈ اسٹائن کو Saint کا درجہ دے دیا تھا اور اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ (ایضاً صفحہ 140)

خود کیرن آرمسٹرانگ بھی ماضی میں عیسائی دہشت گردی اور انتہا پسندی کو یوں بے نقاب کرتی ہیں:۔

1378ء اور 1391ء میں اراگون اور کیسٹیل کے یہودیوں پر عیسائیوں نے حملے کئے۔ وہ انہیں گھسیٹتے ہوئے بپتسمہ کرنے کے مقامات پر لے جاتے اور موت سے ڈرا کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ اراگون میں ڈومینیکن پادری ونسنٹ فیرر (1350ء - 1419ء) کی تبلیغ کے نتیجے میں باقاعدگی سے یہودی دشمن کے فسادات ہوتے رہے فیرر نے عیسائیوں اور یہودی ربیوں کے درمیان عوامی سطح پر مباحثے بھی کروائے، جن کا مقصد یہودیت کی تذلیل و تحقیر تھا کچھ یہودی ظلم و ستم سے بچنے کیلئے عیسائی ہو گئے۔ انہیں سرکاری طور پر 'Convesos' (عیسائیت قبول کرنے والے) کہا جاتا تھا لیکن عام عیسائی انہیں Marranos یعنی 'خنزیر' کہتے تھے۔ (The Battle For God صفحہ 31 از کیرن آرمسٹرانگ مترجم محمد احسن بٹ مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور)

یہ جبری عیسائیت جو تلوار کے زور پر پھیلی اس کے کیا نتائج نکلے کہ یہودی زبردستی عیسائیت قبول کرلیتے، وہ خلوصِ دل سے عیسائی نہ ہو پاتے۔ ان نو عیسائیوں کو طرح طرح سے اذیتیں دے کر ہلاک کیا جاتا تھا۔ اس کام کیلئے احتساب کا باقاعدہ ادارہ موجود تھا۔

کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

انہیں (فرڈی نینڈ اور ازابیلا) ان اطلاعات نے بھی پریشان کیا کہ 'نئے عیسائیوں' میں سے بعض لوگ دوبارہ پرانے عقیدے کی طرف لوٹ گئے ہیں اور خفیہ طور پر یہودیوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عیسائیوں کو دوبارہ یہودی ہونے سے روکنے کیلئے ایک خفیہ تحریک شروع کی۔ مذہبی محتسبوں کو ذمہ داری تفویض کی گئی کہ وہ اس قسم کے یہودیوں کی نشاندہی کریں، کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پہچان یہ رکھی گئی کہ وہ خنزیر کھانے سے یا اتوار کے دن کام کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مشتبہ لوگوں پر تشدد کیا جاتا کہ وہ اپنے کفر کا اعتراف کریں اور دیگر خفیہ طور پر دوبارہ یہودی ہونے والوں کے بارے میں اطلاع دیں۔ اس احتسابی کارروائی کے پہلے بارہ برسوں کے دوران 13000 عیسائیوں کو قتل کر دیا گیا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے 'جن کو قتل کیا گیا' جن کی املاک کو نذر آتش کیا گیا یا جنہیں حوالۂ زنداں کیا گیا' بیشتر راسخ العقیدہ کیتھولک تھے اور انہوں نے یہودیت کو دوبارہ قبول نہیں کیا تھا۔ (The Battle For God صفحہ 31,32)

بوسنیا میں مسلمانوں کے خون سے کس طرح ہولی کھیلی جاتی رہی۔۔۔۔

سربوں نے کس طرح تشدد کی تاریخ رقم کی۔۔۔۔

محمد الیاس انصاری لکھتے ہیں:۔

سرب عیسائی آرتھوڈوکس فرقے کے پیروکار ہیں اور مسلمانوں سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ 1908ء سے لے کر اب تک ان سفاک عیسائیوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ جنگ کوسوہ میں ترکوں کے ہاتھوں ان سرب عیسائیوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس دن سے آج تک سرب عیسائیوں کے نزدیک ہر مسلمان ترک ہے اور کافر ہے۔ ان سے اس شکست کا بدلہ لینا مذہبی فریضہ تصور کیا جاتا ہے۔ چرچوں میں، تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی جاتی ہے۔ عیسائی پادری یہ درس دیتے ہیں کہ ان مسلمانوں کو ہلاک کرنے سے خداوند راضی ہو گا۔ ان سربوں کے اذیت پسند ہونے کے سبب مسلمانوں کو شدید آلام کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ عیسائی نرخرے کاٹنے اور چھری کے ذریعے ذبح کرنے کو 'کارِ ثواب' سمجھتے ہیں، شراب پی کر مسلمانوں کو ذبح کرتے ہیں اور پھر ان مسلم شہداء کی

لاشوں پر شراب انڈیل کر آدم خور افریقیوں کی مانند رقص کرتے ہیں۔ (از محمد الیاس انصاری مقدمہ بوسنیا صفحہ 13,14 مطبوعہ فیروز سنز لاہور 1995ء)

کیا کہیں گی مس کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ ان وحشت و بربریت کی بھیانک داستانوں پر جن سے ابھی بھی خون رس رہا ہے۔

عزیزانِ گرامی! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کو مذہبی بنیادوں پر قتل نہیں کیا تھا کہ وہ یہودی ہیں بلکہ اُن کے جرم کی اُن کو سزا دی گئی۔ یہ سزا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجویز نہیں کی بلکہ ان کے حلیف حضرت سعد بن معاذ جن کو انہوں نے از خود حکم بنایا، انہوں نے تجویز کی۔

خود کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ رقم طراز ہیں:۔

However, important to note that the Qurayzah were not killed on religious or racial ground. (Muhammad P# 142)

تاہم یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بنو قریظہ کو مذہبی یا نسلی بنیادوں پر نشانہ نہیں بنایا گیا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 119)

احباب من! پیغمبر اسلام کی رواداری ملاحظہ کیجئے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں کو کیا پیغمبر اسلام نے امن سے جانے نہیں دیا، حالانکہ یہ جاتے ہوئے بھی اشتعال انگیزی سے باز نہیں آئے اور ناچتے، گاتے، عالی شان لباس کے ساتھ ہنستے مسکراتے گئے اور پھر انہوں نے جانے کے بعد جو گل کھلائے وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ کس طرح انہوں نے قریش کا ساتھ دیا بلکہ جنگ کیلئے قریش اور دیگر قبائل کو ابھارا جس کے نتیجے میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔

اور اگر بنو قریظہ اپنی بغاوت و غداری میں کامیاب ہو جاتے تو ذرا بتایئے کہ مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا؟ مسلمان عورتوں کا کیا بنتا، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا اور مسلمانوں کو اس طرح پیس دیا جاتا کہ آج کوئی اس داستان کو بیان کرنے والا بھی نہیں ہوتا۔

(۴) عدم برداشت اور تشدد پسندی کا الزام

وہ ذات جس نے سنگ کھا کر بھی اپنے دشمنوں کو دعا دی۔۔۔ عرب کے کفار نے سنگ دلی کی انتہا کر دی۔۔۔ پتھروں سے پیغمبر اسلام کی پیٹھ مبارک کو زخمی کر ڈالا۔۔۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو مکہ کی گلیوں میں بدترین تارچر کیا گیا۔۔۔ آپ کو شعب ابی گھاٹی کے محاصرے میں محصور کر دیا گیا۔ ظلم و ستم کا وہ کون سا ہتھکنڈہ تھا جو کفارِ مکہ نے نہیں آزمایا تھا۔ مگر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو اپنے خون کے پیاسوں تک کو معاف کر دیا۔

ایسی امن پسند شخصیت پر عدم برداشت اور تشدد پسندی کا بہتان تحقیق کا لبادہ اوڑھ کر لگانا اگر اسلام دشمنی اور گستاخی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

کیا یہ ہی علم اور یہی تحقیق ہے مستشرقین کی۔

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ اس حوالے سے لکھتی ہیں:۔

'Overnight Muhammad had become the enemy.' (Muhammad P# 75)

حضرت محمد راتوں رات اُن کے دشمن بن گئے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 52)

آگے لکھتی ہیں:

It must have been very difficult indeed for the Muslims, brought up in the jahili spirit, to practice hilm and turn the other cheek. Even Muhammad sometime had to struggle to maintain his composure. (Muhammad P# 81)

جاہلی روایات کے مطابق پرورش یافتہ مسلمانوں کیلئے حلم سے کام لینا اور طمانچے کیلئے دوسرا گال آگے کر دینا یقیناً بہت مشکل رہا ہو گا حتیٰ کہ حضرت محمد کو بھی کبھی کبھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آئی۔ (پیغمبر امن، صفحہ 57)

مزید آگے ایک اور جھوٹ بہانگ دہل اس طرح بولتی ہیں:۔

Quran shows that some of the Emigrants found the very idea of fighting distasteful But Muhammad was not discouraged. (Muhammad P# 127)

قرآن دکھاتا ہے کہ کچھ مہاجرین نے لڑائی کے خیال کو ناپسند کیا لیکن آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمت نہیں ہاری۔ (پیغمبر امن، صفحہ 92)

یعنی کئی مسلمان یہ چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لڑائی کرنے کیلئے بے تاب تھے۔

آگے یہی متعصب مستشرقہ لکھتی ہیں:۔

But Muhammad had embarked upon a dangerous course. He was living in a chronically violent society and he saw these raids not simply as a means of bringing in much - needed income, but as a way of resolving his quarrel with the Quraysh. (Muhammad P# 129)

لیکن حضرت محمد ایک خطرناک راہ پر نکل کھڑے ہوئے تھے وہ ایک نہایت متشدد معاشرے میں رہتے تھے اور آپ کی نظر میں یہ حملے محض حصولِ آمدنی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ قریش کے ساتھ جھگڑا چکانے کا طریقہ بھی تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ 93)

یعنی (معاذاللہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے میں انتقام کی آگ جل رہی تھی جس کی وجہ سے آپ تشدد کی راہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس جھوٹ کا پردہ خود ہی چاک کرتے ہوئے آگے فتح مکہ کے حوالے سے لکھتی ہیں:

'Muhammad issued a general amnesty.' (Muhammad P# 201)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 148)

ذرا غور کیجئے! جو شخصیت اپنے خون کے پیاسوں کو اس وقت معاف کردے جب طاقت میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو اس حلیم اور پُر امن شخصیت کے بارے میں یہ کہنا کہ معاذاللہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشدد کی راہ پر نکل کھڑے ہوئے۔

مزید آگے اپنے قلبی بغض کا اظہار یوں کرتی ہیں:

'Muhammad was not a pacifist.' (Muhammad P# 137)

حضرت محمد امن کا پرچار نہیں کررہے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 99)

آگے لکھتی ہیں:۔

'He had wanted to cut the cycle of violence and dispossession, not continue it.' (Muhammad P# 151)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری رکھنے کے بجائے ختم کرنا چاہتے تھے۔(پیغمبر امن، صفحہ 110)

یعنی تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری تھا۔ کیرن صاحبہ یہ تو بتائیے کہ نضیر اور قینقاع کے علاوہ کس کو مدینہ سے بے دخل کیا گیا۔ وہ بھی ان دونوں کی اسلام دشمنی اور عہد شکنی کے سبب ایسا کیا گیا جس کے یہ دونوں قبیلے خود ذمے دار ہیں۔

اور یہ اعتراف تو مس کیرن آپ بھی کرتی ہیں جیسا کہ آپ نے خود لکھا:۔

خود رسول اللہ کے زمانے میں یہودیوں کے چھوٹے گروپ ۶۲۷ عیسوی کے بعد مدینہ میں بدستور موجود رہے، انہیں امن وسکون کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی اور ان کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہ کی گئی۔

Muhammad A Biography Of The Prophet) از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 281

مترجم ملک نعیم اللہ مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور)

کیرن آرمسٹرانگ پیغمبر اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

It was nearly time to make good on Abu Sufiya's parting shot after Uhud:' 'Next year at Badar!' but Muhammad was playing a very dangerous game. He had to make a show of strength. (Muhammad P# 151)

اب جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان کی لگائی ہوئی پکار کا جواب دینے کا وقت آگیا تھا۔ اگلے سال بدر میں لیکن محمد نہایت خطرناک کھیل رہے تھے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 111)

بنو قریظہ کے حوالے سے جس کا جواب ہم گذشتہ صفحے پر دے چکے ہیں کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

He had staged a defiant show of strength, which, it was hoped, would bring the conflict to an end .Change was coming to this desperate, primitive society, but for the time being ,violence and killing on this scale were the norm.

(Muhammad P# 162)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طاقتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا جو (امید تھی کہ) جھگڑے کو ختم کردے گا۔ اس بے چین قدیمی معاشرے میں تبدیلی آرہی تھی لیکن فی الحال اس وسیع پیمانے پر قتل غارت گری مقبولِ عام دستور تھی۔

(پیغمبر امن، صفحہ 119)

ہم ان تمام اعتراضات کا جواب گذشتہ صفحات پر دے چکے ہیں۔

اپنی ہی تحقیق کا رد

کیرن آرمسٹرانگ اپنی ہی تحقیق کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

During the last five years, many Muslims had died for their religion; others had risked everything and given up family and friends. Yet now Muhammad had calmly handed the advantage back to the Quraysh and the pilgrims must agree to go home meekly, without even forcing the pilgrims must agree to go home meekly, without even forcing the pilgrimage issue the treaty assaulted every single jahili instinct. (Muhammad P# 184)

گذشتہ پانچ برس کے دوران مسلمانوں نے اپنے مذہب کی خاطر جان دی تھی۔ دیگر نے اپنا سب کچھ اور اہل خانہ کو بھی داؤ پر لگایا تھا۔ اس کے باوجود آنحضرت نے بڑے تحمل کے ساتھ قریش کی بالا دستی دوبارہ قائم کردی اور کہا کہ زائرین خاموشی سے گھر واپس چلے جائیں۔ یہ معاہدہ ہر لحاظ سے جاہلی جبلت کے خلاف تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ135)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

Muslims were not supposed to be men of war; they were characterized by the spirit of hilm. (Muhammad P# 189)

مسلمانوں سے توقع نہیں کی جاتی تھی کہ وہ جنگ جوئی رویہ اختیار کریں گے۔ وہ حلم، امن اور برداشت کے جذبے سے متصف تھے۔ (پیغمبر امن صفحہ139)

مزید آگے رقم طراز ہیں:۔

It was not violence and self-assertion, but the spirit of mercy courtesy and tranquility that would cause the ummah to grow. (Muhammad P# 190)

تشدد اور دھونس نے نہیں بلکہ رحم، خوش اخلاقی اور تحمل کے جذبے نے اُمت کو فروغ دیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ140)

مس کیرن مسلمانوں کی مکّہ سے واپسی کے منظر کے بارے میں قریش کی حیرت کو اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

On the astonishment of the quraysh, the entire pilgrim throng left the city that night in good order. There were no loud protests, no attempt to repossess their old homes. (Muhammad P# 194)

قریش یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ زائرین کا سارا جلوس اسی رات منظم انداز میں شہر سے چلا گیا، کوئی احتجاج نہ ہوا اور نہ ہی پرانے دشمنوں پر دوبارہ غلبہ پانے کی کوئی کوشش کی گئی۔ (پیغمبر امن، صفحہ143)

جن کے اخلاق و کردار کی گواہی قریش جیسے مخالفین دے رہے ہوں کیرن صاحبہ ان کی تصدیق بھی کر رہی ہیں اور دوسری جانب اپنے قلبی بغض کا اظہار بھی کر رہی ہیں، صرف اسلئے کہ انہیں ایک غیر جانب دار محقق کا اعزاز مل جائے مگر نہ تو یہ طریقہ تحقیق ہے اور نہ ہی اس طرح اہلِ انصاف واہلِ قلم کے نزدیک وہ لائق عزت ٹھہریں گی۔

بائبل اور مستشرقین

مستشرقین کی مکمل یہ کوشش ہوتی ہے کہ تخیل کے سہارے افسانوی طرز پر یا حقائق کو توڑ مروڑ کر کسی بھی طرح اسلام کو دہشت گرد قرار دے دیا جائے۔ کسی بھی طرح اس پر تشدد پسندی کا الزام لگا دیا جائے خواہ ثابت ہو یا نہ ہو۔ مستشرقین کی ان کوششوں نے اسلام کو تو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اُن کے اس طرزِ عمل سے یہودیت اور عیسائیت کی بنیادیں لرز گئیں۔ بائبل اپنے مخالفین کے ساتھ کس قسم کے سلوک کا حکم دیتی ہے ملاحظہ کیجئے۔

بائبل میں جہاد یا دہشت گردی

بائبل میں جو جہاد اور لڑائی سے متعلق آیتیں ہیں ان کے بارے میں مستشرقین کیا کہیں گے آیا وہ جہاد ہیں دہشت گردی؟

بائبل میں ہے:۔

اور جب تو جنگ کرنے کیلئے کسی شہر کے نزدیک جائے تو پہلے اس سے صلح کی خواہش کر اگر وہ صلح منظور کریں اور پھاٹک تیرے لئے کھول دیں تو جتنے لوگ جو اس میں رہتے ہیں وہ سب تیرے باج گزار ہوں گے اور تیری خدمت کرینگے اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ تجھ سے جنگ شروع کریں تب تو اس کا محاصرہ کر اور خداوند تیرا خدا اس کو تیرے ہاتھ میں دے دیگا اور تو سب مردوں کو تلوار کی دھار سے قتل کر مگر عورتیں اور بچے اور چوپائے اور اس شہر کی سب لوٹ کو اپنے لئے لے اور اپنے دشمنوں کی تمام غنیمت کھا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے اور اسی طرح تو ان سب شہروں سے کر جو تجھ سے بہت دور ہیں اور جو ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں لیکن ان قوموں کے شہروں میں سے جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دے گا تو کسی ذی روح کو زندہ نہ رہنے دے بلکہ تو ان کو ضرور قتل کر۔ (استثنیہ شرع باب20 آیت10 تا17)

بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

زندہ خداوند کی قسم جس نے مجھ کو قیام بخشا ہے اور مجھے میرے باپ داؤد کے تخت پر بٹھایا اور میرے لئے اپنے قول کے مطابق گھر بنایا ہے کہ ادونیاہ آج ہی قتل کیا جائے گا اور سلیمان بادشاہ بنایا ہے بن یویاداع کو بھیجا جس نے اس پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ (املوک، باب 2 آیت 24,25)

اس آیت کی تشریح کرت ہوئے بائبل کا مفسر لکھتا ہے، اپنے تخت کو مستحکم کرنے کیلئے سلیمان نے اپنے حریف ادونیاہ کا کام تمام کرادیا۔ یہ بات ضروری اور مبنی بر انصاف ہے۔ (تفسیر الکتاب، جلد اوّل صفحہ 430)

گویا صرف اقتدار کیلئے جنگ کرنا یا کسی کو قتل کرانا بائبل کے مفسر کے نزدیک نہ صرف درست بلکہ مبنی بر انصاف ہے کیا کہیں گے مستشرقین اسلام تو کہیں بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اپنے اقتدار کیلئے کسی کو قتل کرادو۔

ایک اور جگہ بائبل میں ہے:۔

جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں داخل کرے جس کے وارث ہونے کیلئے تو جاتا ہے اور تیرے سامنے سے بہت سی قوموں کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالے یعنی حتّیوں اور جرجاشیوں اور اُموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات بڑی اور تجھ سے زیادہ زور آور قومیں ہیں اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھ میں دے دے اور تو ان کو مارے تو تو انہیں بالکل ہلاک کرنا تو ان کے ساتھ کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر مہربانی کرنا تو ان کے ساتھ بیاہ نہ کرنا اپنی بیٹی ان کے بیٹے کو نہ دینا اور ان کی بیٹی اپنے بیٹے کیلئے نہ لینا۔ (استثنیہ شرع، باب 7 آیت 1,2,3)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے پادری میتھ یو رقم طراز ہیں، اُمویوں کی بدکاری اب پوری ہو چکی تھی اور اسے پوری ہونے میں جتنا زیادہ عرصہ لگا انتقام اتنا ہی سخت تھا۔ (تفسیر الکتاب، جلد اوّل صفحہ 430)

ایک اور جگہ بائبل میں ہے:۔

اور جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ اپنا جبہ بیچ کر خریدے۔ (لوقا، باب 22 آیت 37)

پادری میتھیو لکھتا ہے:۔

جو چاہتے ہیں کہ مسیح ہم پر بادشاہی نہ کریں انہیں اس کے دشمن مانا جائے گا اور اسی کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔ یہ وہ ہیں جو مسیح کے جوتے تلے نہیں آنا چاہتے اور اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں جو مسیح کے فضل کی حکمرانی نہیں چاہتے وہ بالآخر اس کے غضب سے ہلاک ہوں گے۔ (تفسیر الکتاب، جلد سوم صفحہ 621)

خود کیرن آرمسٹرانگ نے بھی دوران رہبانیت ان عبارتوں کو پڑھا ہو گا اسی لئے لکھتی ہیں:۔

بائبل میں فی الواقع تشدد موجود ہے جو قرآن کی نسبت کہیں زیادہ ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں وحشیانہ اقدامات کے جواز میں بائبل کو استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ (The Bible The Biography از کیرن ارمسٹرانگ صفحہ 222 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگارشات پبلشرز 2009ء)

قارئین کرام! یہ چند مثالیں تھیں بائبل کی۔ آیئے اب اسلام کا تصور جہاد ملاحظہ کیجئے:۔

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین

اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (اُن پر بھی) زیادتی نہ کرنا

بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۰)

ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:۔

و قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین

اور لڑتے رہو اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کیلئے

پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۳)

جنگ کے اصولوں کی مزید تشریح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم و اتقوا اللہ

و اعلموا ان اللہ مع المتقین (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۴)

تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاں دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کی تیاریوں اور عملاً جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں امن اور صلح کیلئے ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمایا ہے:۔

و ان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم (سورہ الانفال۔ آیت ۶۱)

اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جایئے اس کی طرف

اور بھروسہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

ان آیات سے مسلمانوں کا جنگ کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

اسلام بچوں، بوڑھوں، عورتوں کو اور جو محاذ آرائی نہ کرے ان سے جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔

احبابِ من! اسلام کی امن پسندی کا اعتراف دبے ،ڈھکے،چھپے لفظوں میں کیرن صاحبہ نے بھی کیا اور دیگر مستشرقین نے بھی،اپنوں نے بھی اس کی امن پسندی کے گیت گائے اور غیروں نے بھی اس کی رواداری کے نغمے الاپے۔

یہی وہ مذہب ہے جس نے قیصر وکسریٰ کے تشدد کی بڑھکتی ہوئی آگ کو بجھایا۔یہی وہ دین ہے جس نے قبائل کی باہمی جنگوں کی آتش کو گل وگلزار میں تبدیل کردیا۔یہی وہ مذہب ہے جس کی تعلیمات آج کی اس دنیا کو بھی امن،محبت،رواداری بھائی چارے کا پیغام دے رہی ہیں۔

التجاء اپنے رب کے حضور

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب میں کہیں بھی قصداً یا سہواً کوئی غلطی یا خطا ہو گئی ہو،
اے اللہ ! اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میری اس غلطی و خطا کو معاف فرما
مجھے ایمان کے ساتھ زندگی اور موت عطا فرما۔ آمین